مقالات و بیانات اکابر

مقدمہ کراچی و قول فیصل

بالفاظ حضرت مولانا حسین احمد مدنی و محمد علی جوہر

مکمل روئداد مع فیصلہ عدالت

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ
۲۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مقدمات و بیاناتِ اکابر

مقدمہ کراچی و قولِ فیصل

ابو الکلام آزادؔ، مولانا سید حسین احمد مدنی، محمد علی جوہرؔ

کے بیانات مع فیصلۂ عدالت

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ ۞ ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

ناشران۔ تاجران کتب عالیہ اسلامیہ

نام کتاب ——— مقدمات و بیاناتِ اکابر

مرتّب ——— عبدالرشید ارشد

ناشر ——— مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور

مطبع ——— مولا والا پریس لاہور

قیمت ——— [redacted] روپے

صفحات ——— ۴۴۸

تعداد ——— ۱۱۰۰

بار اوّل ——— رجب ۱۳۹۵ھ جولائی ۱۹۷۵ء

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت و عزیمت

آج برِ صغیر آزاد ہے لیکن یہ آزادی کی نعمت کیسے میسّر ہوئی اور اس کے لیے اہلِ وطن کو کس کربِ بلا اور آتشیں میدانوں سے گزرنا پڑا، یہ داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی۔ فرنگی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے کلکتہ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ اس برِ صغیر پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ یہ دراصل مسلمان حکمرانوں کی بداعمالیوں اور تعیش پرست زندگی کی سزا تھی۔ مسلمان اُمراء اور روساء اور نواب خدا کو بھول کر عیش پرستی میں پڑ گئے۔ عوام نے ان کا محاسبہ نہ کیا۔ پوری کی پوری قوم خدا فراموشی اور خود فراموشی کا شکار ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا قہر بصورتِ انگریز نازل ہوا جس طرح کہ کہا جاتا ہے کہ

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

"علمائے حق اور دار و رسن" لازم و ملزوم ہیں۔ حکومت اپنوں کی ہو یا غیروں کی حق و صداقت کے علمبردار ہمیشہ ہی تختۂ دار پر لٹکائے گئے یا جیلوں میں گئے اس لیے کہ علمائے حق بمصداق آیتِ کریمہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (پارہ ۲۲) "اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اُس کے بندوں میں جو علماء ہیں" اور جو شخص اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتا ہے وہ باطل کے سامنے کبھی گردن نہیں جھکاتا۔ بلاخوف لومۃ لائم ہمیشہ سچی بات کہتا ہے اور ہمیشہ سربکف کفن بر دوش رہتا ہے۔ وہ کبھی امامِ اعظمؒ کی شکل میں جیل میں وفات پاتا ہے، کبھی احمد بن حنبلؒ کے وجود میں کوڑے برداشت کرتا ہے، کبھی مجدد الف ثانیؒ کی صورت میں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند ہوتا ہے اور کبھی شاہ ولی اللہؒ کے روپ میں قاتلانہ حملہ کی زد میں آتا اور اپنے پنجے تڑواتا ہے، کبھی سید احمد بریلویؒ

اور شاہ اسمٰعیلؒ بن کر بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کرتا ہے۔ حق و صداقت کا یہی جذبہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ، رشید احمد گنگوہیؒ، محمد قاسم نانوتویؒ اور محمد ضامن شہیدؒ کو بے سر و سامانی کے عالم میں انگریز جیسی قہرمانی طاقت سے جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی جذبۂ حریتِ فکر کے لیے علمائے لدھیانہ ۱۸۸۸ء میں "نصرت الابرار" کے نام سے ایک ہزار علماء کے دستخطوں سے فتویٰ لے کر میدانِ عمل میں آتے اور اہلِ اسلام برادرانِ وطن کے ساتھ مل کر تحریکِ آزادی کی پُرامن جد و جُہد کرتے ہیں اور کبھی حق و صداقت کی یہ گونج ابوالکلام کے قلم سے "الہلال" کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اسی علم کو جب محمود حسنؒ (شیخ الہند) تھامتے ہیں تو حرمین شریفین سے گرفتار ہو کر اسیرِ مالٹا کا نام پاتے ہیں۔ اسی حق و صداقت کی خاطر محمد جعفر تھانیسری اور اُن کے ساتھی بعبورِ دریائے شور کی سزا پاتے ہیں، کتنے شہید ہوتے ہیں، کتنوں کو درختوں پر پھانسی دی جاتی ہے۔ الحاصل یہ کہ حق و صداقت کی آواز تاریخی طور پر ایک مسلسل ربط اور استناد رکھتی ہے۔ کوئی قرن یا عرصہ ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں شرارِ بولہبی تو ہو لیکن چراغِ مصطفوی نہ ہو ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حضرت جابرؓ بن سمرۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لن یبرح هذا الدین قائما	یہ دین برابر قائم رہے گا اور اس
یقاتل علیه عصابة من	کے لیے مسلمانوں کا ایک طبقہ لڑتا
المسلمین حتی تقوم	رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت
الساعة	آ جائے

حضرت امیر معاویہؓ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

سمعت رسول الله صلی الله	میری امت کا ایک طبقہ امرِ الٰہی
علیه وسلم یقول لا تزال	پر برابر قائم رہے گا جو انھیں ذلیل

طائفة من امتی قائمة — کرنے کی کوشش کریں گے یا
بامر اللہ لا یضرھم من — ان کی مخالفت کریں گے وہ انہیں
خذلھم او خالفھم حتی — کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، یہاں
یاتی امر اللہ وھم ظاھرون — تک کہ قیامت آجائے اور وہ
علی الناس (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۳) — طبقہ لوگوں پر ظاہر رہے گا۔

در خانۂ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

انگریز قوم اپنے ملک و وطن کے لیے لاکھ محبِ وطن ہو گی مگر اس کی دوسرے ملکوں میں تاریخ مکاریوں، دسیسہ کاریوں اور فریب سے پُر ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کرنا، شام، عراق وغیرہ میں ریشہ دوانیاں اور پھر ترکوں اور عربوں کو آپس میں لڑانا، یہ ایسی خطرناک باتیں تھیں جن کی وجہ سے ہندوستانی زعماء و علماء خون کے آنسو روتے تھے اور خصوصاً یہ بات حد درجہ المناک تھی کہ ہندوستان کے مسلمان سپاہی جو اٹھارہ روپے پر بھرتی کیے جاتے تھے وہ اسلامی ملکوں میں جا کر مسلمانوں ہی پر گولیاں چلاتے تھے۔ اس پر علماءِ حق نے ترکِ موالات کا فتویٰ تیار کیا جس میں انگریزی حکومت سے ہر طرح کا بائیکاٹ تھا حتیٰ کہ مسلمانوں سے یہ کہا گیا تھا کہ حکومت کے کسی شعبہ میں نوکری کرنا خصوصاً پولیس اور فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے۔ وکالت کرنا حرام ہے وغیرہ وغیرہ اس پر حکومت کا برافروختہ ہونا لازمی تھا۔ اس فتویٰ کے بعد ملک میں جگہ جگہ جلسے ہوئے اور بصورتِ قرارداد یہ فتویٰ پیش ہو کر پاس ہوتا رہا اور یہی فتویٰ لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر ملک کے ہر حصے میں پہنچایا گیا۔ فوجیوں کو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔ اس تحریکِ ترکِ موالات میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ہندو لیڈروں نے یہ کہا کہ کعبہ پر گولی چلانا کاشی پر گولی چلانے کے مترادف ہے۔ اسی سلسلے کا ایک جلسہ کراچی میں منعقد ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا شوکت علی، مولوی نثار احمد، پیر غلام مجدد، جگت گورو شنکر

اچاریہ اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو شریک ہوئے اور اس فتوی کا خلاصہ بطور قرارداد پیش ہو کر پاس ہُوا اور تقریریں ہوئیں جس کی وجہ سے ان حضرات پر خالق دینا ہال میں مقدمہ چلا جو مقدمہ کراچی کے نام سے مشہور ہے۔ سٹی مجسٹریٹ کراچی نے اس کی سماعت کی اور بعد میں ملزم سیشن سپرد کیے گئے۔ اس مقدمہ میں تقریباً ۲۵ سرکاری گواہ پیش ہوئے اور ۸۹ دستاویزی ثبوت پیش کیے گئے۔ ملزمان نے ترکِ موالات کی وجہ سے گواہوں پر جرح تو نہ کی البتّہ تقریری اور تحریری بیانات دیئے۔

اسی طرح کا مقدمہ مولانا ابوالکلام آزاد پر کلکتہ میں قائم ہُوا اور انھوں نے بھی وہاں تحریری بیان داخل کیا۔ گورنمنٹ جو اس فتوے سے خوفزدہ تھی نے مقدمہ چلا کر خود ہی اس فتوے کی اس قدر تشہیر کر دی کہ اگر ویسے لاکھوں روپے خرچ کر دیے جاتے تو اتنی تشہیر و اشاعت ممکن نہ تھی۔ ان مقدموں کی مکمل کارروائی اخبارات میں چھپتی رہی اور علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوئی مقدمہ کراچی اس سائز کے دو جلدوں میں پونے آٹھ صد صفحات پر شائع ہُوا اور مقدمہ کلکتہ اسی سائز کے ۲۹ سطر کے ۱۰۲ صفحات پر شائع ہُوا۔

مقدمہ کراچی کے سبھی حضرات کے بیانات ہوئے اور مولانا محمدؐ علی و مولانا شوکت علی پر دو تین اور مقدمے بھی تھے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے بچنے کے لیے ماتحت عدالت اور سیشن عدالت سے مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور مولانا محمدؐ علی جوہرؒ کے بیان اور سیشن جج کے فیصلہ نیز مولانا جوہرؒ کے محاکمۂ عدالت پر اکتفا کی ہے تاکہ کتاب کی ضخامت نہ بڑھے۔ ان بیانات کو پڑھیے اور پھر اندازہ کیجیے کہ یہ لوگ کس قدر جری اور صاحبِ استقامت تھے۔ انہی لوگوں کی اس جرأت اور قیادت نے ملک کو آزادی کی منزل تک پہنچایا اور بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہو کہ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات تحریکِ آزادی کا سنگِ میل تھی بلکہ یُوں کہیے کہ برسوں کا راستہ چند ماہ میں طے ہو گیا۔

کلکتہ کی عدالت میں مولانا آزاد کا بیان "قولِ فیصل" کے نام سے معروف ہے۔ یہ مقدمہ پورے کا پورا شریکِ اشاعت ہے بلکہ اس میں مولانا کے دو اور بیانات بھی ہیں اور ایک تار بیگم مولانا

کا بے جواں کی سزا پر اُنھوں نے مسٹر گاندھی کو دیا۔ مولانا کا یہ عدالتی بیان تاریخ عدالت میں ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادبی، علمی، تاریخی اور جرأت و استقامت کے لحاظ سے اس بیان کی مثال دُنیا کی نہ تو کسی عدالت میں مل سکتی ہے اور نہ ہی کوئی زبان اس کا مثل لا سکتی ہے، دونوں مقدمے اور فتوے مع تصدیقات علمار کرام تاریخی امانت ہیں جن کو ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ا ا
ادارہ

کچھ کتاب کے بارے میں

جیسا کہ سابق میں گزرا، مقدمہ کراچی کی رُوداد خلافت کمیٹی کی جانب سے دو جلدوں میں بمبئی سے شائع ہوئی، پہلی جلد میں سٹی مجسٹریٹ کی کارروائی، گواہوں کے بیانات، سی آئی ڈی کی مختلف رپورٹیں متعلقہ زعماء دربارہ خلافت کانفرنس کراچی ۹ جولائی ۱۹۲۱ء جس میں انکی آمد رہائش وغیرہ کے متعلق بھی مفصّل اطلاعات درج ہیں۔ نیز ملک کے دوسرے کئی مقامات پر انہی زعماء کی تقریروں کی رپورٹیں (سی آئی ڈی) شامل مقدمہ ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی پر بعض دوسری تقریروں کی بناء پر بھی سٹی مجسٹریٹ کراچی کے ہاں مقدمہ درج ہُوا۔ کراچی جلسہ کے سلسلہ میں سات اشخاص پر مقدمہ قائم ہُوا جن کا ذکر گزر چکا اور آئندہ جج کے فیصلہ میں بھی آئے گا۔

کراچی کے جلسہ کی صدارت مولانا محمد علی نے کی اور مولانا سید حُسین احمد مدنیؒ نے ترکِ موالات کی قرارداد پیش کرتے ہوئے مفصّل تقریر کی، باقی پانچ اصحاب نے تائیدی تقریریں کیں اور یُوں یہ رپورٹ مقدمہ دو جلدوں میں چھپ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے اپنی دوسری جگہ کے مقدمات کے سلسلہ میں بھی بیان دیا۔

اِسی طرح مولانا آزاد پر بھی اس سلسلہ میں کلکتہ میں ایک مجسٹریٹ کے ہاں مقدمہ درج ہُوا اور اس کی مکمل رپورٹ علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہوئی، جس میں مولانا کے بعض دوسرے بیانات و پیامات بھی شامل ہیں۔

مولانا آزاد کا عدالتی بیان "قولِ فیصل" کے نام سے مشہور و معروف

ہمیں مقدمہ کراچی کی دونوں جلدیں مدرسہ مظہر العلوم[1] کھڈہ کراچی سے دستیاب ہوئیں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الغنی صاحب نے ان کا ذکر فرمایا۔ ہماری استدعا پر انھوں نے مہتمم مدرسہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہہ کر مدرسہ کے کتب خانہ سے مستعار لے دیں۔ ہم ان دونوں حضرات کے ممنون ہیں ——— مقدمہ کلکتہ کی رُوداد ہمیں اپنے محسن حضرت سید انور حسین نفیس رقم صاحب سے ملی جو پوری کی پوری شامل کتاب ہے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مجسٹریٹ اور سیشن جج کے بیانات میں دلائل میں تکرار اور اشتراک نظر آتا ہے۔ تکرار کی وجہ تو ظاہر ہے اور کتاب و سُنّت اور فقہ کے دلائل میں اشتراک کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حضرات جیل میں باہمی تعاون سے مقدمہ کی تیاری کرتے رہے۔ کتاب و سنّت اور فقہ کے اکثر و بیشتر دلائل حضرت مدنی کے مہیا کردہ ہیں کیونکہ وہ علومِ دینیہ کے شناور اور متبحر عالم تھے اور برس ہا برس کتاب و سنّت اور دیگر تمام مروّجہ کتب دینیہ کا مدینۂ منورہ مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ) میں درس دے چکے تھے اور شاید ان دلائل کے فراہم کرنے میں انھیں اصل کتب کی طرف مراجعت کی بھی ضرورت پیش نہ آئی ہو اور جیل میں یہ کتب مہیا بھی نہ ہوں گی برس ہا برس کی ممارست سے انھیں ان کتابوں کے متون حفظ یاد ہوں گے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے حضرت مدنی کی اس محنت و امداد کا شکریہ ادا کیا ہے جیسا کہ انھوں نے محاکمہ میں فرمایا ہے۔

مولانا حسین احمد صاحب نے جن کی بیش قیمت امداد کا میں ممنون ہوں سینکڑوں مثالیں فراہم کی تھیں لیکن میری رائے سے جیوری کے سامنے پیش نہیں کیا۔

اور یہ اعتراف مولانا جوہر کی بہت بڑی عظمت ہے بلکہ انھوں نے تو عدالت میں مولانا مدنیؒ کی

---

[1] مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ "تحریک ریشمی رومال" کا ایک اہم ذیلی مرکز تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے والد محترم حضرت مولانا محمد صادق صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ اور معتمد رفقا میں سے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ مشن "تحریک ریشمی رومال" کے ممبر تھے اور بڑا کام کیا۔ نظر بند بھی رہے مظہر العلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو وفات پائی (رحمہ اللہ) (ہمیں بڑے مسلمان ص ۲۴۶ ص ۲۴۷)

جرأت پر بے اختیار ہو کر ان کے پاؤں چوم لیے تھے۔

مولانا مدنی نے اگرچہ انگریزی نہ پڑھی تھی تاہم اردو، عربی، فارسی وغیرہ میں ان کی جہاں تک رسائی تھی انگریز اور اس کی سیاست کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور وہ انگریزی حکومت کی دسیسہ کاریوں اور مکارانہ چالوں سے خوب واقف تھے جیسا کہ ان کی تمام کتب اور خطبات اس پر شاہد عدل ہیں اور مقدمہ کے بیانات سے بھی ظاہر ہے۔

رہے مولانا محمد علی جوہر تو ان کی ذکاوت، جرأت اور انگریزی کتب، برطانوی پارلیمنٹ کی تاریخ اور یورپ کی معاشرت اور انگریز کے ادب و لٹریچر کے متعلق کمال مہارت مسلمہ ہے جس کا بڑے بڑے انگریزوں نے بھی لوہا مانا ہے۔ ان کے اس کمال کا جوہر ان بیانات میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ مولانا نے سیشن جج کے جیوری (اسیروں) کے خطاب کا جس طرح محاسبہ و محاکمہ اور تجزیہ کیا ہے اپنی مثال آپ ہے۔ کیا لوگ تھے اور کیسے لوگ کہ ؎

جن کے دیکھنے کو اب آنکھیں ترستی ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد "ابوالکلام" بھی تھے اور "آزاد" بھی۔ اسم با مسمّٰی جہاں کہیں درست استعمال ہوتا ہے، وہاں نمایاں نام مولانا ابوالکلام آزاد کا نظر آتا ہے۔ ان کا یہ بیان ان کے نام کی طرح زندۂ جاوید رہے گا۔ بارہا دفعہ چھپ چکا ہے۔ حق و صداقت کے علمبرداروں کے لیے ہمیشہ مینارۂ نور ثابت ہوگا۔ دنیا کی عدالتی تاریخ میں اتنے وقار اور شکوہ سے شاید ہی کسی نے بیان دیا ہو۔ مولانا کلیم کے شعر کے دوسرے مصرع کی صحیح تصویر تھے ؎

طبعے بہم رساں کہ بسازی بعالمے
یا ہمتے کہ از سرِ عالم تواں گزشت

ہم نے یہ تمام مواد مطبوعہ کتب سے لیا ہے۔ سیشن جج نے ارکانِ جیوری سے جو خطاب کیا، شاید مترجم نے ترجمہ کرتے وقت کچھ غلطیاں کی ہوں۔ باقی رہی سہی کسر کاتب نے نکال دی ہے۔ اکثر جگہ اغلاط اور سہو نظر آتا ہے۔ ہم کوئی متبادل ترجمہ حاصل نہیں کر سکے۔ مجبوراً جو کچھ ملا

وہی پیشِ خدمت ہے۔ شاید یہ فیصلہ کراچی کے عدالتی ریکارڈ میں موجود ہو مگر ہمارے لیے یہ "کوہ کندن" اور "کاہ برآوردن" کے مصداق تھا۔ اس لیے کوشش نہیں کی کیونکہ اصل مقصود حضرات کے بیانات ہیں۔ سیشن جج نے جو کچھ کہا اس کا مفہوم سمجھ میں بہرحال آتا ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا محمدؒ علی جوہر نے سیشن جج کے خطاب جیوری کا محاکمہ کرتے ہوئے جہاں "مشاجراتِ صحابہؓ" کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی قلم سے کچھ فقرات ایسے نکل گئے ہیں جن سے "سوءِ ادب" کا پہلو نکلتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ممتاز لقب اصحابِ رسولؐ اس امر کا متقاضی ہے کہ جہاں اس مقدس جماعت کا ذکر آئے وہاں قلم و زبان اور دل و دماغ سَرَدّب ہو جائیں کہ بارگاہِ رب العزت سے انھیں "رضی اللہ عنہم" کی بشارت مل چکی ہے۔ ان حضرات کا جب ذکر آئے تو سیاہی کی ترکیب میں زمزم کا پانی اور رات کی اس تاریکی کی سیاہی شامل ہونا چاہیے کہ جس میں خدا کے بندے خدا کے حضور گڑگڑاتے اور آنسو بہاتے ہیں۔

مولانا محمّد علی جوہرؒ

"محمّد علی کی وفات کا میرے قلب پر جو اثر ہے، بیان نہیں کر سکتا۔ خدا جانے کتنی دفعہ دُعا کر چکا ہوں اور کر رہا ہوں، مجھ کو مرحوم کی جس صفت کا اعتقاد اور اس اعتقاد کی بنا پر محبّت ہے صرف ایک صفت، مسلمانوں کی سچّی، بے غرض محبّت ہے۔ باقی دوسری صفات دیکھنے والے جانتے ہیں میں نے کبھی دیکھا نہیں اس لیے ایک ہی صفت سے محبّت ہے اور اس کو میں رُوح الصفات سمجھتا ہوں۔"[1]

(حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

یہ تو اقتباس حضرت تھانویؒ کا ہے۔ علّامہ اقبالؒ نے وفات پر جو اشعار کہے اُس کے دو شعر یہ ہیں ؎

خاکِ قدس اور ابہ آغوشِ تمنّا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت
جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیا است
گرچہ آں نورِ نگاہِ خاوراز خاور گذشت[2]

۱۸۷۸ء کے آخر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۱ء (۴ جنوری) لندن میں فوت ہوئے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تھے۔ اس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"آج جس ایک مقصد کے لیے میں یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جاؤں جب کہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو، میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں جب تک وہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دوں گا اور اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے

---

[1] [2] بیس بڑے مسلمان

تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لیے جگہ دینی پڑے گی"۔ [1]

اور لطیفۂ غیبی یہ ہوا کہ مردِ مومن کی زبان سے نکلی ہوئی بات پوری ہوئی، اسی سفر میں انتقال ہوگیا اور بیت المقدس میں مسجد عمرؓ میں دفن ہوئے۔ وفات کے بعد ہندوستان کے ہر گوشہ سے آواز آئی کہ محمد علی کو ہمارے ہاں دفن کیا جائے۔ ہوا کیا بقول صاحب سیر محمد علیؒ:

"لیکن بیت المقدس کی سرزمین نے اپنے مقدس بازوؤں کو پھیلایا اور محمد علی سے کہا تیری ساری زندگی اور ساری جدوجہد، تیری دوستی اور دشمنی اللہ کے لیے تھی، دیکھ! یہ برگزیدہ انبیاء اور مرسلین کے جدِ پاک اور بے شمار اولیاء مقبولین کے اجسامِ مطہرہ میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ آئیں تجھے ایک گوشۂ عافیت اسی سرزمینِ یمن وسلام کا دیتی ہوں بول منظور ہے؟ محمد علی کی روح مسکرائی اور آگے بڑھی۔ مسجد عمرؓ نے اپنا سینہ شق کیا اور محمد علی اس میں سما گیا۔ کیا قسمت تھی"۔ ؎ اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

(بیس بڑے مسلمان ص ۸۸۵)

دو سال کی عمر کے تھے کہ والد ماجد عبد العلی خاں کا انتقال ہوگیا اور باہمت والدہ نے دونوں بھائیوں (مولانا جوہر)، (مولانا شوکت علی) کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، والدہ ماجدہ نے ہر ہر قدم پر سہارا اور ساتھ دیا بلکہ یہاں تک کہ جب سیاسیات میں حصہ لینے لگے تو یہ نعرہ ہندوستان کے ہر گلی کوچہ میں زبان زدِ عام تھا۔

بولی اماں محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دیدو

مولانا محمد علی جوہر کے متعلق انگریزی زبان کے زندۂ جاوید ادیب و انشاپرداز، مصنف، افسانہ نویس اور ڈرامہ نگار ایچ جی ویلز نے جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، وہ اسی کیطرح زندہ جاوید ہے "محمد علی کا دل نپولین کا دل تھا، اس کا قلم میکالے کا قلم تھا اس کی زبان برک کی زبان تھی"۔

---

[1] بیس بڑے مسلمان

ان سطور کے بعد قارئین کی خواہش ہو گی کہ وہ مولانا محمدؐ علی جوہر کے متعلق تفصیلی حالات پڑھیں۔ ان کے لیے یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ہمارا یہاں یہ موضوع ہے۔ اس کے لیے کتاب "بیس بڑے مسلمان" مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور اور سیرت محمدؐ علی مؤلفہ رئیس احمد جعفری مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کا مطالعہ فرمائیں ——— یہاں صرف مولانا کے وہ بیانات آپ پڑھیں گے جو آپ نے کراچی کی دو عدالتوں میں دیے جو "محمد علی" کو جاننے، پہچاننے کے لیے آپ کی کافی امداد کریں گے۔

مولانا سیّد حُسین احمد مدنیؒ

حضرت مولانا سیّد حُسین احمد مدنیؒ کی سیرت اور کردار کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو موصوف مجد و شرف، تقویٰ و طہارت، جُہد و ہمّت، ایثار و قناعت، شکر و صبر، رضا و توکّل، عزیمت و استقامت، علم و عمل، درس و تدریس، سلوک و معرفت غرضیکہ جُملہ محاسنِ جلیلہ اور اوصافِ حمیدہ میں امام احمد بن حنبلؒ، حضرت مجدّد الف ثانیؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی صفیں میں کھڑے نظر آتے ہیں لیکن تحریکِ پاکستان سے اختلاف کی بنار پر پاکستان میں ایک مخصوص طبقہ اُن پر ہمیشہ سبّ وشتم کرتا رہتا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل تحریکِ پاکستان سے اختلاف جرم تھا نہ کُفر۔ ایک نظریہ کی حمایت ومخالفت تھی۔ دونوں فریق مخلص اور دیانت دار تھے۔ اگر اس طرح کے اختلاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کُفر و اسلام کے فتاویٰ صادر کیے جائیں تو پھر اُمّت میں کوئی شخصیت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ قیامِ پاکستان سے قبل پاکستان کا مسئلہ ایک سیاسی یا اجتہادی مسئلہ تھا جس میں ہر ایک کو ایک رائے رکھنے کا حق و اختیار تھا۔ نہ نظریۂ پاکستان کے علمبرداروں کے پاس وحی آتی تھی اور نہ ہی اس سے اختلاف کرنے والوں کے پاس نصوصِ قطعیہ تھیں۔ ہر کوئی اپنی فکر و فہم سے اُمّتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں[ل] تھا لیکن قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کی سالمیت و تحفّظ کے لیے کوشش

ل بقول حضرت مفتی محمد حسنؒ خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامتؒ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت تھی کہ حضرت تھانویؒ اور ان کے خلفاء نے تحریکِ پاکستان کی حمایت کی اور حضرت مدنیؒ اور ان کے متبعین نے متحدہ ہندوستان کی تاکہ دونوں ملکوں میں علماءِ دیو بند اپنی وجاہت سے مسلمانوں کی خدمت کریں۔

کرنا ایک شرعی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مدنیؒ اپنے ان متوسلین کو جو پاکستان میں تھے ہمیشہ اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ مُلک کی ترقی و استحکام کے لیے سینہ سپر رہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کہ پاکستان کا مسئلہ اب مسجد کی حیثیت رکھتا ہے اور خود ہمیشہ پاکستان کے لیے دُعائیں کیا کرتے تھے لیکن جن لوگوں کو حضرت موصوف سے بُغض و عناد ہے وہ آج تک حضرت مولانا کو مورِدِ طعن و تشنیع قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے پاکستان میں رہ کر وہ کچھ نہیں کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا۔ ستائیس اٹھائیس سال گزر جانے کے بعد بھی اس بحث کو جاری رکھنا ہمارے خیال میں ذہنی تعیش بلکہ شقاوتِ قلبی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

کسی فیصلہ سے قبل جب کہ مسئلہ مشاورتی مرحلہ میں ہو اختلاف ایک ناگزیر امر ہے جس کی مثالوں سے تاریخِ اسلام اور فقہ و حدیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔ ہاں یہ اختلاف خلوص و دیانت پر مبنی ہونا چاہیے۔ نصوصِ قطعیہ سے متصادم نہ ہو ورنہ مذموم ہے۔ رائے کے صواب و عدمِ صواب کا فیصلہ وحی الٰہی کرسکتی ہے جو اب اجتہادی مسائل میں ممکن نہیں خلوص و دیانت پر شُبہ کرنا اسلامی تعلیم اور کسی بھی نقطہ نگاہ سے درست نہیں کہ کوئی بھی دوسرے کا سینہ چیر کر نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ایک عہد ساز و تاریخ ساز شخصیت تھے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج بھی پاکستان میں اُن کے نام پر کٹ مرنے والے اور جان قربان کرنے والے اتنے افراد موجود ہیں کہ شاید کسی اور شخصیت کے فدائیوں کی تعداد اتنی نہ ہو اور وہ سب کے سب تقریباً احکامِ اسلام کے پابند اور کتاب و سُنّت کے والہ و شیدا ہیں اور حضرت موصوف پر اس لیے جان دیتے ہیں کہ حضرت مولانا کی پُوری زندگی جو اخلاص و للّٰہیت کا نمونہ تھی، کتاب و سُنّت کی اشاعت کے لیے وقف تھی اور سیاسی طور پر وہ مغربی استعمار کو اسلام کا سب سے بڑا اور مکّار دشمن سمجھتے تھے جس کی ایک جھلک آپ کے اس بیان میں نظر آتی ہے جو شاملِ کتاب ہے۔ اس بیان سے ان کی رسوخ فی العلم والعمل کی ایسی شان نظر آتی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

مختصر سوانح

تاریخِ ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب۔ وفات ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا حبیب اللہ صاحب سے حاصل کی جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے مجاز تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ابتدائی کتب سے لے کر انتہائی کتب تک تقریباً ۲۳ کتب وقت کے عظیم ترین انسان شیخ الہند مولانا محمود حسن سے پڑھیں گویا شفاف آئینہ آفتاب جہانتاب کے سامنے رکھ دیا گیا۔ بقول مہتمم دارالعلوم "آپ دارالعلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔ حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ علم سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد (مولانا حبیب اللہ) کے ساتھ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ طیبہ پہنچے اور اٹھارہ سال مدینہ منورہ میں رہ کر مختلف علوم و فنون بالخصوص حدیث شریف کا درس دیا۔ زندگی کمال زہد و قناعت کی تھی جو کمال صبر و تحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے پھر ۱۳۲۰ھ میں واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم (دیوبند) میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۲۹ھ تک درس دیا پھر اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور اسی سال مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسنؒ) کے ہمراہ حجاز ہی میں اسیر کر کے مالٹا بھیج دیئے گئے۔ ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے رہا ہو کر حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی سال اکابر کے حکم سے جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارتِ تدریس کے فرائض انجام دیئے پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ۱۳۳۹ھ میں ہی جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ سلہٹ

میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری کے ڈابھیل تشریف لے جانے پر آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے۔

آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ حدیث کے مشہور اسکالر تھے۔ آپ کا درس حدیث بہت مقبول تھا، کئی تصانیف فرمائیں جو سیاست اور تصوف پر ہیں۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک ستائیس برس دار العلوم میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ اس دوران میں ۴۴۸۳ طلبہ نے آپ سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنی ہمت مردانہ سے سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ جمعیۃ علماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے۔ آپ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور سر دھڑ کی بازی لگادی۔ کئی مرتبہ جیل گئے اور آخر کار ملک کو آزاد کرایا۔ بہر حال مجموعی حیثیت سے آپ عالم، فاضل، شیخ وقت، مجاہد، جفاکش، جری، اور اولوالعزم فضلاء دار العلوم دیوبند میں سے تھے۔

(بیس بڑے مسلمان ص۴۷، ص۴۸) از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دار العلوم دیوبند

مفصل حالات کے لیے "بیس بڑے مسلمان" مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ۔ "نقش حیات"، روزنامہ "الجمعیۃ"، "نئی دنیا" دہلی کے شیخ الاسلام اور عظیم مدنی نمبر اور دیگر کئی کتب جو برصغیر پاک و ہند میں لکھی گئیں، مطالعہ کیجیے

مولانا ابوالکلام آزاد

عزم ہمالیہ کی طرح استوار، دل آبِ زمزم کی طرح پاک و صاف، دماغ آسمان کی طرح بلند، نظر آفتاب کی طرح روشن، فکر دریاؤں کی طرح رواں، علم سمندر کی طرح وسیع، عقل چراغوں کی طرح نور افروز، فضل اشجار کی طرح سایہ دار و ثمر ریز، کلام شہد کی طرح لذیذ و شیریں، مزاج پھولوں کی طرح نازک اور شگفتہ۔

حکمت میں عقدہ کشا، سیاست میں صاحبِ تدبیر، حکومت میں فیض رساں، بزم میں صاحبِ علم و کمال، رزم میں مجاہدِ وطن، سر پر قیادت کا تاج، پیشانی میں شرافت کا عکس، آنکھوں میں ایمان کا نور، زبان پر نعرۂ حق اور پیامِ امن، سینہ پر محبت کی آئینہ بندی، دل میں انسانیت کا درد، کمر میں صبر کی تلوار، دوش پر شکر کی عبا، ہاتھ میں استقامت کا عصا، پاؤں میں عزم و ثبات کے موزے، عمل میں اتحاد و ترقی و ترقی کی راہ پر وہ سفر جس کی ہر منزل پر انسانیت کی فلاح کا پیغام اور جس کی آخری منزل پر یہ آواز —— کہ "اب مجھے خدا پر چھوڑ دو اس حالت میں خدا مجھ سے راضی ہے اور میں اپنے خدا سے راضی ہوں"۔

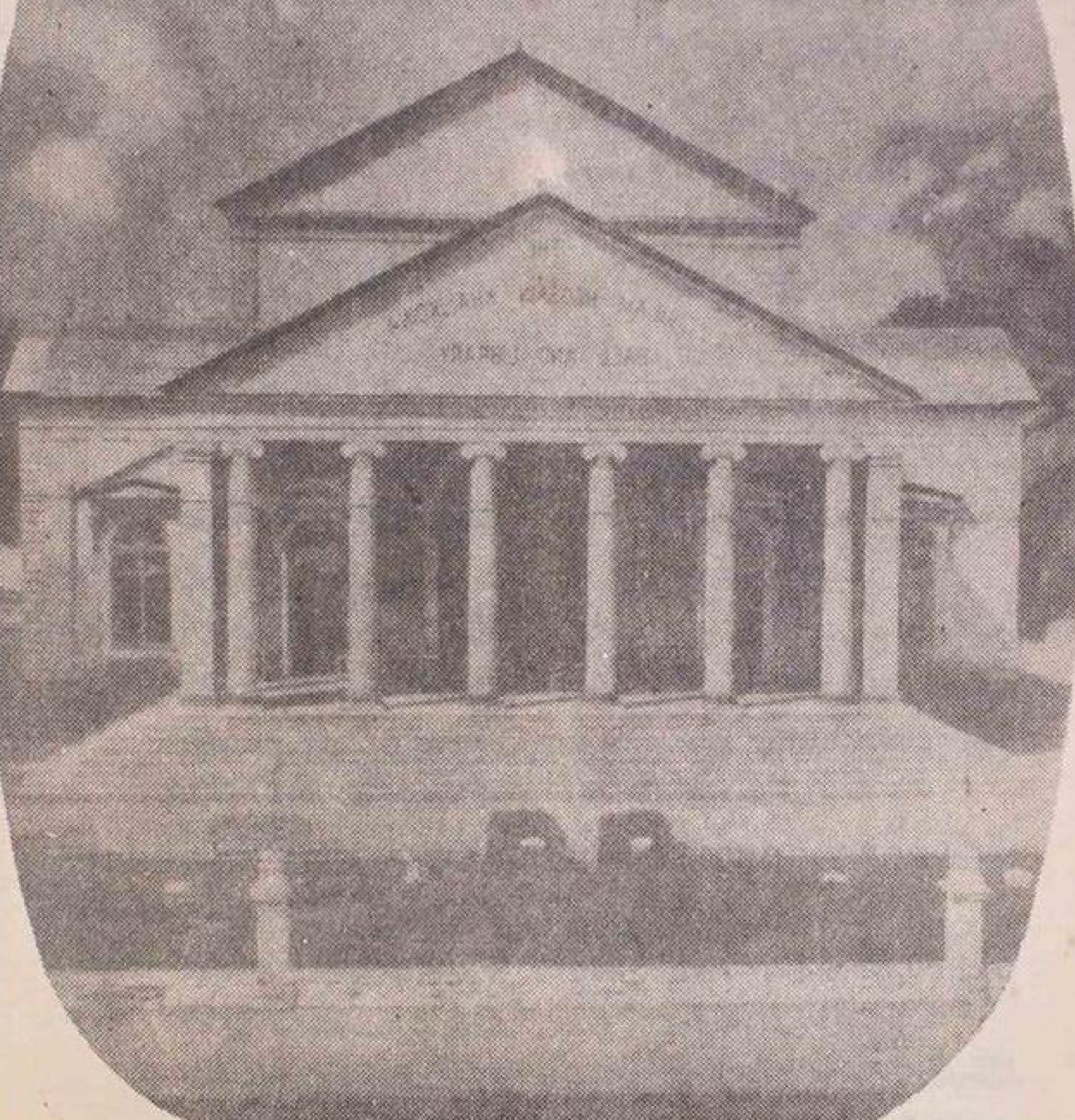
کروڑوں برس کی بوڑھی دنیا نے اپنی زندگی میں ان گنت "ابوالکلام" دیکھے ہوں گے لیکن جس ابوالکلام کو دنیا ڈھونڈ رہی ہے اور ڈھونڈتی رہے گی وہ ایک ذات نہیں، انسانیت کے ایک دور کی تاریخ اور انسانی تمدن کے ایک زمانہ کی داستان تھی جسے ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء تک دیکھا گیا، سُنا گیا، دُہرایا گیا لیکن اب پڑھا جائے گا کہ وہ خاک میں مل کر کیمیا بن گیا ہے۔

اب وہ عالم نہیں، سراپا علم بن گیا ہے جس کی تحصیل کے لیے درسگاہیں بنیں گی، کتابیں تحریر ہوں گی، تحقیق کے باب کھلیں گے اور مستقبل کا انسان ابوالکلام کا علم بھی عقلوں کو ماننے

اور دلوں کو صاف کرنے والے علوم کی طرح حاصل کرے گا اور کون کہہ سکتا ہے کہ ابوالکلام کو ایک عالم کی صورت میں کھو کر دُنیا نے زیادہ کھویا ہے یا ابوالکلام کو ایک علم کی صورت میں پاکر دُنیا نے زیادہ پایا ہے۔ (ماخوذ از "بیس بڑے مسلمان" ص۴۲۱)

۱۸۸۸ء ۱۱- نومبر کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔
۱۸۹۸ء مکہ معظمہ سے کلکتہ آئے۔
۱۹۰۳ء رسالہ لسان الصدق جاری کیا۔
۱۹۰۴ء انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں خطبہ پڑھا۔
۱۹۰۹ء آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔
۱۹۱۲ء اردو اخبار 'الہلال' جاری کیا۔
۱۹۱۴ء حکومت نے 'الہلال' کی ضمانت ضبط کرلی، اور اخبار بند ہوگیا۔ 'البلاغ' جاری کیا۔
۱۹۱۵ء حکومت بنگال نے بنگال سے جلاوطن کردیا۔
۱۹۱۶ء رانچی (بہار) میں نظر بند کردیئے گئے۔
۱۹۲۰ء رہا کردیئے گئے۔ دہلی میں پہلی مرتبہ مہاتما گاندھی سے ملاقات ہوئی۔ مہاتما گاندھی کی قیادت میں تحریکِ عدم تعاون میں حصّہ لیا۔ گرفتار ہوئے اور دو سال کے لئے قید کردیئے گئے۔
۱۹۲۳ء ستمبر میں انڈین نیشنل کانگریس کے خصوصی اجلاس منعقدہ دہلی کے صدر ہوئے
۱۹۳۰ء کانگریس کے قائمقام صدر ہوئے پھر گرفتار کرلئے گئے، اور ۱۹۳۲ء تک جیل میں رہے
۱۹۳۷ء کانگریس پارلیمنٹری سب کمیٹی کے ممبر ہوئے
۱۹۴۰ء پھر کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۶ء تک اس عہدے پر رہے۔
۱۹۴۲ء کانگریس کے خصوصی ترجمان کی حیثیت سے سر سٹیفورڈ کرپس سے بات چیت کی اگست میں 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک کے سلسلہ میں گرفتار کرلئے گئے اور تین سال تک نظر بند رہے۔
۱۹۴۳ء بیگم آزاد کا انتقال ہوا
۱۹۴۵ء دوسرے کانگریسی لیڈروں کے ساتھ رہا ہوئے وائسرائے کی طرف سے منعقدہ شملہ کانفرنس میں کانگریس کے ترجمان کی حیثیت سے شریک ہوئے۔
۱۹۴۶ء کیبنٹ مشن کے ساتھ مذاکرات میں حصّہ لیا۔
۱۹۴۷ء دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے عبوری حکومت میں تعلیم اور فنون لطیفہ کے ممبر ہوئے ملک آزادی کے بعد ۱۵ اگست سے حکومت ہند کے وزیر تعلیم ہوئے۔
۱۹۵۱ء پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب ہوئے
۱۹۵۲ء پہلے عام انتخابات میں پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ تعلیم قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیقات کے وزیر مقرر ہوئے۔
۱۹۵۵ء دوبارہ پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب ہوئے۔
۱۹۵۵ء دو ماہ کے لئے یورپ اور مغربی ایشیا کے خیر سگالی دورے پر تشریف لے گئے۔
۱۹۵۶ء یونیسکو کی نویں عام کانفرنس منعقدہ دہلی کی صدارت کی
۱۹۵۷ء دوبارہ گوڑگاؤں کے حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ وزیر تعلیم۔ سائنسی تحقیقات کے عہدے پر برقرار رہے۔
۱۹۵۸ء ۲۲ فروری کو دہلی میں رحلت فرماگئے۔

خالق دینا ہال



وہ تاریخی ہال جہاں مقدمہ سماعت ہوا

حضرات!

ہم دونوں (بھائیوں) کے نام کا ایک فرد علی کا مقدس نام ہے اور میرے نام میں تو ایک دُوسرا نام بھی شامل ہے، جو علی سے بھی بزرگ تر ہے، مَیں ذاتی عناد کے باعث ایک، مچھر کو بھی نہیں مار سکتا، لیکن اپنے خُدا کے واسطے مَیں سب کو قتل کر دُوں گا۔ مَیں اپنے بھائی کو ذبح کر ڈالوں گا۔ اپنی پیاری بوڑھی ماں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بچّوں کو سب کو خدا کی راہ میں ذبح کر ڈالوں گا۔ خُدا میری مدد کرے۔

(— جس وقت مولانا نے آخری فقرات ادا فرمائے، ان کی آواز بھرّا گئی تھی۔ آنسوؤں کے قطرے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے اور آخر بالکل بے اختیار ہو کر وُہ بیٹھ گئے —)

(مولانا محمد علی جوہر کے بیان کا آخری ٹکڑا)

○

اگر

گورنمنٹ کا منشا۔ مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے، تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کر لیں کہ اُن کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا — اسی طرح ۲۲ کروڑ ہندو بھی غور کر لیں کہ ان کو کیا کرنا ہے، کیونکہ جب مذہبی آزادی ہی چھینی گئی تو سب کی چھینی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں، حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتبِ فقہ کو برباد کر دیں، تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنیوالا میں ہوں۔

(— اس آخری جملے پر مولانا محمد علی جوہر نے جزاک اللہ کہہ کر مولانا سید حسین احمد مدنی کے قدم چوم لیے —)

حضرت مدنیؒ کے بیان کا آخری ٹکڑا جو اُنھوں نے مجسٹریٹ کی عدالت میں دیا)

○

یقیناً

مَیں نے کہا ہے، موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے، لیکن اگر مَیں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ مَیں نہیں جانتا کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اُس کے اصلی نام سے نہ پکاروں؟ میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہُوں، مَیں کم سے کم اور نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہُوں، یہی ہے۔ ایسی ملفُوظ صداقت جو اس سے کم ہو، میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا رہا ہُوں کہ ہمارے فرائض کے سامنے دو ہی راہیں ہیں، گورنمنٹ، ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے اور اگر باز نہیں آسکتی تو مٹا دی جائے، مَیں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ انسانی اعتقاد کی اتنی پُرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عُمر کہے جاسکتے ہیں، جو چیز بُری ہے اُسے یا تو درست ہوجانا چاہیئے یا مِٹ جانا چاہیئے، تیسری بات کیا ہوسکتی ہے، جب کہ مَیں اس گورنمنٹ کی بُرائیوں پر یقین رکھتا ہُوں، تو یقیناً یہ یہ دُعا نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عُمر بھی دراز ہو۔

(مولانا آزادؔ کے بیان کا ایک اقتباس)

فتویٰ ترکِ موالات

مع

تصدیقاتِ علمائِ کرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مفصّلہ ذیل میں :-

نمبر۱ : موالات کا کیا مفہوم ہے اور شرعاً اعدائے دین و اسلام سے کس قسم کی موالات حرام، اور ترک موالات واجب ہے۔ اور جو شخص مسئلہ سے واقف ہونے کے بعد موالات رکھے، اُس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

نمبر۲ : کیا گورنمنٹ ہند کی کونسلوں کی ممبری، پیشہ وکالت و مختار کاری وغیرہ سرکاری یا نیم سرکاری کالجوں، اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا یا بچّوں کو تعلیم دلانا، گورنمنٹ سے تعلیم میں مدد (گرانٹ ایڈ) لینا، آنریری مجسٹریٹی و خطابات عطیہ گورنمنٹ قبول و منظور کرنا بھی موالات میں داخل ہیں؟

نمبر۳ : گورنمنٹ کی فوجی اور غیر فوجی ملازمتیں جن سے نظامِ حکومت استوار و محکم رہتا ہو، کیا حالتِ موجودہ میں مسلمانوں پر حرام ہیں؟

نمبر۴ : انگریزی مال کا استعمال جس سے انگریزی قوم کو قوت حاصل ہوتی ہے، کیا حالتِ موجودہ میں ممنوع ہے؟

نمبر۵ : کیا غیر مسلم جو دشمنی پر آمادہ نہ ہو، اُس سے تمدّنی اتحاد اور اُس سے کسی معاملہ میں استعانت شرعاً جائز ہے؟

نمبر۶ : کیا غیر مسلم کے مشورۂ نیک کو کسی دینی مقصود کے حصول کے لئے قبول کرنا اور اُس پر عمل کرنا جو بظاہر ایک غیر مسلم کی اتباع و پیروی سمجھی جاتی ہے شرعاً جائز ہے؟

ہر سوال کا جواب نمبروار نہایت واضح اور مختصر لیکن مدلّل ہونا چاہیئے۔ بیّنوا و توجروا۔

الجواب ہو الموفق للصواب

جواب نمبر۱ : لفظ موالات محاورۂ عرب و اصطلاح شرع میں بمعنی محبّت،

(دوستی) و مناصرۃ (باہمی امداد) مستعمل ہوتا ہے۔ تمام کتبِ تفاسیر میں اس کی تشریح و توضیح موجود ہے اور اعدائے دین سے موالات باعتبار دونوں معنی کے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام سے مطلقاً موالات رکھنے سے منع فرمایا ہے، ظاہراً یا باطناً، بالاُجرت یا بلا اُجرت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ج وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (سورۃ ممتحنہ)	جن کافروں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال کیا۔ تم کو اپنے ممالک سے بے دخل کر دیا اور تمہارے اخراج و بے دخل کرنے میں مدد دی، اُن سے دوستی اور باہمی امداد کرنے سے خدا تم کو روکتا ہے اور جو لوگ ایسے کفّار سے موالات رکھیں، وہ سب ظالم ہیں۔

جو مسلمان باوجود واقفیت اس مسئلہ کے اُن سے موالات رکھے، سخت گناہ گار اور اور بالفاظ قرآن کریم ظالم ہوگا۔ اللہ جل جلالہٗ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○	اے مسلمانو! یہود و نصاریٰ (دشمنانِ دین) کو دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ لوگ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ تم میں کا جو شخص ان کو دوست بنائے گا اُسی زمرہ میں محسوب ہوگا۔ کیونکہ اللہ پاک قوم ظالم کو نورِ ہدایت نہیں بخشتا ہے۔

موالاتِ کفار کے متعلق شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ کا ایک بہت بڑا مفصل فتویٰ ہے جس کے بعض فقرات یہ ہیں:

"در بابِ موالاتِ کفار آنچہ فقہا نوشتہ اند تفصیلے میخواہد در شرح عین العلم

واحیاء العلوم مطالبہ فرمودہ باشند حاصلش آنکہ موالات بمعنی دوستی اگر من جہتہ الدین با آنہا متحقق شود بالاجماع کفر است و باعتبار دنیا اگر اختیاری این شخص است پس حرام است بمعنی اَنَّ تعاطی اسبابِہا حرامٌ۔

واما حکم موالات بمعنی معاونت و مناصرۃ مبنی است بر اصلی متقرر وَھُوَ اَنَّ الاِعانۃَ علی الکفر والمعصیۃ معصیۃٌ اتفاقاً۔ لقولہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ و این معاونت گاہے بأجرت میباشد و آں را در عرف چاکری میگویند و گاہے بے اُجرت مے باشد آنرا مدد و کمک میگویند و حکم ہر دو قسم واحد است۔ یعنی اگر کفار خواہند کہ با مسلمانے قتال کنند یا مُلکے یا بلدے از اہل اسلام تصرف نمایند نوکری آنہا حرام و مدد و کمک نیز حرام بلکہ کبیرہ است و اگر باہم قتال کنند، یا برائے جمع مال و بندوبست ملکی کہ از سابق در تصرف خود دارند مسلمان را نوکر گیرند نظر بظاہر شرع اباحت است قیاسا علی سائر الاجارات مثل الخیاطۃ والتجارۃ وغیرھما کیف و قد ثبت عن الاکابر انہم اجروا انفسھم من المشرکین۔ لیکن عند التعمق آں ہم خالی از حرمت نباشد خصوصًا درین زمان زیراکہ چاکری اینہا بسیار روشناسان راخیلے موجب مفاسد دینی میگردد و اقل مفاسد دینی میگردد و اقل مفاسد مداہنت است و نہ انکار بر افاعیل منکرہ ایشاں و مناصحت و خیر خواہی ایشاں و تکثیر سواد و تقویت شوکت و تعظیم مفرط ایشاں و خداوند صاحب و قبلہ گفتن و اظہار محبتِ مفرط اینہا الیٰ غیر ذٰلک۔

جواب نمبر ۲: یہ ساری چیزیں موالات میں داخل ہیں کیونکہ ان اُمور سے ظاہرًا سکومت کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور باطنًا امداد بھی۔ اس لئے بنابر حکم ترکِ موالات ان سب اُمور سے علیحدگی واجب اور حکم ترک موالات کے علاوہ دیگر مفاسد کی بناپر بھی ان سب کا ترک کرنا مسلمانوں پر واجب۔ اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

ترکِ کونسل کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں

الف : کونسل قانونی ہو یا انتظامی ، اس کا مقصد نظامِ حکومت کا استحکام وانصرام ہے جو کھُلّم کھُلا حکومت کی معاونت ہے ۔

ب : کونسل میں اکثر غیر شرعی قوانین وضع کئے جاتے ہیں جن کی تحریک یا تائید یا اس پر سکوت باوجود قدرت مخالفت کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ۔ مگر مسلم ممبرانِ کونسل یہ سب کچھ کرتے ہیں جس کے شواہد واقعاتِ ماضیہ اور خود موجودہ قوانین کا نفاذ ہے ۔

ج : کونسل میں قوم انگریزی بھی ہوتی ہے جو ظالم و دشمنِ دین ہے اور ایسی قوم کے ساتھ اعزازی نشست شرعاً حرام ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (ترجمہ) پس یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مِل کر نہ بیٹھ ۔

د : کونسل میں ممبران کے لئے حکومت کی وفاداری وطاعت شعاری و بہی خواہی کی قسم کھانا بھی ضروری ہے اور حالتِ موجودہ میں اپنی خوشی اور اختیار سے حکومت کی وفاداری و طاعت شعاری و بہی خواہی مسلمانوں پر حرام ہے ۔ اسلئے وفاداری کی قسم شرعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے ۔

پیشہ قانون کے حرام ہونے کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں

الف : قانون پیشہ اصحاب حکومت کے نصف نظام یعنی شعبۂ انتظامی کو قائم رکھنے والے ہیں اور اُس کے قوانین کو عملاً نافذ کراتے ہیں جو حکومت کی بہت بڑی مدد ہے ۔ جس کی حرمت ثابت ہو چکی ہے ۔

ب : حکومت کے اکثر قوانین دیوانی و فوجداری خلاف قوانینِ شرع ہیں ،

جن کی ترویج اور اُس پر عمل کرانا قانون پیشہ اصحاب کا خاص کام ہے جو سراسر معصیت ہے۔

ج : ہر قانون پیشہ اکثر اوقات قصداً محض التزام پیشہ کی وجہ سے مظلوموں کے خلاف اور ظالموں کی موافقت میں کام کرتے ہیں جو سراسر ظلم اور تائید معصیت ہے۔

د : مقدمہ کو قانونی دائرے میں لانے کے لئے قصداً جھوٹ بولنے کی تعلیم و ترغیب جو ایک سخت جرم ہے۔ اکثر وکلا محض اس پیشہ کی وجہ سے حکم خدا چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں اور مداہنت کرتے ہیں۔

سرکاری یا نیم سرکاری مدرسوں کالجوں اسکولوں میں ترکِ تعلیم و تعلّم کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں

الف : اِس تعلیم سے مقصود حکومت کی ملازمت یا قانونی پیشہ کرنا ہے، جو داخلِ موالاتِ محرّمہ ہے۔

ب : علاوہ مفسدہ مذکورہ مروجہ تعلیم و تربیت مستلزم دیگر مفاسد، غلبۂ حبِ دنیا، حبِ جاہ، ہوا پرستی، احکامِ شرعیہ سے بے اعتنائی و لاپرواہی وغیرہا ہے۔ اور یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ پس باصول اسباب المعصیۃ معصیۃ اس تعلیم و تعلّم سے علیحدگی واجب۔

ج : اسکولوں کالجوں کی تعلیم موجب ترک فرض عین ہے۔ اس لئے کہ علمِ دین بقدرِ ضرورت جس کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مروّجہ تعلیم کے ہوتے ہوئے عادۃً غیر ممکن ہے۔

د : مدارس اسلامیہ عربیہ میں جو کہ زیر اثر حکومت ہیں (خواہ کُل اخراجات حکومت کے ہوں یا حکومت کی تھوڑی امداد ہو، خواہ محض اخلاق ہی ہو) علاوہ مفاسد مذکورہ ایک خاص مفسدہ یہ ہے کہ طلب و تحصیلِ علمِ دین محض دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح ایسے مدرسے کے مدرسین کی ملازمت بھی کہ یہ خود معصیۃ علی المعصیۃ ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

قبولِ امداد (گرانٹ یا ایڈ) کے حرام ہونے کے متعدّد وجوہ

الف : یہ معاملہ اسبابِ موالات سے ہے جو حالتِ موجودہ میں حرام ہے۔

ب : تعلیم کا اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے جس سے مفاسد مذکورہ سابق پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے باصول المفضی الی المعصیة معصیة ، یہ قبول امداد حرام ہے۔

ج : شدّت غلظت جو دشمنانِ اسلام کے ساتھ رکھنا واجب ہے، وہ قبولِ امداد سے باقی نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ الخ (ترجمہ) اے نبی! کفّار اور منافقین کے ساتھ جہاد اور اُن پر سختی کرو۔ (سورہ براءة)

بعض مشرکین کے ہدایا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا واپس کرنا اسی پر محمول ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ میں مصرح ہے۔

آنریری مجسٹریٹی و اعزازی عہدے بوجوہِ ذیل حرام ہیں

الف : ان عہدوں سے گورنمنٹ ہند کی مدد ہوتی ہے جو شرعاً حرام ہے۔

ب : اس سے گورنمنٹ ہند کے قوانین (جو بالکل مخالف شرع ہیں) کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ یعنی غیر شرعی فیصلہ کرنے والے ظالم ہیں۔

ج : اِن عہدوں کی وجہ سے بسا اوقات مداہنت فی الدّین کرنی پڑتی ہے۔

خطابات گورنمنٹ کے رکھنا بوجوہِ ذیل حرام ہیں

الف : خطابات اسباب و ذرائع موالات محرّمہ ہیں۔ اس لئے اِن کا رکھنا

موالات کے حکم میں داخل ہے۔

ب : اصحابِ خطابات کو حکّام (دشمنانِ دین) سے میل جول اُن کی تعظیم و تکریم ضرور کرنی پڑتی ہے جو حرام ہے۔

ج : اصحابِ خطابات اعدائے دین سے عزّت وجاہ کے طالب ہوتے ہیں جو شرعاً مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًاؕ (سورۂ نساء) یعنی کیا لوگ کفار کے نزدیک عزّت چاہتے ہیں حالانکہ کل عزّت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

د : خطاب یافتہ خواہ کتنے ہی روزہ و نماز کا پابند ہو، شدّت علی المعاندین اُس میں باقی نہیں رہتی، جو ایک دینی فرض ہے جیسا کہ گذرا۔

جواب نمبر۳ : گورنمنٹ کی جملہ ملازمتیں جن سے اس کی اعانت ہوتی ہے حرام ہیں۔ بالخصوص پولیس اور فوجی ملازمت۔ یہ بدترین معصیت ہے۔ کیونکہ ان کو اپنے مسلمان بھائیوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیۡھَا۔ الآیۃ۔ (سورۂ نساء) یعنی "جو شخص کسی مسلمان کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کرے گا وہ جہنّم میں ہمیشہ عذاب دیا جائے گا۔" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے من حمل السلاح علینا فلیس منّا۔ مبسوط امام سرخسی جلد عاشر میں ہے کہ اگر کافر بادشاہ پر کسی دوسرے کافر بادشاہ نے حملہ کیا ہو تو ایسی صورت میں مسلم رعایا کا اپنے کافر بادشاہ کی طرف سے قتال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک وکفر کی شوکت وعظمت ہو گی جس کی اعانت حرام ہے۔ انتہیٰ۔

جواب نمبر۴ : بیشک دشمنانِ اسلام (انگریزی قوم) کا مال خریدنا، یا ان کے ہاتھ بیچنا، جس سے اُن کو قوّت حاصل ہو، ممنوع و ناجائز ہے۔ فقہائے کرام حربی اقوام کے ہاتھ اسلحہ کی بیع کو ناجائز کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حکم اسلحہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جن اشیاء سے دشمنوں کو قوّت حاصل ہو

ان سب کی بیع ناجائز ہے، مثل لوہا وغیرہ۔ پس بنظر تعلیل مذکور انگریزی مال کا مقاطعہ ایک دینی و مذہبی امر ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں ہمارے دشمن کو جو قوت تجارت سے حاصل ہوتی ہے وہ اُس قوت سے کہیں زیادہ ہے جو نفس بیع حدید سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر جن چیزوں سے احتراز متعذر ہو اور دیگر مقاصد مِلّی میں بغیر اُن کے چارہ کار نہ ہو تو اُن کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے باصول من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما اور الضرورت تبیح المحذورات۔

جواب نمبر ۵ : بیشک ایسے غیر مسلم سے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہ ہو ملکی و تمدّنی ربط و اتّحاد شرعًا جائز ہے۔ اُن کے ساتھ عدل و انصاف درست اور برِ و احسان مناسب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ (ترجمہ) "حق تعالیٰ تم کو ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا، جنہوں نے تمہارے ساتھ مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بیشک خدا تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ لیکن فرطِ جوشِ اتحاد میں مسلمانوں کو کوئی ایسا امر نہیں کرنا چاہیئے جو غیر مشروع ہو۔ ورنہ ایسا اتحاد جس سے دیگر مفاسد پیدا ہوں ناجائز ہے۔ ان امور میں فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح۔ اذا تعارضت مصلحۃ ومفسدۃ قدم دفع المفسدۃ غالبًا لان اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتنائہ بالماموراتِ (الاشباہ والنظائر)

"مصلحتوں کی رعایت کے اعتبار سے مفاسد کا دفع کرنا اولیٰ ہے۔ اور جب کوئی مصلحت اور مفسدہ متعارض ہو تو اکثر دفعہ مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے منہیات سے روکنے کی طرف شرع کی توجہ زیادہ ہے باعتبار توجہ بالمامورات کے"۔

اور ایسے غیر مسلم سے مذہبی امور میں مدد لینا شرعًا جائز ہے۔ کتبِ فقہ کے

ابواب قسمت غنائم میں مسئلہ بصراحت مذکور ہے۔ ونیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں یہود کے مقابلہ میں بعض دیگر یہود سے مدد لی۔ غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے مدد لی۔ والتفصیل فی فتح القدیر وغیرہ۔

جواب نمبر ۶: کسی غیر مسلم کا مشورہ نیک جو اغراض و مصالح شریعت کے منافی نہ ہو، قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور یہ درحقیقت خدا اور رسول کے احکام کی پیروی ہے۔ فقہائے کرام نے بوقتِ جہاد دشمنوں پر حملہ کرنے میں مشرکین کی رہنمائی کو جائز لکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں پائے لے لے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہاں مشرکانہ خواہشات کا اتباع ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ مگر یہ واضح رہے کہ بحق مسلم کسی غیر مسلم کی سیادت، کلی یا جزئی، ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

والتفصیل فی التفسیرات الاحمدیۃ للملاجیون وغیرہا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہٗ، ناظم جمعیۃ علمائے بہار

(۲) الجواب صحیح۔ فقیر محمد عبدالقدیر قادری بدایونی (۳) خلیل الرحمن سہارنپوری

(۴) احقر مظہر الدین غفرلہٗ (۵) احمد علی جوالاپور۔

(۶) الجواب صحیح۔ عبدالحلیم الصدیقی بھوپالی۔ (۷) محمد سلامت اللہ انصاری فرنگی محل لکھنوی ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ۔

(۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نشر و تعمیل احکام شرعیہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ جس کو فاضل مجیب نے خوب انجام دیا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ فقط، فقیر عبدالماجد القادری البدایونی، ناظم انجمن علمائے صوبہ متحدہ۔

(۹) الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱۰) الجواب صحیح - محمد داؤد غزنوی - امرت سری۔

(۱۱) الجواب حق صریح لا ریب فیہ۔ سید محمد آل نبی غفرلہٗ فرخ آباد، اوصاف منزل۔

(۱۲) الجواب صحیح - احقر محمد صدیق عفا اللہ عنہ - نجیب آبادی۔

(۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - حامداً و مصلیاً و مسلماً - میں چونکہ فتووں پر دستخط کرنے کا عادی نہیں ہوں، اس واسطے اس سعادت سے معذور ہونے کے باوجود ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ سے جس پر علمائے کرام کے دستخط میں مجھے اتفاق ہے بلکہ مجھ پر اس کی تعمیل لازم ہے۔ فقط۔ فقیر محمد عبدالباری لکھنوی

(۱۴) الجواب صحیح - حکیم ابو تراب محمد عبدالحق مالک وایڈیٹر اہل سنت والجماعت امرتسر۔

(۱۵) الجواب صحیح - بندہ سعید احمد صدر مدرس مدرسہ عربیہ پانی پت و مہتمم مدرسہ رفاہ المسلمین لکھنؤ۔

(۱۶) الجواب صحیح - سید عزیز الرحمٰن دہلوی (۱۷) محمد ابراہیم منگلوری ضلع

(۱۸) الجواب صحیح - محمد ریاست حسین مہتمم و مدرس اوّل مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی۔

(۱۹) الجواب صحیح - سلیمان سندہ۔ (۲۰) الجواب صحیح - ابراہیم عفی عنہ کراچی۔

(۲۱) اصاب من اجاب - ایم عبدالکریم غفرلہ۔ سیوہاروی۔

(۲۲) الجواب صحیح - سید مغیث الدین مدرسہ حنفیہ صوفیہ - اجمیر شریف۔

(۲۳) الجواب صحیح - فقیر عاصی محمد امین گوجرانوالہ۔

(۲۴) المجیب مصیب - حمید الدین الحسینی مدرس مدرسہ عربیہ گلاؤٹھی - ضلع بلند شہر

(۲۵) اصاب المجیب - عبدالعزیز عثمانی - ساکن گڑھی حبیب اللہ خاں - ضلع ہزارہ - صوبہ سرحدی۔

(۲۶) الجواب صحیح - سعید احمد مدرس اوّل مدرسہ سراج العلوم سنبھل ضلع مراد آباد۔

(۲۷) الجواب صحیح - سلطان حسن سنبھلی۔

(۲۸) صح الجواب واللہ اعلم بالحق والصواب - حررہ محمد عظیم غفرلہ اللہ الکریم - فرنگی محل لکھنؤ۔

(۲۹) الا کما قالوا و انا للعبد - محمد ابو القاسم بنارسی (۳۰) نجم الدین احمد بدایونی -
(۳۱) الجواب صحیح - ابو نصر منظر حسین الدنولوی ندوی -
(۳۲) اصاب من اجاب - احقر الزمن ہادی حسن - مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم شاہ نور - سہارن پور -
(۳۳) الجواب صحیح - حررہ فقیر محمد ابو العلاء فصیحی حنفی - غازی پوری -
(۳۴) الجواب صحیح - سخاوت الانبیاء سلہٹی -
(۳۵) الجواب صحیح - انا الراجی الی رحمۃ ربہ الغنی سید محمد عیسیٰ الغزنوی - مدرس حدیث مدرسہ اسلامیہ صادق گنج - ریاست بہاول پور -
(۳۶) اصاب المجیب - محمد یسین عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ رائپور سی پی
(۳۷) الجواب صحیح - محمد صادق عفی عنہ کراچی کھڈا -
(۳۸) الجواب صحیح - محمد صدیق عفی عنہ - کراچی کھڈا -
(۳۹) الجواب صحیح - ابو الوفاء ثناء اللہ - امرت سری -
(۴۰) الجواب حق - محمد امیر غفرلہٗ - ڈاک خانہ بگراسی ضلع بلند شہر
(۴۱) الجواب حق - محمد خلیل غفرلہٗ - کرانوی -
(۴۲) الجواب حق - فقیر حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ - لدھیانوی -
(۴۳) الجواب حق - محمد طاہر صدیقی - دیوبندی -
(۴۴) الجواب حق - تسلط کفار کا دفع کرنا ہر مسلم پر فرض ہے - ھذا ھو الحق -
محمد عبد المجید - حیدر آبادی -
(۴۵) الجواب صحیح - محی الدین عفا اللہ عنہ - اجمیری
(۴۶) الجواب صحیح - بندہ غلام قادر - مہتمم مدرسہ منچن آباد - ریاست بہاولپور -
(۴۷) الجواب صحیح - محمد حفیظ اللہ عفی عنہ - لدھیانوی -
(۴۸) الجواب حق - محبوب الٰہی - سندیلوی - الحال ٹوبہ ٹیک سنگھ - ضلع لائل پور -
(۴۹) الجواب صحیح - احقر محمد عبد الرحیم غفرلہ - دہلی

(۵۰) الجواب الصحیح ۔ خادم الدین القویم محمد مبین ۔ سند یافتہ دار العلوم دیوبند ۔
(۵۱) قد اصاب من اجاب ۔ خادم العلما سلطان محمود گجراتی مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی
(۵۲) الجواب صحیح ۔ بندہ عزیز عفی عنہ بقلم خود ۔ مراد آباد ۔
(۵۳) الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد العزیز عفا اللہ عنہ ۔ گوجرانوالہ
(۵۴) الجواب صحیح ۔ محمد رئیس الدین دہلوی ۔
(۵۵) الجواب صحیح ۔ عبد السلام بقلم خود (غفرلہ) از قصبہ نرولی ضلع مراد آباد ۔
(۵۶) الجواب صحیح والمجیب نجیح ۔ عبد التواب علی گڑھی ۔
(۵۷) الجواب صحیح ۔ ابو محمد احمد عفی عنہ ۔ مسجد صوفی لاہور
(۵۸) الجواب صحیح ۔ احقر محمد احسن کان اللہ لہ ۔ مدرس مدرسہ فیض عام ۔ سیوہارہ ۔
(۵۹) الجواب صحیح ۔ سید محمد ادریس عفا اللہ عنہ
(۶۰) الجواب صحیح ۔ احقر الزمن سید طاہر حسن عفی عنہ ۔ شاہی امام عیدگاہ دہلی ۔
(۶۱) الجواب صحیح ۔ نسیم احمد عفا اللہ عنہ ۔ امام مسجد سنہری دہلی ۔
(۶۲) صح الجواب ۔ فقیر عبد اللہ سندھی عفی عنہ ضلع حیدر آباد ۔ سندھ ۔
(۶۳) الجواب صحیح ۔ رونق علی عفی عنہ ۔ مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم ۔ بریلی
(۶۴) الجواب صحیح ۔ ابو احمد محمد اسحاق شہر بھاگلپور
(۶۵) الجواب صحیح ۔ محمد ایوب بقلم خود ۔ پانی پتی
(۶۶) الجواب صحیح ۔ فقیر محمدی غلام ابراہیم نقشبندی مجددی یزدانی گنوری ۔
(۶۷) الجواب صحیح ۔ عبد الجبار عفی عنہ میرٹھی مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خاں ۔ دہلی
(۶۸) الجواب صحیح ۔ محمد ابراہیم ۔ بھاگل پوری
(۶۹) الجواب حق صریح ۔ محمد مبین خطیب دیوبند
(۷۰) الجواب صحیح ۔ ظہور محمد عفی عنہ مدرس مدرسہ رحمانیہ ۔ رڑکی
(۷۱) الجواب صحیح ۔ محمد اشفاق تھانہ بھونوی واعظ انجمن ہدایت الاسلام ۔ دہلی ۔

(۷۲) الجواب صحیح - عاجز محمد عبد القیوم عرف منظور احمد عفی عنہ
(۷۳) الجواب صحیح - عبد الجلیل بقلم خود ممبر اشاعۃ اسلام لاہور
(۷۴) الجواب صحیح - سیّد محمد داؤد توحید نصیر احمد ضلع اجمیر
(۷۵) الجواب صحیح - محمد عمر - مونگیری
(۷۶) واللہ در المجیب - نثار احمد عفا اللہ عنہ خلف مولانا احمد حسن مرحوم کانپوری
(۷۷) صح الجواب - محمد عبد الکافی عفی عنہ الہ آبادی
(۷۸) الجواب صحیح - محمد خدا بخش مظفر پوری
(۷۹) الجواب صحیح - عقیل الرحمٰن ندوی
(۸۰) المجیب مصیب - محمد فرخند علی مدرس اوّل مدرسہ خیرہ - سہسرام
(۸۱) من اجاب فقد اصاب - جمیل احمد اسرائیلی منتظم مدرسہ عربیہ سراج العلوم سنبھل - ضلع مراد آباد -
(۸۲) لقد اصاب من اجاب - ابو الفتح محمد عبد الشکور البہاری
(۸۳) کُل جوابات صد بموجب اصولِ شریعت صحیح و درست ہیں - خداوند تعالے سب برادرانِ اسلام کو توفیق عمل عطا فرمائے - غلام محمد ہوشیار پوری
(۸۴) الجواب صحیح - بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ بلیاوی - مدرس دار العلوم دیوبند -
(۸۵) الجواب صحیح - محمد عماد الدین شیرکوٹی - مقیم دیوبند
(۸۶) الجواب صحیح - عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند ۲۴ ربیع الاوّل ۳۹ھ
(۸۷) الجواب صحیح - حبیب الرحمٰن دیوبندی عثمانی
(۸۸) الجواب صحیح - حسین احمد غفرلہ مدرس حرم محترم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام - مقیم دیوبند -
(۸۹) المجیب مصیب - ابو المحامد نثار احمد انصاری عفا اللہ عنہ کرتپوری
(۹۰) ذلک کذلک - محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دار العلوم دیوبند
(۹۱) الجواب صحیح - عبد الوحید عفی عنہ -

(۹۲) موالاۃ تو نصوص قرآنیہ سے حرام ہے۔ اور مزید تفصیل اس کی حافظ ابن تیمیہؒ کے رسالہ اقتضاء صراط المستقیم میں موجود ہے۔

محمد انور عفا اللہ عنہ معلم دار العلوم دیوبند۔

(۹۳) الجواب صحیح۔ فقیر اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔

(۹۴) الجواب صحیح۔ محمد رسول خان عفا اللہ عنہ۔

(۹۵) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُؕ۔ عبد الرحمٰن کان اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین۔ صدر مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ امروہہ۔

(۹۶) الجواب صحیح۔ محمد سعد اللہ عفا اللہ عنہ۔ کرتپوری

(۹۷) الجواب صواب۔ محمد ادریس عفا اللہ عنہ معین المدرسین مدرسہ عالیہ عربیہ۔ دیوبند۔

(۹۸) الجواب صحیح۔ احمد شیر عفی عنہ مدرس دیوبند۔

(۹۹) الجواب صحیح۔ محفوظ علی عفی عنہ۔ معین المدرسین مدرسہ دیوبند۔

(۱۰۰) بشیر احمد ساکن سیوہارہ۔ ضلع بجنور۔

(۱۰۱) اصاب من اجاب۔ ابو المکارم محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

(۱۰۲) قال اللہ تعالیٰ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ۔ اس قسم کے یعنی ترکِ موالات کے بارے میں متعدد جگہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس وقت جو عیسائی قوم اسلام کا مقابلہ کر رہی ہے، اُس میں کفر اور تقابل کی دونوں صفتیں موجود ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا شرعی حیثیت سے فرض ہے کہ ترکِ موالات کریں اور ہر ایسی تدبیر جس سے دشمن کو تقویت پہنچے، اس سے اجتناب اور اُس کا دفعیہ ضروری ہے واللہ اعلم بالصواب۔ احقر سید محمد غفرلہ مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ امروہہ۔ خلف فاضل علامہ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہی قدس سرہ۔

(۱۰۳) موالات کفّار کے ساتھ قطعاً حرام ہے۔ نُصوصِ قرآنیہ اس پر شاہد ہیں۔ علماء نے ہمیشہ اس کی تعلیم کی اور قرآن کریم اس کی تعلیم کرتا ہے۔ موالات کے شعبے جسقدر ہیں وہ سب حرام ہیں۔ خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ۔

(۱۰۴) قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ محمد یسین عفی عنہ مدرس اوّل مدرسہ اشاعت العلوم سرائے خام بریلی۔

(۱۰۵) الاجوبۃ کلہا صحیحۃ۔ محمد عبدالرحمٰن غفرلہ مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی۔ (۱۰۶) احقر عبدالغفور غفرلہ سیوہاروی۔ (۱۰۷) احقر الزمن محمد حسن غفرلہ۔

(۱۰۸) الجواب صواب۔ فخرالدین احمد غفرلہٗ مدرس مدرسہ مسجد شاہی مرادآباد۔

(۱۰۹) حامد حسن بقلم خود مدرس مدرسہ اسلامیہ نٹھور۔ ضلع بجنور۔

(۱۱۰) بیشک یہی ہونا لازم ہے۔ احقر عبداللہ مقیم مدرسہ رحمانیہ مرادآباد۔

(۱۱۱) الجواب حق۔ ابوالعلی محمد شاہ خان باشندہ سرائے ترین سنبھل۔

(۱۱۲) الجواب صحیح۔ حمداللہ عفی عنہ پانی پتی۔

(۱۱۳) الجواب حق والحق احق ان یتبع۔ بندہ محمد حیات غفرلہ مدرس شاہی مسجد مرادآباد۔ (۱۱۴) عبدالجلیل عفی عنہ خلف جناب مولوی حکیم ابراہیم خان صاحب مرحوم۔ بانس بریلی۔

(۱۱۵) محمد ہدایت علی عفی عنہ۔

(۱۱۶) محمد ظہور علی عفی عنہ مدرس مدرسہ مفتاح العلوم قصبہ بچھراؤں ضلع مرادآباد

(۱۱۷) الجواب صحیح۔ عزیزگل غفرلہ کاکاخیل۔

(۱۱۸) ترک موالات کا سلسلہ ایسا روشن ہوگیا ہے کہ اب اس میں مزید تحریر وتقریر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور حیلہ جُو نفوس تو خدائے قدیر کے احکام کو انبیاء علیہم السّلام سے سُن کر تاویلات ہی کرتے رہے۔ مسلمان اپنے مذہب کو حاضر کرکے ترکِ موالات پر عمل فرمائیں۔ واعدوالہم ما استطعتم پر نظر فرماکر یہ غور فرمائیں کہ اس وقت بجُز ترکِ موالات کے دشمنانِ دین کے ساتھ ہم کیا کرسکتے ہیں۔ اور یہ بھی

ظاہر ہے کہ اپنی دیسی اشیاء کو رواج دینے میں علاوہ اس کے کہ دشمنوں کا نقصان ہے اپنے ملک کا کس قدر نفع ہے۔ مسلمان اس وقت قوّتِ اسلامی سے کام لیں۔ وساوس میں مبتلا نہ ہوں۔ واللہ ہو الموفق۔ بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ۔ صدر جمعیۃ علمائے مراد آباد۔

(۱۱۹) الجواب صحیح۔ احمد سعید غفرلہ ناظم جمعیۃ علمائے ہند۔

اوّل مرتبہ طبع ہونے کے بعد مطبوعہ فتویٰ علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور جس قدر دستخط حاصل ہوئے وہ طبعِ ثانی میں بڑھا دیئے گئے جو درج ذیل ہیں۔

(۱۲۰) الحمد للہ ولی المؤمنین۔ والصلوۃ والسلام علی النبی الامین محمد افضل النبیین من رسولہ فھو من المصلحین۔ ومن یتول عنہ فھو من الظلمین وعلی الہ الطیبین وصحبہ الطاھرین واولیاء امتہ الصلحین وعلماء العاملین وعلی من والاھم اجمعین۔ کفار کے ساتھ موالات اور محبت والفت کے تعلقات غیر مشروع اور محظور و ممنوع ہیں۔ جو اُن سے دوستی قائم رکھے وہ عاصم وعاصی ہے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ الاٰیۃ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔

آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے تو دیکھ کر کسی سے دوستی کرو۔ اُن کی مجالست بغیر ضرورتِ شرعیہ درست نہیں۔ ان کے ساتھ مواکلت ناجائز ہے۔

خود مولوی احمد رضا خان صاحب فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں :۔

"اور اس باب میں یہاں نصاریٰ کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی سخت تر ہے کہ وجوہ

کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک۔ اور نصاریٰ میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیلِ دین یا کم از کم ضعفِ ایمان کا اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے۔ فمن الجھل التمسک ھنا بما فی الصدر الاول اذا کانوا اذلاء مقھورین تحت ایدینا فکان فی تقریبھم منا تقریبھم الی الاسلام والان قد انعکس الامر۔

پیشۂ وکالت وغیرہ تمام وہ اُمور جن میں کذب و زور و دیگر خلاف شرع باتوں کا ارتکاب ہوتا ہے، کفار کی تعظیم و توقیر کرنی ہوتی ہے، مداہنت برتی جاتی ہے حرام ہیں۔ وہ اسکول و کالج جن میں مسلمان طلباء کے اخلاق پر بُرا اثر پڑے، مخالف شریعت امور کی پابندی کرنی ہو، کفار کی بے جا خوشامد اور عزت لازم ہو، ان کا نصاب خلافِ دین و مذہب ہو، ایسے مدارس میں تعلیم و تعلم ناجائز ہے۔ خاص علی گڈھ کالج کے متعلق علمائے حرمین محترمین کا فتویٰ مطبوع ہو چکا ہے جس میں تصریح ہے کہ لا یجوز لاحد من اھل الاسلام الاعانۃ علی انشاء ھذہ المدرسۃ وان بنیت یجب ھدمھا۔ الی اٰخرہٖ۔ یعنی کسی مسلمان کو اس کی اعانت جائز نہیں اور اس کا ہدم واجب ہے۔ ملازمتیں جن میں ظلم و عدوان، اثم و عصیان کا اجرا ہوتا ہے، صریح احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کی جاتی ہے یقیناً محرماتِ شرعیہ سے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ وقال سبحانہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے مسلمان کو جائز نہیں کہ باختیارِ خود اپنے نفس کو ذلت میں ڈالے۔ مثلاً خدمت گاری، کافر کی نوکری۔ حدیث میں اس امر سے منع فرمایا۔

جو غیر مسلم اہلِ اسلام سے مقاتلۂ دینی نہ کریں، ان کو اُن کے ممالک سے نہ نکالیں ان سے ایسے تعلقات رکھنا جو مذہب کے معارض نہ ہو، درست ہے۔ ھذا ما اعلم واللہ تعالیٰ۔ کتبہٗ محمد حبیب الرحمٰن القادری البدایونی غفر اللہ تعالیٰ لہٗ۔

(۱۲۱) ا۔ یقیناً ترکِ موالات من النصاریٰ موجودہ نازک زمانہ میں خصوصیت سے

مسلمانانِ ہند پر ابتدائی واہم ترین مذہبی فرض ہے۔

۲:۔ بیشک مطلقاً ترکِ موالات کا حکم درجہ اطلاق میں ہے۔ لیکن اس پر اشوب زمانہ میں ہنود سے تمام تعلّقات برو قسط جائز ہیں۔ اور نصاریٰ محاربین سے یہ تعلّقات بھی ناجائز۔

۳:۔ ترکِ موالات کی تمام دفعات مذہباً ضروری ہیں۔ خصوصاً مسئلہ تعلیم و وکالت، اس لئے کہ ایسے زمانہ کے لئے اور ایسے حاکموں کے مقابلہ کے وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ فاذا کان الحق علیکم ان لا تاخذوا منھم العطاء ولا تحضروھم فی الملاء۔ یعنی اس زمانہ میں حاکم کی عطایا نہ لو، اور اُن کی مجالس میں نہ جاؤ۔ فقط۔ (خواجہ) غلام نظام الدین قادری ناظم جمعیۃ خادم مدرسہ عالیہ قادریہ۔ بدایوں۔

(۱۲۲) الجواب صحیح والمجیب مصیب صح الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد حافظ بخش عفی عنہ بدایوں۔ (۱۲۳) محمد قدیر بخش بدایونی عفا اللہ عنہ۔

(۱۲۴) الجواب صحیح لا ریب فی حرمۃ موالاۃ المشرکین لا سیما الیھود والنصاریٰ بنص صریح واللہ اعلم۔ محررہ محمد ابراہیم الحنفی القادری عفی عنہ۔

(۱۲۵) الجواب صحیح۔ فقیر شمس الدین نوشہرائی حال کراچی سندھ۔

(۱۲۶) الجواب صحیح۔ ابوالمحامد الحکیم فتح محمد السیوستانی۔

(۱۲۷) الجواب صحیح۔ بندہ محمد حنیف ہاشمی میرٹھی مقیم کراچی۔

(۱۲۸) الجواب صحیح۔ عبدالکریم المدرس السندی الحنفی عفا اللہ عنہ۔ کراچی۔

(۱۲۹) الجواب صحیح۔ فقیر دین محمد وفائی سندھی۔

(۱۳۰) الجواب صحیح۔ العبد الاثیم عبدالرحیم سندھی۔

(۱۳۱) الجواب صحیح۔ بندہ محمد ولد میاں عثمان مدرس سندھ۔

(۱۳۲) الجواب صحیح۔ الحقیر محمد عثمان غفرلہ بلوچ۔ کراچی۔

(۱۳۳) الجواب صحیح۔ بندہ غلام محمد مجددی عفی عنہ سندھ۔

(۱۳۴) الجواب صحیح - خلیل الرحمٰن غفرلہٗ رڑکی -
(۱۳۵) الاجوبة کلها صحیحة - محمد غزنوی - رڑکی -
(۱۳۶) لاشك فی صحة هذه الاجوبة - محمد اعظم چاٹگامی -
(۱۳۷) الاجوبة کلها صحیحة - محمد حسن خان عفی عنہ مدرس مدرسہ رحمانیہ - رڑکی -
(۱۳۸) الاجوبة صحیحة - محمد ظہور - کرت پوری -
(۱۳۹) المجیب مصیب - محمد نعمت اللہ عفی عنہ مدرس، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد -
(۱۴۰) الجواب صحیح - عبدالرحیم رامپوری - مدرسہ رحمانیہ رڑکی -
(۱۴۱) میں نے اس رسالہ کو بعض احباب سے پڑھوا کر اوّل سے آخر تک سُنا - جواب باصواب ہے - حق تعالیٰ مجیب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جملہ اہل اسلام کو عمل کی توفیق دے - آمین - کتبہ منیر الدین احمد عفی عنہ - مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد -
(۱۴۲) المجیب مصیب - ضیاء الدین احمد غفرلہ مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد -
(۱۴۳) میں نے اس رسالہ کو از اوّل تا آخر بغور دیکھا ہے - بے اختیار زبان سے للہ در المجیب نکلا - محمد رحیم بخش عفی عنہ الہ آبادی -
(۱۴۴) الجواب صحیح والمجیب مصیب - محمد عبدالرحمن عفی عنہ - مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد -
(۱۴۵) المجیب مصیب - مسیح الدین عفی عنہ -
(۱۴۶) الجواب صحیح والمجیب مصیب - محمد صدیق عفی عنہ - سہسرامی -
(۱۴۷) الجواب صحیح - عبدالسمیع عفی عنہ - مدرس دارالعلوم دیوبند -
(۱۴۸) الجواب صواب - عطا محمد بغوی - مبلّغ دارالعلوم دیوبند -
(۱۴۹) اصاب من اجاب - محمد علی حیدر آبادی -
(۱۵۰) قد اصاب من اجاب - عبداللطیف عفی عنہ - سہسرامی -
(۱۵۱) مجیب اوّل نے جو کچھ لکھا ہے نہایت معقول اور مبرہن اور اطمینان بخش ہے، جس کے بعض جوانب کی تفصیل و تشریح میں نے اس مضمون میں کی ہے جو جمعیۃ علماء

643662

ہند کے اجلاس دہلی میں پڑھا گیا تھا۔ کتبہٗ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ۔
(۱۵۲) الجواب صواب۔ یعقوب الرحمٰن عثمانی دیوبندی۔
(۱۵۳) اجاد من اجاب۔ محمد طیّب عفا اللہ عنہ دیوبندی۔
(۱۵۴) الجواب ھو الصواب۔ محمد شفیع عفی عنہ دیوبندی۔
(۱۵۵) الجواب صحیح۔ احقر الزماں گل محمد خاں۔ مدرس دارالعلوم دیوبند۔
(۱۵۶) الجواب صحیح۔ محمد یٰسین غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔
(۱۵۷) مَیں نے متفقہ فتوے کو بغور دیکھا جوابات نہایت صحیح اور درست ہیں۔
سیّد محمد خوب اللہ محمدی غفرلہٗ الہ آبادی۔
(۱۵۸) للّٰہ در المجیب حیث اجاب و اتی بما ھو حق بلا ریب ان شاء اللہ تعالیٰ و الاعتقاد فی ھذہ الباب علی ما علیہ مشائخنا الکرام۔ منھم شیخنا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ۔ محمد حسین راندیری عفا عنہ الباری مدرس مدرسہ محمدیہ عربیہ راندیر۔
(۱۵۹) جمعیۃ العلماء من اجماع الامۃ۔ کتبہٗ محمد رحمت اللہ غفرلہٗ مہتمم مدرسہ اشرفیہ راندیری۔ ضلع سورت۔
(۱۶۰) لا تجتمع امتی علی الضلالۃ کے بموجب فیصلہ جمعیۃ علمائے دہلی قابلِ احتجاج ہے۔ حررہ فقیر محمد عبدالمنان غفرلہ مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر۔
(۱۶۱) الجواب بھذا التفصیل و التحقیق ھو الجواب۔ عبداللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ اشرفیہ راندیر۔
(۱۶۲) الجواب حسن جیّد۔ احقر عبدالحفیظ عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اشرفیہ راندیر۔
(۱۶۳) الجواب صحیح۔ ظہور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر۔
(۱۶۴) ما اجاب المجیب العلام و اجمع علیہ العلماء الاعلام فھو حق بلا کلام۔ احقر الزمن السید مہدی حسن غفرلہٗ نزیل راندیر۔
(۱۶۵) اصا ن اجاب۔ ترکِ موالات فرض ہے ہر مسلمان پر واسطے تقویت

دین اسلام کے، نہ واسطے دیگر اغراض کے۔ شہاب الدین عفی عنہ راندیر۔ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱۶۶) قد اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔ محمد حسین عفی عنہ سورتی۔

(۱۶۷) الجواب صحیح۔ محی الدین احمد مدرس مدرسہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر نزیل راندیر۔

(۱۶۸) بمقتضائے اصولِ اسلام کافر بلکہ فاسق سے بھی ترکِ موالات ضروری ہے۔ خصوصاً دشمنانِ اسلام سے ایسے تعلّقات جن سے ان کو نفع پہنچے ترک کرنا واجب ہے تاکہ اعانتِ غیر اسلام نہ ہو۔ محمد مطیع اللہ القریشی۔ وارد حال دہلی۔

(۱۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واقعی یہ بالکل صحیح ہے کہ ۱: موالات محرمہ میں اُن تمام اُمور کی حرمت داخل ہے کہ جن سے کفار محاربین اور اعدائے اسلام کو قوت پہنچتی ہو اور اُن کی شوکت و عزت کے باعث ہوں یا اُن کی دوستی اور محبت کے موجب ہوں، خواہ وہ اُمور معاملات ہوں یا دیگر تعلّقات۔ کیونکہ شرعاً موالات کا مفہوم باہمی امداد اور دوستی و محبت ہی ہے جیسا کہ تفسیر کبیر و دیگر کتب تفاسیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲: یہ تمام امور گورنمنٹ ہند کی موالات میں داخل ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر خود موجودہ گورنمنٹ ہند کے قیام کو مدد پہنچاتے ہیں اور اس کی شوکت و عزت کے باعث ہوتے ہیں۔ اور بعض موجودہ گورنمنٹ ہند کے کسی شعبہ کے قیام کو مدد پہنچاتے ہیں جو خود گورنمنٹ کے قیام کی امداد کی طرف مخبر ہے۔ اور بعض دوستی و محبت کے موجب ہیں اور موجودہ گورنمنٹ ہند کے ساتھ وفاداری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعض میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ علامہ مجیب کے جوابات اس کی تفصیل کرتے ہیں اور جو لوگ موجودہ گورنمنٹ ہند کے نظام سے باخبر ہیں، اُن پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔

۳: حرام ہیں کیونکہ یہ موالات میں داخل ہیں اور محاربین سے موالات حرام ہے۔

۴: ممنوع ہے کیونکہ تقویت محاربین کا سبب ہونے کی وجہ سے موالات کے مفہوم میں داخل ہے

۵ : جائز ہے۔ عدمِ جواز کی کوئی شرعی وجہ منقول نہیں ہے۔ جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے معاہدے کئے اور بعض دینی اُمور میں اُن کی امداد کو قبول فرمایا اور محققین حنفیہ نے استعانت بالکفار کو جائز رکھا ہے۔

۶ : غیر مسلم کے مشورۂ نیک کا کسی دینی مقصود کے حصول کے لئے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے جبکہ خلافِ شرع نہ ہو، اگرچہ بظاہر پیروی غیر مسلم کی معلوم ہوتی ہو لیکن اگر واقعۃً بھی غیر مسلم کی ہو تو اگر اُس مشورے کے موافق عمل شرعاً ناجائز ہے تو اس کے مشورہ کے موافق عمل کرنا درست نہ ہوگا۔ اور اگر شرعاً ناروا نہیں ہے تو اس کے مشورے کے موافق عمل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ دوسرا امر ہے کہ غیر مسلم کو مقتدا بنانے کا وبال ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد شفیع حجت اللہ الانصاری۔ فرنگی محل لکھنؤ۔

(۱۷۰) صح الجواب واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الہادی الانصاری الفرنگی محلی غفرلہٗ اللہ الولی۔ (مہر)

(۱۷۱) ھذا الجواب صحیح واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الفقیر محمد ایوب غفرلہٗ۔

(۱۷۲) صح الجواب واللہ اعلم۔ محمد عبد القادر عفا عنہ۔

(۱۷۳) اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العبد الاواہ الراجی علمۃ اللہ ورضاہ محمد برکت اللہ عفا عنہ اللکنوی الفرنجی محلی۔

(۱۷۴) اللّٰھم لا ریب فیہ واللہ اعلم۔ حررہ الفقیر محمد عنایت اللہ عفا اللہ عنہ۔

(۱۷۵) ھو المصوب۔ موالات محاورۂ عرب میں محبت کو کہتے ہیں۔ لیکن اس میں مواخات و ہمدردی اور اعانت و استعانت بھی داخل ہے چنانچہ تفسیر کشاف میں بہ تفسیر لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ میں ہے لا تتخذ وھم اولیاء تنصرونھم وتستنصرونھم وتواخونھم وتصافونھم وتعاشرونھم معاشرۃ المؤمنین۔

۱ : اس تفسیر نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہر قسم کے موالات جس میں

امداد و استمداد وغیرہ بھی شامل ہیں، حرام کر دی۔

۲ : مدارس کے لئے عطیات اور ایڈ لینا بھی حسبِ تفسیرِ مذکور موالات میں داخل ہے۔

۳ : خطابات و اعزازی مناصبِ حکومت قبول کرنا جو آج کل کافر حربی ہے، یہ بھی موالات میں داخل ہے اور علامتِ نفاق ہے۔ قرآن شریف میں منافقین کے متعلق آیا ہے اَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا اور آنریری مجسٹریٹی وغیرہ کا قبول یوں ہی حرام ہے کیونکہ اس سے حکومتِ ہند کے قوانین کے موافق حکم دینا ہوتا ہے۔ جو وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ کی بنا پر حرام ہے۔

۴ : حکومت کے فوجی اور غیر فوجی عہدے بھی قبول کرنا حرام ہے (دیکھو فتاوٰی عزیزی صفحہ ۱۱۸) اور فوجی ملازمت سخت گناہ اور باعث سخت عذابِ خداوندی ہے۔ اس میں علاوہ امداد کفار حربی کے مسلمانوں کے قتال کا اندیشہ قوی ہے وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (سورہ نساء)۔

باقی صورتیں نمبر ۴-۵-۶ جیسا کہ فاضل مجیب نے لکھا ہے جائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نیک توفیق دے۔ اور وہ اعدائے دین و کافرانِ حربی کی اعانت و موالات سے اجتناب کریں۔ ربنا فاعف عنا و اغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔

حررہ الفقیر محمد صبغۃ اللہ الانصاری کم جمادی الاولیٰ ۳۹ھ

۱۷۶ جوابات مذکورہ بالکل صحیح ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے موافق عمل کرنا لازم ہے۔
قطب الدین محمد الوالی عفا اللہ عنہ فرنگی محلی۔ لکھنوی۔

۱۷۷ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ۔ اور رعایا کی موجودہ بے چینی کو جو بعض حضرات اپنی تحریرات میں دفع کرنا چاہتے ہیں اور درحقیقت وہ اعدائے اسلام کی قتل مسلمین میں اعانت کر رہے ہیں کیونکہ بے چینی دفع ہو جانے سے رعایا گورنمنٹ کی

جانی و مالی امداد پر آمادہ ہو جائے گی اور مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا۔ اور اعدائے اسلام کی بمقابلہ مسلمین کے اعانت کرنا حرام و کبیرہ ہے۔ لہٰذا ایسی تحریرات کا لکھنا اور شائع کرنا بھی حرام و کبیرہ ہے۔ فقط۔ صدیق احمد کاندھلوی غفرلہٗ۔

(۱۷۸) الجواب صحیح۔ محمد عقیل عفی عنہ۔ کاندھلہ۔

(۱۷۹) اصاب من اجاب۔ بندہ ضیاء الحق غفرلہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ۔ دہلی۔

(۱۸۰) الجواب صحیح۔ فرخ بیگ غفرلہٗ۔ مراد آباد

(۱۸۱) الجواب صواب۔ احقر محمد حسن غفرلہٗ نواب پوری۔ مہتمم مدرسۃ الغربا مراد آباد

(۱۸۲) بیشک ترکِ موالات کفّار کے بارے میں قرآن و حدیث میں بہت تاکید ہے۔ مسلمانوں کو ضرور بالضرور ترک کرنا لازم ہے اور جو اُمور کہ المو الاۃ ہوں وہ بھی حرام ہیں، اُن کا ترک بھی ضروری ہے۔ محمد حسن سہسوانی۔ مدرس اوّل مدرسۃ الغربار۔ مراد آباد۔

(۱۸۳) نشہد بذلک۔ ان الجواب صحیح، فاھم۔ غفرلہٗ۔ مراد آباد

(۱۸۴) الجواب صحیح۔ محمد دائم علی غفرلہ۔ مراد آباد۔

(۱۸۵) اس میں شک نہیں کہ موالات بالکفار ایک ایسا مذموم امر ہے جس کی مذمّت میں نصوص قطعیہ و احادیث صحیحہ بکثرت وارد ہیں۔ اور خود ترکِ موالات بالکفار ایک امر مجمع علیہ ہے۔ علمائے کرام و حامیانِ دینِ اسلام نے اس کی بابت جو کچھ ارقام فرمایا ہے وہ عین صواب ہے۔ بالخصوص موجودہ وقت میں لازم سمجھنا اس کا ضروریاتِ دین سے ہے۔ ابن الحفیظ محمد حمید اللہ بیگ۔ مراد آبادی

(۱۸۶) الجواب صحیح۔ سراج الدین سیوہاروی۔

(۱۸۷) الجواب صحیح۔ فیض الحسن امروہی۔ منتظم کتب خانہ شاہی مسجد۔ مراد آباد۔

(۱۸۸) اصاب من اجاب وبہ ندین اللہ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ احقر ابو الکافی محمد عبد الحکیم غفرلہٗ۔ افضل گڈھی۔

(۱۸۹) المجیب مصیب۔ احقر محمد انظار احمد غفرلہٗ۔

(۱۹۰) الجواب صحیح - احقر عبدالرشید افضل گڈھی۔

(۱۹۱) انگریزوں سے جہاں تک ہوسکے قطع تعلق کرے - اور دوسروں کو بھی ترغیب دے اور درخواست کرے کہ وہ بھی اور مسلمانوں کو ترغیب دیں۔
محمد قدرت اللہ غفرلہٗ مراد آباد۔

(۱۹۲) جوابات مذکورہ بالکل صحیح ہیں - اس میں تردّد کی گنجائش نہیں۔ باقی حیلہ جُو طبائع تو انبیاء علیہم السّلام کے احکامات میں بھی حیلِ باطلہ و تاویلاتِ رکیکہ تلاش کرتے رہے - فقط واللہ اعلم حمدہٗ - العبد المسکین
محمد مصلح الدین غفرلہٗ - عمروی

(۱۹۳) الجواب صحیح - محمد حبیش گل ولایتی غفرلہٗ بقلم خود - مراد آباد

(۱۹۴) الجواب حق - ولایت احمد عفی عنہ سنبھل۔

(۱۹۵) الجواب صحیح - محمد نصیر الدین غفرلہٗ۔

(۱۹۶) الجواب صحیح - محمد نذیر خان مدرس مدرسہ اسلامیہ سنبھل کٹڑہ موسیٰ خان

(۱۹۷) الجواب صحیح - محمد اکبر غفرلہٗ۔

(۱۹۸) اصاب من اجاب - بشیر احمد اسرائیلی بقلم خود سنبھل

(۱۹۹) الجواب صحیح - محمد نصیر احمد خان مدرس مدرسہ اسلامیہ سنبھل۔

(۲۰۰) الجواب صواب - سیّد محمد ابراہیم عفی عنہ مدرس مدرسہ سراج العلوم سنبھل

(۲۰۱) الجواب صحیح - محمود حسن سنبھلی عفی عنہ

(۲۰۲) ترکِ موالات از اعدائے اسلام مجیب از نصوص ثابت کردہ عامل شدن بریں مسئلہ منصوصہ بر ہر مسلم فرض است - ابوالحامد محمد عبدالواحد سنبھلی غفرلہٗ۔

(۲۰۳) موالات کفار و دشمنانِ دین حرام ہے اور موالات کے تمام ذرائع و وسائل واجب الترک ہیں قال اللہ تعالیٰ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ - وقال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ - اور کسی کافر کو امام و پیشوا بنانا اور بحیثیت کفر اس کی تعظیم و تکریم

کفر ہے۔ فی الاشباہ و للحائم بتحیل الکافر کفر۔ کتبہ شبیر حسین عفی عنہ سنبھلی۔ مدرس مدرسہ سراج العلوم۔ سنبھل۔

(۲۰۴) الجواب صحیح۔ محمد سلیمان القادری الجشتی۔ پھلواروی شریف

(۲۰۵) الجواب حق والحق احق بالاتباع۔ محمد نور الحسن غفرلہ اللہ لہٗ۔

(۲۰۶) لا ریب فی ما جاب المجیب۔ تمنا العمادی المجیبی الفلواروی غفرلہٗ۔ پھلواروی۔

(۲۰۷) پھلواری شریف کے صاحب سجادہ کا معمول رہا ہے کہ فتاویٰ پر دستخط کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے جب سے اس آستانہ کی جاروب کشی مجھے ملی ہے، مَیں بھی دستخط نہیں کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ ظاہر کر دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو نا مسلمانوں کے ساتھ محبت اور باہمی امداد ممنوع ہے۔

محمد بدر الدین عفی عنہ۔ پھلواری شریف

(۲۰۸) المجیب مصیب۔ محمد محی الدین زینبی قادری پھلواروی غفرلہ اللہ الباری

(۲۰۹) الجواب صحیح۔ حسین (میاں) پھلواروی

(۲۱۰) الجواب صحیح۔ سید سلیمان ندوی

(۲۱۱) الجواب صحیح۔ بندہ مفتاح الدین غفرلہ مدرس اوّل مدرسہ مصباح العلوم بریلی

(۲۱۲) الجواب صحیح۔ عبد الرحیم غفرلہٗ مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم۔ بریلی

(۲۱۳) الجواب صواب۔ بندہ محمد سرور بریلوی

(۲۱۴) الجواب صحیح۔ محمود غفرلہ بریلوی

(۲۱۵) لقد اجاد من اجاب۔ اسحٰق بن عبد اللہ میرٹھی

(۲۱۶) ذٰلک الکتب لا ریب فیہ۔ ابو محمد مختار احمد امروہوی عفی عنہ۔

(۲۱۷) الجواب صحیح۔ ابو الجود سردار عفی عنہ

(۲۱۸) الجواب صحیح۔ شفیق احمد غفرلہٗ۔ بریلی

(۲۱۹) قد اصاب من اجاب۔ محمد اشفاق الحسن عفی عنہ شرفا منزل بریلی

(۲۲۰) الجواب صحیح - بدر الحسن صدیقی بریلوی۔

(۲۲۱) الجواب صواب و عندہ ام الکتاب - احقر الزمان محمد عبد الرحمٰن صدیقی غفرلہٗ۔

(۲۲۲) الجواب حق - رفیق الاطباء رفیق احمد بریلوی

(۲۲۳) الجواب صواب - جمیل احمد بہاری۔

(۲۲۴) میں باعتبار مقتدی ہونے کے علماء کے حکم کو صحیح او رنافذ جانتا ہوں عبد المجید غفرلہ

(۲۲۵) الجواب صحیح - محمد عبد المتین عفی عنہ بنارسی (ملا فاضل)

(۲۲۶) الجواب حق - محمد عبد المجید کان اللہ لہٗ (ملا فاضل) بنارس

(۲۲۷) الجواب صحیح - حکیم عبد المجید بقلم خود مدرس مدرسہ عربیہ سعدیہ بنارس۔

(۲۲۸) الجواب صحیح - حکیم احمد اللہ عفی عنہ البنارسی۔

(۲۲۹) الجواب صحیح - محمد منیر خان مدرس مدرسہ عربیہ - مدن پور بنارس۔

(۲۳۰) الجواب صحیح لا ریب فیہ - ابو الفضل محمد واعظ الرحمٰن غفرلہ المنان - مدرس اوّل مدرسہ عربیہ مسجد عالمگیری - بنارس۔

(۲۳۱) الجواب صحیح - احقر العباد ابو النعیم محمد عبد الحکیم غفر اللہ ذنوبہ - البنارسی۔

(۲۳۲) الجواب صحیح - محمود ابو مسعود البنارسی۔

(۲۳۳) الجواب صحیح - (مولوی) حکیم محمد حسین خان عفی عنہ صدر خلافت کمیٹی بنارس۔

(۲۳۴) الجواب صحیح - ابو الحسن محمد سخاوت علی عفی عنہ - بنارسی۔

(۲۳۵) الجواب صحیح - حکیم محمد حیات اللہ البنارسی۔

(۲۳۶) الجواب صحیح - محمد حیات بنارسی غفرلہٗ۔

(۲۳۷) نعم الجواب - محمد امانت اللہ البنارسی۔

(۲۳۸) الجواب صحیح بلا ارتیاب - محمد رحمت اللہ غفرلہ بنارسی۔

(۲۳۹) الجواب صحیح - محمد عبد السمیع عفی عنہ - البنارسی۔

(۲۴۰) اصاب من اجاب - نذیر الدین احمد البنارسی۔

(۲۴۱)

(۲۴۲) الجواب صحیح۔ عبد الغنی عفی عنہ دربھنگہ۔

(۲۴۳) الجواب صحیح۔ عبد الحفیظ مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ۔

(۲۴۴) الجواب صحیح۔ عبد الودود مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ۔

(۲۴۵) لقد اصاب من اجاب۔ ابو یحییٰ زکی الدین محمد زکریا عفی عنہ مدرس مدرسہ امدادیہ

(۲۴۶) المجیب مصیب۔ بندہ سراج الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ

(۲۴۷) الجواب صحیح۔ ابو الفتح عبد الواحد عفی عنہ دربھنگوی مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ

(۲۴۸) الجواب صحیح۔ ابو ظفر محمد ابراہیم عفی عنہ انجمن اسلامیہ دربھنگہ۔

(۲۴۹) الجواب صواب۔ احقر عبد الرحیم غفرلہ مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ۔

(۲۵۰) الجواب صحیح۔ خیر الدین احمد عفی عنہ مدرسہ خیر العلم سرسہ ضلع حصار۔

(۲۵۱) الجواب صحیح۔ فضل الدین غفرلہٗ۔ خیرپور۔

(۲۵۲) الجواب صحیح۔ (حاجی مولوی) محمد اسمٰعیل عفی عنہ امام جامع مسجد سرسہ۔

(۲۵۳) الجواب صحیح۔ ابو المنظور محمد علیم الدین تحصیل سرسہ ضلع حصار۔

(۲۵۴) قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

خواجہ محمد یعقوب عفی عنہ منگالوی ضلع حصار۔

(۲۵۵) الجواب صحیح۔ غوث محمد عفی عنہ مدرس مدرسہ پنہاری ضلع حصار۔

(۲۵۶) الجواب صحیح۔ نعیم الدین زنگوی عفی عنہ۔

(۲۵۷) الجواب صحیح۔ احمد دین غفرلہٗ۔

(۲۵۸) الجواب صحیح۔ وزیر محمد عفی عنہ۔

(۲۵۹) قال الحافظ ابن کثیر ثم قال تعالیٰ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ط ای قد لاح علی صفحات وجوههم و فلتات السنتهم من العداوة مع ماهم مشتملون علیه

فی صدورهم من البغضاء للاسلام واهله مالا یخفی مثله علی لبیب عاقل وفی فتح البیان ها انتم اولاء الخاطئون فی موالاتهم تحبونهم ولا یحبونکم لما قد استحکم فی صدورهم من الغیظ والحسد وتؤمنون بالکتب کله - ای لا یحبونکم والحال انکم تؤمنون بکتب الله سبحانه التی من جملتها کتابهم فما بالکم تحبونهم ولا یؤمنون بکتابکم انتهی

احمد بخش جالندھری مدرس مدرسہ دینیات - حصار -

(۲۶۰) الاجوبة کلها صحیحة والحق احق ان یتبع الحق یعلو ولا یعلی قال الشیخ علی بن احمد فی تفسیره المسمی بتحبیر الرحمٰن فی قول الرحمٰن له العظمة والشان - یاایها الذین امنوا مقتضی ایمانکم حفظ تعظیم دینکم ولا تحفظوا فی موالاة غیر من ذکر لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم الذی هو راس مالکم الذی به انتظام معاشکم ومعادکم وهو مناط سعاداتکم الابدیة وسبب قربکم من ربکم ومواصلته هزوا ای شیئاً مستخفا وبالغوا فی الاستخفاف به حتی لعبوا اهله لعبا من الذین اوتوا الکتب من قبلکم انتهی - العبد الضعیف ابواسحاق محمد ابراهیم عفی عنہ ساکن ملک پور ضلع کرنال مدرس مدرسہ عربی انجمن دینیات حصار -

(۲۶۱) هذا هو الحق - فقیر معین الدین اجمیری کان الله لہٗ -

(۲۶۲) المجیب مصیب - وحید حسین عفی عنہ -

(۲۶۳) اصاب من اجاب - محمد سعید عفی عنہ -

(۲۶۴) الجواب صحیح - محمد حسین عفی عنہ صدر المدرسین دار العلوم حنفیہ صوفیہ - اجمیر شریف -

(۲۶۵) الجواب صحیح - عبد القادر عفی عنہ مدرس دار العلوم حنفیہ صوفیہ اجمیر -

(۲۶۶) الجواب صحیح والمجیب مصیب - فقیر محمود حسن غفر الله لہ مدرس مدرسہ حنفیہ صوفیہ موتی کٹلہ - اجمیر شریف -

(۲۶۷) واقعی کفار کی اعانت اور مدد کرنا اور وہ کام کرنا جس سے ان کی اعانت اور

مدد ہو، شرعاً حرام ہے۔ واللہ اعلم مشتاق احمد مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔

(۲۶۸) الجواب صحیح۔ محمد عبداللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ۔

(۲۶۹) الجواب صحیح فضل الٰہی کان اللہ لہٗ مدرس مدرسہ حنفیہ صوفیہ اجمیر شریف۔

(۲۷۰) الجواب صحیح۔ ابوالفضل العباس طہرہ اللہ من للانس حالا رجاس شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ صوفیہ اجمیر شریف۔

(۲۷۱) الجواب صحیح۔ حامد حسین عفی عنہ۔

(۲۷۲) الجواب صحیح۔ محمد یونس منتظم دار العلوم معینیہ عثمانیہ۔ اجمیر شریف۔

(۲۷۳) کفّار محاربین سے موالات اور تعلقات مناصرۃ یعنی ان کی فوجوں میں داخل ہونا، اُن کو اُن کے فائدے کے مشورے دینا، نیز وہ ملازمتیں جن سے ان کو مدد پہنچے، اُن سے دوستی میں روپیہ اور خطاب لینا، ان کے سکولوں میں تعلیم پانا اسلام کے ساتھ دشمنی اور قطعی حرام ہے۔ امتیاز احمد انصاری مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر شریف۔

(۲۷۴) الجواب صحیح۔ محمد عبدالمجید عفی عنہ مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ۔

(۲۷۵) الجواب صحیح۔ محمد نور الدین اجمیری عفا الباری عنہ۔

(۲۷۶) الجواب صواب۔ محمد عبدالحق عفی عنہ مدرس دار العلوم حنفیہ صوفیہ اجمیر شریف۔

(۲۷۷) الجواب حق والمجیب محق۔ محمد عزیز فریدی مجیبی۔ اودے پور۔

(۲۷۸) الجواب صحیح۔ اسد علی عرف سیف علی شاہ۔ قادری چشتی صابری۔ مقیم اودے پور میواڑ۔

(۲۷۹) اعدائے اسلام کی اعانت قطعاً حرام ہے۔ اس لئے وہ اسباب کہ جن سے مخالفینِ اسلام کو تقویت پہنچتی ہو، ان کا ترک کرنا ہر ایمان دار کے لئے واجب ہے مطابق قولہٗ تعالےٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط محمد عبدالغفور عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ ناگور شریف۔ مارواڑ۔

(۲۸۰) الجواب حق۔ سید غلام رسول کان اللہ لہٗ۔ مدرس اوّل مدرسہ اسلامیہ

حامدیہ باسنی متصل ناگور۔ مارواڑ۔

(۲۸۱) الجواب صحیح۔ العبد عبدالکریم خاں باسنی پرگنہ ناگور۔ مارواڑ۔

(۲۸۲) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ ط محمد انوار الحق امروہی مقیم جے پور۔

(۲۸۳) الجواب صحیح۔ محمد عبدالرحمٰن۔ جے پور۔

(۲۸۴) میں بحالتِ موجودہ حکم خداوندی وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ کی تہدید پر نظر کرتے ہوئے دل سے اپنے علمائے کرام کے ساتھ متفق ہوں۔ رستم علی خاں بقلم خود۔ جے پور۔

(۲۸۵) الجواب صحیح۔ عبدالستار عفی عنہ۔ جے پور۔

(۲۸۶) الجواب صحیح۔ کمترین شمس الدین عفی عنہ۔

(۲۸۷) الجواب صحیح۔ خادم الفقراء محمد بخش غفرلہٗ۔

(۲۸۸) قد صح الجواب۔ کفش بردار علمائے کرام محمد اللہ عفی عنہ امام جامع مسجد جے پور

(۲۸۹) موالات مع الکفار کی حرمت ادلۂ اربعہ سے ثابت ہے اور مزید تفصیل اس کی کتب فقہ کتاب السیر میں موجود ہے۔ لا بد من المراجعۃ الیھا فمن شاء فلیرجع۔ عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم۔ سہارن پور۔

(۲۹۰) مضمون مذکور سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ عبدالوحید عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم۔

(۲۹۱) بندہ بھی اس تحریر سے متفق ہے۔ عنایت الٰہی غفرلہٗ مدرسہ مظاہر العلوم۔

(۲۹۲) حجج شرعیہ اربعہ و براہین و بنیہ و قیاسات عقلیہ و عموم بلوے و ضرورت زمانہ کی رُو سے حرمت موالات مع الکفار روشن کی طرح واضح ہے۔ اسعد اللہ رامپوری مدرس مظاہر العلوم و ناظم انجمن ہدایت الرشید۔

(۲۹۳) واقعی ترکِ موالات کا مسئلہ بالکل صاف ہے اس کے ذیل میں حتی الوسع جتنی منافرت کفار سے پیدا ہو جائے غنیمت ہے۔ اور ہر مسلمان کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے۔ محمد زکریا عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم۔ سہارن پور۔

(۲۹۴) حرمت موالات بالمشرکین نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اسلامی غیرت اور مشرکین کی تعدی وظلم کا تقاضا یہی ہے کہ مشرکین کے ساتھ ہر ایسے معاملے کو جس میں ان کا کسی قسم کا فائدہ ہو بالکلیہ ترک کر دیں۔ بندہ عبد الرحمن عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم۔ سہارن پور۔

(۲۹۵) بیشک موالات مع الکفار قطعاً حرام ہے۔ اسلامی جمعیت اور غیرت اسکی مقتضی ہے کہ مخالفین اسلام سے ایسے معاملات بالکلیہ ترک کر دیئے جائیں، جن میں ان کا کسی قسم کا فائدہ ہو۔ بندہ منظور احمد عفی عنہ خادم مدرسہ مظاہر العلوم۔ سہارنپور۔

(۲۹۶) الجواب صحیح۔ بندہ حیدر علی عفی عنہ خادم جمعیۃ الطلبہ مدرسہ مظاہر العلوم۔ سہارنپور۔

(۲۹۷) الجواب صحیح ومن شذ شذ فی النار۔ عبد القادر عفی عنہ۔

(۲۹۸) ھذا ھو الحق۔ عبد الرحمن اورنگ آبادی۔

(۲۹۹) الجواب صحیح۔ بندہ محمد تقی عرف گلاب شاہ عفی عنہ۔

(۳۰۰) الجواب صحیح۔ محمد عبد الرحمن چاٹ گامی۔

(۳۰۱) الجواب صحیح۔ بندہ شاہ مرتضیٰ علی ڈھاکوی۔

(۳۰۲) الجواب صحیح۔ عبد الکریم عفی عنہ۔

(۳۰۳) المجیب مصیب۔ غازی الدین پشاوری عفی عنہ۔

(۳۰۴) الجواب صحیح۔ بندہ محمد وافی غفرلہ الکافی کمروی۔

(۳۰۵) من اجاب فقد اصاب۔ بندہ فضل الرحمن غفرلہ کمروی۔

(۳۰۶) الجواب صحیح۔ فدوی نور النبی۔ چاٹ گامی۔

(۳۰۷) الجواب صحیح۔ محمد ابو الحسن چاٹ گامی غفرلہ۔

(۳۰۸) الجواب صحیح۔ عبد الحمید عفی عنہ۔ پنجابی۔

(۳۰۹) الجواب صحیح۔ ثمیر الدین چاٹ گامی غفرلہ۔

(۳۱۰) الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسمٰعیل چاٹ گامی غفرلہ۔

(۳۱۱) اعدائے اسلام سے موالات کرنا قطعی حرام ہے لہٰذا اس کی تعمیل اور دیگر احکامِ

شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور اسی صورت میں ترقی اسلام متصور۔ احادیثِ نبویہ اور نصوص قطعیہ اس پر شاہد۔ وَیَعْلَمُوْا اَنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ سجاھون النصر (جلالین) واللہ اعلم۔ کریم بخش سنبھلی غفرلہٗ صدر مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔ اعظم گڈھ۔

(۳۱۲) کذلک ونحن علیٰ ذٰلک۔ ابو القاسم علی بن عبد الرحمٰن القدسی۔

(۳۱۳) قد صح الجواب بفضل اللہ الملک الوھاب۔ محمد عبد العزیز غفرلہٗ۔ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو اعظم گڈھ۔

(۳۱۴) الجواب صحیح۔ محمد احمد مئوی غفرلہٗ۔

(۳۱۵) قد صح الجواب۔ ابو العرفان محمد نعمان مئوی۔

(۳۱۶) الجواب صحیح والمجیب نجیح وخلافہ قبیح۔ محمد عبد العزیز رکن جمعیۃ الخلافۃ۔ مئو۔

(۳۱۷) ذٰلک الجواب لا ریب فیہ۔ ابو الحسن محمد صابر عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔

(۳۱۸) الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ محمد ضمیر عفی عنہ۔

(۳۱۹) الجواب ھو الصواب۔ محمد امانت اللہ غفرلہٗ۔

(۳۲۰) الجواب ھو الصواب۔ محمد بشیر اللہ امام جامع مسجد شاہی وصدر جمعیۃ الخلافۃ مئو۔

(۳۲۱) ما قال المجیب العلام فھو حق۔ محمد عبد الرحمٰن غفرلہٗ۔

(۳۲۲) الجواب صحیح۔ محمد سعد اللہ غفر اللہ مئوی۔

(۳۲۳) الجواب صحیح۔ محمد سلیم غفرلہٗ۔

(۳۲۴) الجواب صحیح۔ بشیر احمد غفرلہٗ۔

(۳۲۵) اعدائے اسلام کے مقابلے میں مسلمانوں کو اپنے مقدور اور وسعت کے مطابق سامانِ حرب تیار کرنا ضروری ہے۔ بقولہ تعالیٰ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ۔ لیکن حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے بجز ترکِ موالات کے اہلِ اسلام کے پاس اور کوئی سامانِ حرب نہیں ہے اسی پر عمل کرنے سے مسلمان اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اور وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ کے مصداق ہو سکتے ہیں اور اسی میں انصر اخاک ظالمًا او مظلومًا

اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا رمز مضمر ہے۔ اور اسی کے ذریعے وصیّتِ نبویہ اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب کا نفاذ ہو سکتا ہے اور اسی کے امتثال سے آیہ کریمہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار اور انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا، اور حدیث لا تبدؤا الیہود والنصاری بالسلام واذا لقیتم احدھم فی الطریق فاضطروہ الی اضیقہ (رواہ مسلم وغیر ذلک من الایات والاحادیث التی وردت فی ھذا الباب) پر عمل ہو سکتا ہے۔ الحاصل ترکِ موالات کی تجویز حالاتِ موجودہ پر نظر رکھتے ہوئے موافق امرھم شوریٰ بینھم کے کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اکثر مسلمانوں کو اس کے متعلق شرح صدر حاصل ہے۔ لہٰذا ترکِ موالات کے جملہ شعبوں پر عمل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے جس کی تفصیل فاضل مجیب نے وضاحت کے ساتھ مدلل بیان فرمائی ہے۔

کتبہٗ احمد مدرس مدرسہ اسلامیہ رام پور۔

(۳۲۶) الجواب صحیح۔ ضیاء الحق سندیپی غفرلہٗ۔

(۳۲۷) الجواب صحیح۔ مطیع الرحمٰن سندیپی عفی عنہ۔

(۳۲۸) الجواب صحیح۔ عبدالخالق سندیپی مدرس مدرسہ رشیدیہ احمدیہ۔

(۳۲۹) المجیب مصیب۔ بندہ ابوالخیر محمد صدیق عفی عنہ۔

(۳۳۰) جواب موافق کتاب۔ فدوی محمد خورشید الرحمٰن صانہ المنان مدرس مدرسہ اسلامیہ کانگرہ۔

(۳۳۱) الجواب صحیح۔ محمد اسلم عفی عنہ۔

(۳۳۲) الجواب صحیح۔ محمد اسمٰعیل سندیپی عفی عنہ۔

(۳۳۳) لما نظرت فی ھذا الفتویٰ وجدتہ صحیحا۔ احمد غفراللہ لہٗ

(۳۳۴) الجواب صحیح۔ محمد عبدالحکیم مدرس اوّل مدرسہ سندیپ۔

(۳۳۵) الاجوبۃ کلھا صحیحۃ۔ محمد عبدالملک خاں کان اللہ لہٗ ناظم انجمن علمائے سندیپ

(۳۳۶) جواب باصواب۔ احمد اللہ غفرلہٗ۔ سندیپی۔

(۳۳۷) الجواب صحیح۔ محمد سفیان عفی عنہ سندیپی ھذا ھو الجواب تبلا لا منہ۔

(۳۳۸) نور الصدق وضوء الصواب - محمد مخلص الرحمن غفرله المنان -

(۳۳۹) الاجوبة كلها صحيحة - عبد الرزاق عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ کاٹگر سندیپ

(۳۴۰)

(۳۴۱) هذا الجواب - محمد اشرف الله غفرلہ مدرس مدرسہ اسلامیہ کاٹ گر سندیپ -

(۳۴۲) الجواب صحیح - محمد ضیاء الحق امام جامع مسجد سندیپ ضلع نواکھالی -

(۳۴۳) الجواب صحیح - نور محمد سندیپی عفی عنہ -

(۳۴۴) الجواب صحیح - محمد الرحمن عفی عنہ -

(۳۴۵) الجواب صحیح - سعید احمد عفی عنہ -

(۳۴۶) قد وضح الحق - ابو الفیضان ظہیر الدین احمد غفرلہ -

(۳۴۷) هذا الجواب صحیح - نذیر احمد غفرلہ الصمد -

(۳۴۸) الجواب حق - نور محمد قادری حنفی اسلام آبادی

(۳۴۹) الجواب صحیح - محمد ولی اللہ غفرلہ سندیپ -

(۳۵۰) المجیب مصیب - محمد عبد اللہ سندیپی غفرلہ -

(۳۵۱) الجواب صحیح والمنكر قبيح - سید نور الحق سندیپی

(۳۵۲) الجواب صحیح - احمد عفی عنہ سندیپی -

(۳۵۳) الجواب صحیح - مقبول احمد عفی عنہ -

(۳۵۴) الجواب حق - عبد الخالق عفی عنہ -

(۳۵۵) الجواب صواب - محمد عبد الغنی عفی عنہ -

(۳۵۶) الجواب حق والحق احق ان یتبع - محمد فیض اللہ سندیپی عظیم پوری -

(۳۵۷) الجواب حق - ابو الفتح محمد حبیب اللہ عفی عنہ -

(۳۵۸) الجواب صحیح - احقر قاری عبد المالک عفی عنہ

(۳۵۹) الجواب صحیح - احقر الوری غلام الخالق عفی عنہ - شہباز پوری -

(۳۶۰) الجواب صحیح - احقر الناس محمد عمر عفی عنہ -

(۳۶۱) هذا الجواب الصحیح الموافق للکتاب۔ محمد بشیر الحق غفرلہ المنان شہباز پوری۔
(۳۶۲) الجواب صحیح مطابق بالکتاب۔ فقیر حقیر نور احمد غفرلہ الصمد بدوی۔
(۳۶۳) الجواب صحیح۔ احقر العباد عبد الباری غفرلہٗ۔
(۳۶۴) الجواب صحیح۔ فدوی عبد اللہ عفی عنہ سندیپی۔
(۳۶۵) الجواب صواب۔ فدوی نور احمد عفی عنہ کاٹ گر سندیپ۔
(۳۶۶) جواب صحیح۔ فدوی عبد العزیز عفی عنہ۔
(۳۶۷) الاجوبۃ کلہا صحیحۃ۔ محمد اُمید علی عفی عنہ سندیپی۔
(۳۶۸) الجواب صحیح۔ محمد عبد العزیز سندیپی۔
(۳۶۹) الجواب صحیح۔ احقر العباد مقبول احمد غفرلہ شہباز پوری۔
(۳۷۰) الجواب صحیح۔ عبد الغنی غفر اللہ ذنوبہ شہباز پوری۔
(۳۷۱) الجواب صحیح۔ احقر العباد نذیر احمد غفرلہٗ شہباز پوری۔
(۳۷۲) الجواب صحیح صریح۔ شیر علی خان غفرلہ الرحمٰن اسلام پور ڈاکخانہ عطاری پٹنہ
(۳۷۳) اصاب من اجاب۔ فقیر محمد عبد القادر غفرلہٗ اسلام پور۔
(۳۷۴) قد صح الجواب۔ وہ مشرکین جن سے صلح ہو گئی ہو، ان کو عمل میں شریک کرنا اور اُن کے ساتھ مل کر کام کرنا اس شرط پر جائز ہے کہ اُن کی خاطر کسی دینی کام میں نقصان نہ ہو یا کسی جائز عند الشرع فعل کو ان کی خاطر ترک نہ کرے اور اُن کی ایسی شوکت نہ نہ بڑھائے جس سے مسلمانوں کو ان کا تابع ہونا پڑے سخاوت حسین فضل رحمانی۔ کاکو ضلع گیا۔
(۳۷۵) قد اصاب من اجاب۔ محمد رفیق غفر اللہ ذنوبہ اسلام پوری۔
(۳۷۶) الجواب صحیح۔ عبد المجید سنبھلی عفی عنہ مدرس مدرسہ سراج العلوم۔
(۳۷۷) کافروں اور مرتدوں سے میں بہت بیزار ہوں۔ ابوذر عفی عنہ۔
(۳۷۸) ذالک کذالک۔ ذکاوت حسین مدرس۔ امام جامع مسجد سنبھل۔
(۳۷۹) ھذا الجواب حق۔ سید محمد غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ۔
(۳۸۰) الجواب صحیح۔ عبد اللہ الملقب بہ قطب جودھپور۔

(۳۸۱) جواب صحیح ہے۔ راحت علی کان اللہ لہٗ جودھپور۔

(۳۸۲) الاجوبۃ کلھا صحیحۃ۔ ابو عمر محمد اسمٰعیل بلند شہری جودھپوری۔ مدرس مدرسہ اسلامیہ حنفیہ۔ محقق کوائف روئے زمین۔

(۳۸۳) اس فتوے کے کُل جواب صحیح ہیں۔ حکیم ابوالفتح قاضی ظہور احمد مہتمم مدرسہ اسلامیہ حنفیہ جودھپوری چشتی سلیمانی محقق کوائف الارض والسمٰوٰت۔

(۳۸۴) جواب مجیب باصواب است۔ فقیر غلام جان متوطن بنوں موضع حدر خان۔

(۳۸۵) الجواب حق۔ (مولوی) محمد لطف اللہ غفرلہٗ غلام خلافت۔

(۳۸۶) الجواب صحیح۔ محمد عظیم غفرلہٗ الکریم ساکن بیگوخیل ضلع بنوں۔

(۳۸۷) الجواب صحیح۔ محسن شاہ غفرلہٗ۔

(۳۸۸) الجواب صحیح۔ ولی محمد پنجابی۔ معروف بہ مولانا روم۔

(۳۸۹) اصاب من اجاب۔ ابوالشرف قاضی کبیر احمد وفقہ اللہ التزوونعد الملقب بہ قطب اول میرتوی۔

(۳۹۰) المجیب مصیب۔ محمد حسن ساکن لکی مروت ضلع بنوں۔

(۳۹۱) الجواب صحیح۔ غلام نبی بقلم خود۔

(۳۹۲) الجواب صحیح والمجیب مصیب ترک الموالاۃ مع المحاربین

(۳۹۳) ای واجب۔ حررہ بندہ جمال شاہ ساکن اباخیل۔ ضلع بنوں۔

(۳۹۴) جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ جماعت یعنی جمعیۃ علمائے ہند اس آیۃ مقدسہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔ کی مصداق ہے۔

تا توانی باجماعت یار باش — رونقِ ہنگامہ احرار باش

حرزِ جان کن گفتۂ خیر البشر — ہست شیطان از جماعت دور تر

نصوصِ قرآنیہ پر نظر کرتے ہوئے صحتِ ترکِ موالات سے انکار کرنے والا معاندہ سے خالی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ احقر الجسد نیاز محمد عفا اللہ عنہ ساکن نادر خیل ضلع بنوں۔

(۳۹۵) ترک موالات منصوص علیہ فرض ولازم است۔ (مولوی) میر زمان غفرلہٗ۔

(۳۹۶) الجواب صحیح ۔ مسکین محمد طالب الدین غفرلہٗ بنوں ۔
(۳۹۷) ترک الموالاۃ مع الذین قاتلوکم فی الدین فرض بالاتفاق۔ خاکسار نورالحق ساکن شہاب خیل ۔
(۳۹۸) ترک الموالاۃ مع الذین قاتلوکم فی الدین الا بطحی واجب ۔ مولوی غلام یحییٰ موضع پکنڈوال میراخیل ۔
(۳۹۹) الحق حق فترک الموالاۃ مع المحاربین واجب ۔ مسکین بندہ سید اکبر عفا اللہ عنہ ۔
(۴۰۰) المجیب مصیب ۔ نور محمد ساکن تترخیل گلیجان ۔
(۴۰۱) الجواب حق ۔ (مولوی) محمد یوسف غفرلہٗ ۔
(۴۰۲) الجواب صحیح ۔ غلام فقیر نقیب خلافت ۔
(۴۰۳) الجواب صحیح ۔ عبدالواحد بقلم خود ۔ موضع کوٹی سادات ۔
(۴۰۴) جواب بشرح صدر مذکور صحیح ہے ۔ محمد کامل غفرلہٗ ۔
(۴۰۵) لا شک فی قانص علیہ صاحب الرسالۃ جزاہ اللہ خیر الجزاء ۔ راجی فضل جبار قاضی عبدالغفار ضلع بنوں بازار احمد خان ۔ محمد حسن کراچی ۔
(۴۰۶) ترک الموالاۃ المنصوص علیہا فی القرآن المجید فرض واجب اللہ علینا و علی صاحب الرسالۃ ۔ ملتجی رحمت نقیب خلافت گل مست غفرلہٗ ساکن قریہ اسمٰعیل خانی ۔ ضلع بنوں ۔
(۴۰۷) الجواب صحیح ۔ دوست محمد واعظ غفرلہٗ ساکن اسمٰعیل خانی ۔
(۴۰۸) ھو الصواب ۔ نور محمد غفرلہٗ ۔ بنوں ۔
(۴۰۹) الجواب صحیح ۔ فیض محمد عفی عنہ ساکن عبک خیل ضلع بنوں ۔
(۴۱۰) ترک الموالاۃ مع المحاربین واجب ۔ عبداللہ غفرلہٗ ساکن رنگی خیل ۔
(۴۱۱) الجواب حق ۔ الراقم فدوی میرباز ۔ ساکن اباخیل ۔ ضلع بنوں ۔
(۴۱۲) الجواب صحیح ۔ غلام جیلانی مندرخیل ۔ ضلع بنوں ۔

(۴۱۳) ترك الموالاة مع المحاربين واجب۔ احقر العباد (مولوی) حکیم شیرداد غفرلہٗ۔ عبک خیل۔

(۴۱۴) الجواب صحیح۔ گل اعظم عفی عنہ ساکن تل جمن خیل۔ ضلع بنوں۔

(۴۱۵) الجواب صحیح۔ بحسب قدرت۔ بلبل مروّت شاعر ملا رضا خاں غفرلہٗ ساکن گورگی۔ سید خیل۔

(۴۱۶) مسئلہ ترکِ موالات اب ایسا نہیں رہا کہ کوئی سمجھ دار اس کے حق میں ہونے کے شبہ کرے سوائے اس شخص کے جس کے دل میں مرض نفاق ہو۔ اعاذنا اللہ منہ۔ ابو حامد عبد الحق کان اللہ لہٗ۔ ہواپاڑہ سلہٹ۔

سندھی کا ترجمہ

(۴۱۷) ہر ایک شخص پر بقدر استطاعت دشمنانِ دین کے ساتھ ترک موالات، فرض قطعی ہے۔ عبدہٗ ابو تراب رشد اللہ جھنڈہ والا عفی عنہ۔

(۴۱۸) الجواب صحیح۔ محمد اسمٰعیل عفی عنہ مدرس مدرسہ دار الرشاد درگاہ پیر جھنڈا۔

(۴۱۹) من اجاب فقد اصاب ومن انکر فقد اخطاء۔ الراجی ابو الفیاض نور محمد عفا اللہ عنہ امام مسجد شاہ ابو تراب مرحوم۔ سلہٹ۔

(۴۲۰) الجواب حق لاریب فیہ۔ عبد المصوّر محمد اسحٰق غفرلہٗ، باروت خانہ سلہٹ۔

(۴۲۱) الجواب صحیح۔ عبد الہادی عفی عنہ شاہ جہان پوری۔ نزیل دہلی۔

(۴۲۲) الجواب صحیح۔ اونا الزمن بندہ محمد حسن عفی عنہ ووحدی۔ گجراتی۔ نزیل دہلی۔

(۴۲۳) الجواب حق فھو احق بالاتباع۔ خاکسار محمد فیوض الرحمٰن غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۴۲۴) ترک موالات با مخالفینِ اسلام نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ابو الفوائد عبد القادر عفی عنہ۔ درگاہ شریف۔

(۴۲۵) الجواب صحیح۔ محمد نور الحق غفرلہٗ دار الرشاد درگاہ پیر جھنڈا۔ ضلع حیدر آباد۔

۴۲۶ علی بخش الحسنی سندھی از گگد بڑا۔

۴۲۷ الجواب صحیح - انظار حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

۴۲۸ الجواب صحیح - محمد یوسف عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

۴۲۹ الجواب صحیح - احقر العباد محمد عبد الحلیم انصاری پانی پتی غفرلہٗ۔

۴۳۰ الجواب صحیح - خاکسار محمد ابراہیم غفرلہٗ شاہ جہان پوری۔

۴۳۱ الجواب صحیح - عبد اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ دار الرشاد درگاہ پیر جھنڈا۔

۴۳۲ الجواب صحیح - فقیر محمد حسن سرہندی عفی عنہ۔

۴۳۳ ھذا ھو الحق - علی محمد عفی عنہ مہیری۔

۴۳۴ قد جاء الحق - محمد عثمان صباغ میر پوری۔

۴۳۵ الجواب صحیح - محمد عبد اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی۔

۴۳۶ الجواب صحیح - محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی۔

۴۳۷ الجواب صحیح - عبد الغنی غفرلہٗ دہلوی۔

۴۳۸ الجواب صحیح - ناظر اللہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم۔

۴۳۹ ھذا الحق حق - محمد عثمان میمن درسہ والہ عفی عنہ۔

۴۴۰ الحق احق یتبع - محمد نور نور اللہ بنور الایمان آمین۔

۴۴۱ قل ای وربی انہ لحق - فقیر محمد حسن عفی عنہ ٹھٹھوی۔

۴۴۲ قد اصاب فیما اجاب - العبد محمد عاقل العاقلی لاڑکانہ سندھ۔

۴۴۳ ابو الفیض غلام عمر عفا عنہ رب البشر ساکن صوبہ جتوئی لاڑکانہ سندھ۔

۴۴۴ بندہ غلام نور عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم گھوٹکی۔

۴۴۵ ھذا ھو الحق والحق احق ان تتبع - حافظ محمد کامل لاڑکانہ سندھ۔

۴۴۶ مسکین مولوی محمد امین (سندھی)

۴۴۷ اذا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا - ھذا احق من لم یقتلہ ولم یعمل علیہ فھو عند اللہ مردود من الجھول - الفقیر میر محمد

نورنگے حنفی (سندھی)۔

۴۴۸ ھذا ھو الحق المبین۔ ابو الجیب مٹھل شاہ ٹھلانی (سندھی)۔

۴۴۹ الجواب صحیح۔ عبدالواحد مدرس مینا ضلع لاڑکانہ سندھ۔

۴۵۰ قد اصاب من اجاب۔ محمد عمر سندھ خیرپور ناٹن شاہ۔ لاڑکانہ سندھ۔

۴۵۱ قد اصاب فیما اجاب۔ فقیر سید عبدالغنی معروف عبدالنبی عفی عنہ جیکب آباد سندھ۔

۴۵۲ ابو المصلح محمد عبدالخالق المورائی۔

۴۵۳ الجواب صحیح۔ مولوی عبدالواحد مدرس مدرسہ اسلامیہ علاقہ قنبر لاڑکانہ سندھ۔

۴۵۴ المجیب مصیب۔ بندہ اسداللہ الحسینی (السندھی)۔

۴۵۵ الجواب ھو الصواب۔ خادم حسین عفا اللہ عنہ جیکب آباد سندھ۔

۴۵۶ قد اصاب فیما اجاب۔ مولوی محمد اسمٰعیل ساکن گھوٹکی۔

۴۵۷ ماحورہ العلماء فھو حری بالقبول۔ نور محمد المدرس ثانی مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی

۴۵۸ ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ فتح علی مدرس مدرسہ دارالفیوض ہاشمیہ سجاول۔

۴۵۹ ۷۸۶۔ تو محمود را بخش پروردگار: طفیلِ محمد مدد چاریار۔ ثانی مدرس قومی مدرسہ اسلامیہ محمودیہ (شکارپور سندھ)

۴۶۰ ھذا ھو الحق۔ سید تراب علی راندی لاڑکانہ سندھ۔

۴۶۱ حکومتِ برطانیہ چوں ظاہراً معاندِ اسلام و معاون مخرجینِ اہلِ ایمان است پس لامحالہ موالات کنندہ با حکومت مذکورہ ظلمیت کیش در زمرۂ ھم الظٰلمون داخل است بنا بریں ترک موالات با آنہا حسب ارشاد او سبحانہ و تعالیٰ واجب است چہ جائیکہ جائز گفتہ آید۔ ولی فیہ بحث یظھر بعد الجبر ان شاء اللہ تعالیٰ۔ قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ۔ عبدہ غلام مجدد عفا اللہ عنہ۔

۴۶۲ قد حققوا شکر ربی تعالیٰ وجل مثانۃ سعیھم واید ھم اما الذین یخالفونھم فی ھذا الرای (فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون)۔ بصیر الدین صدیقی۔

(۴۶۳) الا بوی الناس انهم یصلون الوتر کل لیلة و یقرءون فیه للقنوت و یقولون و نخلع و نترك من یفجرك - فهم بعد موالاتهم ایاهم کالذین یقولون (نشهد انك لرسول الله والله یعلم انك لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون) - خادم القوم والوطن ناصر الدین محمد حسن الصدیقی -

(۴۶۴) اصابوا فیما اجابوا او اتباع السواد الاعظم واجب - محمد معین الدین الصدیقی کان الله له -

(۴۶۵) الجواب صحیح - مولوی صاحب دتہ متوطن فی بلدة القرآن شکارپور ضلع سکھر -

(۴۶۶) الجواب صحیح - عبدالعزیز بھکڑا ضلع میانوالی -

(۴۶۷) الجواب صحیح - فقیر عبدالکریم ساکن قریہ سیال تعلقہ شہداد کوٹ ضلع اپر سندھ -

(۴۶۸) الجواب صحیح - محمد صادق ساکن ایڈھر ابراہیم تعلقہ پنو عاقل ضلع سکھر -

(۴۶۹) الجواب صحیح - محمد عمر سرہندی - مٹاری سندھ -

(۴۷۰) ھذا صواب - محمد عثمان سندھی لاسی -

(۴۷۱) آرے موالات با یہود و نصاریٰ در شرع شریف حرام است -

مُقدّمہ کراچی

(دستاویز ثبوت نمبر ۱۷)

نقل رپورٹ سی-آئی-ڈی

مولانا محمد علی ——————— واقعہ ۹ ر جولائی بوقت شب!

جلسہ آل انڈیا خلافت کانفرنس کراچی میں رزولیوشن نمبر ۶ تحریک تائید کی تقریریں ہونے کے بعد مسٹر محمد علی پریسیڈنٹ نے کہا کہ یہ تحریک جو نہایت اہم ہے جو بڑی ذمہ داری کی تحریک ہے جس پر ہمارا آئندہ طرزِ عمل منحصر ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ اردو میں گفتگو ہوئی سندھی میں گفتگو ہوئی۔ انگریزی میں گفتگو ہوئی۔ قرآن و احادیث کے حوالے دیئے گئے۔ دھرم شاستر کے حوالے دیئے گئے۔ اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ اس کو منظور کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کھڑے ہو کر منظور کریں چنانچہ لوگوں نے کھڑے ہو کر اور ہر طرح کے نعرے لگا کر تحریک کو منظور کیا۔

کسی نے اختلاف ظاہر نہیں کیا۔ اس کے بعد پریسیڈنٹ نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں کہوں کہ یہ تحریک منظور ہوئی، میں کہتا ہوں کہ اس کی اہم ذمہ داری کو منظور کیجئے۔ جب تک آپ تمام اپنی قوّت کو صرف نہ کر دیں اپنے ملک و مذہب کے بچانے میں اس وقت آپ سوراج کو حاصل نہیں کر سکتے۔ نیز سرکاری نوکریوں کو چھوڑنے کے لئے آپ کو طیار ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ سوراج ہونے سے پہلے کانگرس احمد آباد کی آتے۔ اس سے پہلے اگر گورنمنٹ اپنے رویہ کو نہ بدلے تو اُس کے پہلے دن تمام باتوں کو کرنا ہے۔ سندھ کے لوگوں کو سونے کا وقت نہیں ملے گا۔

اب وقت اس کا ہے کہ ہر ایک جماعت پوری محنت سے پوری کوشش سے کام کرے تاکہ مذہب و ملک دونوں کا بھلا ہو۔ خداوند کریم ہم کو توفیق دے۔

دستاویز ثبوت نمبر ۱۴

تقریر جناب مولٰینا حسین احمد صاحب

بتائید رزولیوشن نمبر ۶

(نقل رپورٹ سی۔آئی۔ڈی)

حضرات! جس مقصد کے لئے مجھ کو حکم فرمایا گیا ہے۔ اس تجویز کے پیش کرنے کے لئے مجھے حکم دیا گیا ہے، اس کے متعلق میں مختصر الفاظ میں کچھ قرآن اور حدیث کے احکام آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ اس کو میں صراحتاً آپ کے سامنے عرض کروں، اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف تمام مسلمانانِ عالم کے درمیان میں کس قسم کا رابطہ اور تعلق بیان کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے (عربی ....) "مسلمان کہیں ہوں، کسی رنگت کے ہوں، کسی نسل سے ہوں مشرق کے رہنے والے ہوں، گورے رنگ کے ہوں یا کالے رنگ کے ہوں، کسی قسم کی زبان رکھتے ہوں، اُن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے غافل ہو سکے۔ یا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی ایسی حالت میں چھوڑ سکے جس میں اس پر یا اس کی کسی عزت پر یا مال پر صدمہ پہنچتا ہو غرض یہ ہے کہ یہ نص یعنی یہ آیت صاف طور سے دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے میں ایسا تعلق اور ارتباط ہونا چاہیئے جیسا کہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ہوتا ہے۔ اس آیت کا جو کہ حکماً نازل فرمائی گئی ہے، اس سے مقصد کیا ہے؟ آیا فقط خبر دینا مقصود ہے یا کسی حکم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جن لوگوں صاحبان نے زبان عربی کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہوگی اور عادت

عرب سے واقف ہوں گے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ بھائیوں کے درمیان عرب میں ایک نشان اور ایک ایسا علاقہ رکھا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے بھائیوں کی ایک خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کہ جیسی دوسری قرابت میں نہیں ہوتی تھی۔ اس واسطے شاعر کہتا ہے (عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنے بھائی کو مضبوط پکڑنا چاہیئے کیونکہ جس کے پاس بھائی نہیں ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے کوئی جنگ میں بغیر ہتھیار کے جائے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن سے تمام مسلمانوں میں مددگاری کے واسطے اور خیر خواہی کے واسطے اور ہر قسم کی خبر گیری کے لئے ایک ایسی برادری قائم کردی ہے اور اتنی محبت ہوتی ہے جو کہ ایک باپ اور ایک ماں کی چند اولاد کے اندر ہوتی ہے۔ قرآن اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بھی خاص طور سے بیان پیش کرتا ہے (عربی ....) مسلمان مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے یار اور مددگار ہیں۔ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مضمون کا بہت سی احادیث میں صاف طور سے ذکر فرماتے ہیں۔ کہیں فرمایا جاتا ہے (عربی.......) یعنی مسلمان تمام سب کے سب روئے زمین پر کہیں ہوں، مگر سب کے سب ایک جسم کے اعضا کی طرح سے ہیں۔ جیسے کہ آنکھ میں اگر درد ہوتا ہے تو اور باقی جسم میں بھی تکلیف ہوتی ہے، اور اگر پیر میں درد ہوتا ہے تو سر میں، تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ نیند نہیں آتی۔ اس طرح سے مسلمانوں کی حالت آپس میں ہونی چاہیئے۔ یعنی فرماتے ہیں (عربی ....) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس کو رسوا نہ کرو۔ غرض یہ ہے کہ اسلام نے تمام مسلمانوں میں ایک ایسا رشتہ اور رابطہ قائم کردیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام نے اور قرآن اور حدیث سے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا رابطہ اور اتحاد قائم کردیا ہے کہ جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر خواہ کہیں کے ہوں، ہر ایک مسلمان کے حقوق کی بہت قوت کے ساتھ اعانت کرنا ضروری ہے۔ جبکہ یہ بات مختلف احادیث اور

آیات میں نہایت قوت کے ساتھ میں بیان کر دی ہے تو اب ہم کو اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آج مسلمانوں کو روئے زمین پر کیا کرنا چاہیئے اور جس حالت میں کہ اسلام دوسری جگہوں میں پھنسا ہوا ہے۔ خلافت جس حالت میں پھنسی ہوئی ہے، جو علمائے اسلام اور مذہب اسلام کی حالت آئے دن ہو رہی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہونا چاہیئے۔ اس کو بھی قرآن ہی سے دریافت کرنا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے (عربی ......) "اے مسلمانوں تمہارے ساتھ جو لوگ قتال کرتے ہیں جو لوگ تمہارے ملک پر ہجوم کرتے ہیں، جو لوگ تمہاری عظمت، تمہارے ملک، تمہاری دولت اور تمہاری عزت برباد کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ تمہارے مذہب کو دنیا سے ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں، اُن کے ساتھ تم لوگ مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ مقابلہ کرو۔ یہ ایک حکم شرعی طور سے فرمایا جاتا ہے۔ اور فرض کر دیا جاتا ہے کہ اگر مخالفین اسلام ہجوم کریں شہر ہائے اسلام پر، تو فرض ہے تمام مسلمانوں پر کہ ان کا مقابلہ کریں۔ اس میں کوئی خصوصیت کسی خاص قوم کی نہیں کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی جانب پر اسلامی شہروں میں سے، ہجوم ہو تو تمام مسلمانوں پر بتدریج فرض ہو جاتا ہے۔ اوّل اس شہر کے رہنے والوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وُہ کفار کا مقابلہ کریں اور دفع کریں۔ اور اگر وہ یا سُستی کریں تو اس شہر کے اردگرد کے رہنے والوں پر یہ حکم فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بھی سُستی کریں گے تو اُن کے اردگرد کے رہنے والوں پر فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح سے بتدریج آہستہ آہستہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر یہ حکم فرض ہو جائے گا، اور یہ حکم واقع ہو جائے گا کہ تمام سب کے سب اپنی جان سے اور مال سے اور روپیہ پیسہ سے ان کا مقابلہ کریں اس بنا پر اس کی ضرورت ہوئی کہ شہر ہائے اسلام پر روئے ممالک پر جو ملک کہ بادشاہ اسلام کے قبضہ میں ہیں ان کے اُوپر، ہجوم کیا گیا تو اس کی وجہ سے خواہ کہیں کے مسلمان ہوں، خواہ ہندوستان کے مسلمان ہوں یا چین کے مسلمان ہوں یا بخارا کے مسلمان

ہوں سب کے اُوپر فرض ہے کہ ان کی مدد کریں اور کافروں کو ان کے شہروں سے نکالیں فقط یہی نہیں بلکہ دوسری جگہ یہ بھی فرمایا گیا ہے (عربی......) کہ مخالفین اسلام تم سے مجتمع ہو کر اکٹھے ہو کر مقابلہ کرتے ہوں، تم سے لڑائی کرتے ہوں، تمہارے ملک کو اور عزت کو برباد کرنا چاہتے ہوں تو اس طرح سے تم سبھوں پر فرض ہے کہ سب کے سب مل کر ان سے مقابلہ کرو اور لڑائی کرو۔ ان دونوں آیتوں کے مفہوم پر غور فرمایئے اس کے معانی کو ملاحظہ کیجئے۔ ان دونوں آیتوں کا خلاصہ خاص طور سے یہ نکلتا ہے کہ تمام مسلمانانِ عالم پر ایسی حالت میں جبکہ اتحادی مل کر کے اور یورپین قومیں مل کر جبکہ اسلامی دولت کو برباد کرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح کے مظالم کرتے ہوئے ایسی صورتیں اختیار کرتے ہوں عمل کی کہ جس کی وجہ سے اسلام کی دولت ہی فقط زائل نہ ہو بلکہ اسلام دنیا سے مٹ جاوے تو اس وقت میں آپ خود جان سکتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور کیا آپ کے ذمہ حکم شرعی عائد ہوتا ہے۔ حکم شرعی یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر، ہر مسلمان پر فرض ہے اس وقت میں کہ مجتمع قوت کے سامنے میں اُن کا مقابلہ کیا جاوے۔ پھر جبکہ یہ فرض تھا کہ ان کا مقابلہ کیا جاوے اور ایسی صورت میں اگر مسلمان کسی قسم کی سستی کریں یا کاہلی کریں تو اس سے آپ جان سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اعلیٰ درجہ کے گنہ گار ہوں گے کیونکہ فرض کا ترک حرام ہے جو گناہ بڑے بڑے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ کسل کرنا، سستی کرنا گناہِ کبیرہ تھا تو اب جو مخالفینِ اسلام ہیں ان کی مدد کرنا کس طرح سے جائز ہو گی؟ اسی واسطے قرآن شریف میں بہت سی آیتوں میں اس کی خاص طور سے مخالفت کی گئی ہے۔ کہیں فرماتے ہیں کہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ "بھلائی اور اتقا اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہوں اور ظلم اور تعدّی پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو"۔ جو لوگ کہ اتحادیوں کی مدد مت کرتے ہیں چاہے وہ پیسے سے مدد کریں، چاہے وہ جان سے مدد کریں جس طرح مدد کریں گے وہ اسی جرم میں داخل ہوں گے وہ کونسی

جرم ہے یعنی تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ آج یورپ یہ چاہ رہا ہے، اتحادی یہ چاہ رہے ہیں کہ حکومتِ اسلامی روئے زمین پر باقی نہ رہے۔ سب سے بڑی قوت اسلامی یہ سلطنتِ روم تھی جس کا بادشاہ وہ خلیفۂ اسلام کہا جاتا تھا۔ وہ ہر طرح سے حمایت اسلام کی کرتا تھا۔ جبکہ اس کے برباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اب جو شخص اتحادیوں کا ساتھ کسی بات میں بھی دے گا چاہے وہ فوج میں بھرتی کرائے یا خود فوج میں داخل ہو کر جائے یا وہ اپنے عمل سے، کلام سے، اپنی تقریر سے، اپنی تحریر سے ساتھ دے گا وہ حقیقۃً مخالفِ اسلام ہے اور اسلام کی جڑ کھودنے والا ہے۔ جناب رسولؐ اس قسم کی صورتوں میں فرماتے ہیں ــ (عربی ......) جس شخص نے ہم پر یعنی مسلمانوں پر ہتھیار کو اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو لوگ کہ فوج میں بھرتی ہو کر اس طرز پر اتحادیوں کی اور مخالفینِ اسلام کی مدد کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ آیا وہ مسلمان باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟ میں اس کے متعلق واقعات کو جو کہ بہت کچھ واقع ہو چکے ہیں، دکھلانا نہیں چاہتا۔ فقط ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، جس کا مجھ سے ایک اسٹریلین مسلمان نے ذکر کیا تھا۔ اور نہایت وثوق کے ساتھ میں ذکر کرتا ہوں اور اس نے ایک عیسائی اسٹریلین سے جو کہ درہ دانیال پر خود موجود تھا، اس سے یہ نقل کیا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ ایک عیسائی کے بیان سے ہے، عیسائی جو کہ مخالف تھا اسلام کا، وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے اس لئے ایک قابلِ عبرت واقعہ ضرور ہوگا، اور لوگوں کو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آج ہم مخالفین اسلام کی مدد کر کے کیا ہم اسلام پر باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟ یہ اسٹریلین مسلمان کہتا ہے کہ جس وقت میں التوائے جنگ کے بعد آسٹریلین فوجیں واپس آئی ہیں۔ میں آسٹریلیا میں موجود تھا۔ ایک قہوہ خانہ میں ایک ہوٹل میں ان کا اجتماع ہوا۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تو ایک واقعہ انہوں نے ذکر کیا۔ اس سے ایک بات خاص اور بھی معلوم ہو جائے گی کہ ہندوستانیوں نے اس جنگ میں اپنے لئے کیا حصہ لیا۔ اور کیسی سرخروئی یا سیاہ روئی کمائی ہے

اسٹریلین عیسائی بیان کرتا ہے کہ میں بھی خندق میں موجود تھا اور میرے ساتھ خندق میں چند ہندوستانی سپاہی تھے جن میں دو مسلمان تھے۔ اور میں دیکھتا تھا کہ دو تین روز سے آپس میں جھگڑا ہوتا تھا اور باتیں ہوتی تھیں۔ میں سمجھتا نہ تھا۔ مگر اندازہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ان میں سے یہ چاہتا تھا کہ ہتھیار چھوڑ کر ترکوں سے جا ملے، مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ اور دوسرا اس کا ساتھی یہ چاہتا تھا کہ ایسا نہ کیا جائے۔ اور اس کو روکتا تھا۔ ایک یا دو روز یہ جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر میں ایک شخص ان میں سے ہتھیار چھوڑ کر وہیں پھینک کر کے ترکوں کی خندق کی طرف بھاگا۔ وہ چند قدم آگے بڑھا ہوگا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے شور مچایا، اور دوسرے سپاہیوں سے کہا کہ یہ ترکوں سے ملنے جاتا ہے تم اس کے اُوپر گولی پھینکو۔ گولی ماری گئی۔ وہ بیچ میں پہنچا تھا کہ اس کے گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اب اس واقعہ کو سُنئے۔ وہ آسٹریلین کہتا ہے کہ بیچ میں جہاں وہ آدمی گرا تھا، کوئی آدمی نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ اگر ترکوں میں سے کوئی آدمی پہنچے تو ہم گولی مارتے، اور اگر ہم میں سے کوئی آدمی پہنچے تو وہ گولی مارتے۔ پھر گرمی کا وقت تھا۔ اگر کوئی میت کوئی مُردہ وہاں پر باقی رہتا تو چند گھنٹے کے بعد اس کا جسم کالا پڑ جاتا تھا اور بدبو واقع ہو جاتی۔ مگر واقع یہ ہوتا ہے کہ رات کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش کے پاس ایک شمع روشن ہے، ایک چراغ جل رہا ہے۔ ہم نے ٹارچ وغیرہ کے ذریعہ سے پورے طور پر دیکھنا چاہا کہ کوئی آدمی اس کے پاس آیا ہو یا کسی نے چراغ دکھایا ہو۔ کوئی شخص معلوم نہیں ہوا، اور معلوم ہوا کہ روشنی میدانِ جنگ میں ٹارچ وغیرہ اس طرح سے ڈالی جاتی ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہتی۔ بلکہ معمولی طور پر جنگ میں ہر وقت میں رات کو یہ روشنی روشن کی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دو تین روز تک وہ روشنی وہاں پڑی رہی مگر ہر رات کو ہم دیکھتے تھے کہ ایک شمع وہاں موجود ہے۔ یہ کوئی واقعہ نیا نہیں ہے۔ بلکہ بخاری شریف جن حضرات نے پڑھی ہے ان کو معلوم ہوگا کہ بعض حضرات جو شہید ہوئے تھے ان کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہے، اور ان کی لاش کے قریب روشنی ایک مدت تک پائی

گئی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب دو تین روز کے بعد میں اجازت مُردوں کے اُٹھانے کی ہوئی تو اس وقت جب اس کی لاش اُٹھائی گئی تو اس کی لاش میں نہ رنگت میں کوئی فرق واقع ہوا تھا گویا کہ ابھی وہ شخص مرا تھا، نہ اس کے جسم میں کوئی بدبو پیدا ہوئی تھی، نہ اس کی کسی چیز میں اور کوئی تغیر پیدا ہوا۔

یہ تو اس شخص کی حالت ہوئی۔ مگر وہ کہتا ہے کہ جس نے گولی مروائی تھی دوسرے ساتھی کی حالت یہ ہوئی کہ چند گھنٹوں کے بعد ایک گولی اس کی پیشانی پر لگی۔ تو اس کی ہڈی جبڑے کی اس طرح سے باہر نکل آئی جیسے کہ سوّر کا منہ ہوتا ہے رنگت سیاہ ہو گئی۔ وہ کہتا ہے کہ جس شخص نے گولی ماری تھی، اس شخص کے گولی لگی پیشانی پر، اور جبڑے کی ہڈی اس طرح سے آگے نکل آئی کہ منہ نہایت لمبا ہو گیا، اور صورت نہایت جلد سیاہ ہو گئی۔ بالکل سوّر کی سی صورت ہو گئی۔ یہ بیان کسی مسلمان کا خاص کر نہیں ہے۔ عیسائی بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے اس میں، کہ تمہارے مذہب کے حقانیت کی یہ دلائل ظاہر موجود ہیں۔ اور فقط اس واقعہ کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ عراق اور درہ دانیال میں اور بصرہ میں فوجوں کے سامنے پیش آئے ہیں۔ مگر ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کر کے یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے آپ ان عیسائیوں کی ان کافروں کی جن دشمنانِ خدا اور رسول کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ خواہ آپ کے دفتر میں نام لکھائیں جہاں دشمنوں کا نام لکھا ہے اور جو کہ دشمنوں کا دفتر ہے یعنی غلام سبھا کا دفتر۔ خواہ آپ اس میں چندہ دیں، خواہ ان میں فوجیں بھرتی کروائیں۔ تھوڑی مدد ہو یا بہت ہو۔ تو دیکھئے جناب رسول فرماتے ہیں کہ (عربی ......) آیت پڑھی "جس نے کسی قوم کی جماعت کو بڑھا دیا یعنی وہ اس جماعت میں شریک نہیں تھا۔ حقیقتہً نہ ان کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر تماشہ دیکھنے کے واسطے یا کسی وجہ سے اس جماعت میں آکر بیٹھ گیا ہے تو وہ اس جماعت میں سے ہوگا۔ جب آپ نے دشمنانِ خدا اور رسول کے دفتر میں اپنا نام بڑھایا

تو ان کی جماعت کو بڑھا دیا۔ جب آپ نے فوج میں کسی کو بھرتی کرا دیا یا یہ کہ خود بھرتی ہوئے، اگرچہ آپ کے دل میں ایمان تھا اور آپ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے تھے، مگر خیال کیجئے کہ اس وجہ سے آپ نے دشمنانِ اسلام کو تقویت دی، آپ کا کیا حال ہوگا۔ قرآن کہتا ہے کہ (عربی .....) جو کسی مسلمان کو قتل کرے گا، جان بوجھ کر قصداً۔ تو اس کی جزا کیا ہے؟ جہنم۔ ہمیشہ رہے گا اس جہنم میں اور اللہ کا غصہ ہوگا اس پر اور اس کی لعنت ہوگی اس پر اور اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر کیا کسی مسلمان کو یہ بات جائز ہے کہ وہ ایسی فوجوں میں بھرتی ہو جس کے اندر علانیہ طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیا آپ فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت میں گورنمنٹ کسی مسلمان قوم کے مقابلہ میں بھیجے کہ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ بہت سے لوگوں نے مصر میں کہا، عراق میں کہا اور انکار کیا جانے سے تو ان کے گولی مار دی گئی۔ مجھ سے خود جرنیل احسن پاشا نے مالٹا میں ذکر کیا جس وقت میں حضرت مولانا شیخ الہند سے ملنے کے لئے گئے تو وہ باتیں اس نے بیان کیں، تو وہ بہت افسوس نہایت الم اور درد ظاہر کرتے تھے اہلِ ہند پر۔ وہ کہتے تھے کہ اہلِ ہند سے ہم کو بہت زیادہ شکایت ہے۔ ہم نے ہند پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں یا ہندوؤں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ہم نے ان کے ملک نہیں چھینے تھے، ان کی دولت، عزت اور آبرو کو برباد نہیں کیا تھا بلکہ اس کے ماسوا ہمارے علائق قلوب اور دین کے ان کے ساتھ مترتب تھے۔ ہم اور ہندوستانی لوگ ایک مذہب میں، ایک نسل کے اور ایک براعظم کے رہنے والے ہیں۔ ہم کو بہت کچھ اتحادات تھے۔ ہم کو اس بات کی امید تھی کہ جس وقت ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمام مشرق، مغربی برائیوں سے آزاد ہو جائے۔ ہماری اصلی غرض یہی تھی کہ ہم مسلمانوں کو آزاد کرائیں، تو ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ہماری مدد کرتے۔ مگر مدد تو درکنار انہوں نے ہمارے مقابلے میں فوج کشی کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسلمان لوگوں کو جو اسیر

ہو کر ہمارے سامنے آئے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ تم بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہو، ہم بھی کہتے ہیں تو پھر کیوں تم نے ہمارے اُوپر بندوقیں اُٹھائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم بندوقیں نہ اُٹھاتے تو ہمارے گلے کاٹے جاتے گلے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا۔ یہ کس وجہ سے کہ مسلمان کو بھرتی کر کے لے جاویں اور مسلمان یہ کہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ میں مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان کے گولی ماری جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کو گولی ماری گئی۔ حضرات میں یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ جب کہ آپ کسی قسم کی کوئی مدد دشمنانِ اسلام کی کرتے ہیں تو آیا آپ کو اس بات کی امید ہے کہ آپ کا خاتمہ ایمان پر ہو سکے گا؟ اور کیا آپ کو امید ہے کہ جناب رسولؐ کی شفاعت سے قیامت کے دن آپ کامیاب ہو سکیں گے؟ کیا آپ کو امید ہے کہ جناب باری سبحانہٗ تعالیٰ کے سامنے کل کو سرخروئی کسی قسم کی حاصل ہو جائے گی۔ میں اس مضمون کو مختصر طور پر عرض کرنے کے بعد میں ایک خاص مضمون کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور میں عنقریب اس بیان کو ختم کر دوں گا زیادہ طویل بیان نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں سے یعنی (عربی آیت پڑھی) جیسا کہ مشرکین جمع ہو کر اور ایک اتحادی اور اجتماعی قوت سے تمہارے ساتھ میں مقابلہ اور لڑائی کرتے ہیں اور جنگ کرتے ہیں۔ اسی طرح سے تم پر اے مسلمانو! فرض ہے کہ خواہ چین کے ہو، خواہ ہندوستان کے ہو، خواہ عرب کے ہو، عراق کے ہو، روم کے ہو، سب کے اجتماعی صورت سے ان کا مقابلہ کرو۔ آج حالت یہ ہے کہ امریکہ کے عیسائی، انگلینڈ کے عیسائی، فرانس کے عیسائی، اٹلی کے عیسائی اور دوسری جگہوں کے عیسائی مجتمع ہوئے اسلام پر حملہ کر رہے ہیں۔ اس جنگ میں جو کچھ ہوا وہ آپ حضرات نے بہت اچھی طرح سے سُنا۔ پھر ایسی صورت میں کیا فرض ہوگا، مسلمانانِ ہند کا اور دوسری جگہ کے مسلمانوں کا۔ وہ ہی فرض ہوگا جو قرآن ابھی بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ تم مجتمع ہو کر ان کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی اور جنگ کرو۔ اور اسلام کو فتح یاب کرنے کی ہر طرح سے صورت کی جائے۔ اگر اس سے مسلمان غافل رہے

تو بیشک انہوں نے ایک بہت بڑا انتقام اپنے لئے کمایا ہے جو کہ آخرت میں ان کے لئے کسی طرح سے سرخروئی کا ذریعہ نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ پورے طریقہ سے مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہ خیال کیا جائے کہ ہر شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی جاوے گی کیونکہ (عربی آیت پڑھی) بلکہ یہ بات ضروری ہوگی کہ ہر شخص اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کرے۔ جیسا کہ ترکوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کریں، اسی طرح سے ہندوستان والوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق مقابلہ کریں۔ اسی لئے یہ صورت ابتداء سے اختیار کی گئی ہے کہ نہایت ہی امن اور شائستگی کے ساتھ ہندوستان میں قانون کی حد کے اندر مقابلہ کیا جاوے اور اس کے لئے صورتیں پیدا کی جاویں۔ چنانچہ اب تک جو کچھ سعی کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے وہ اس بات کی تھی کہ قانون کی حد کے اندر رہ کر نہایت امن اور شائستگی سے مقابلہ کیا گیا، اور اس کی صورتیں تجویز کی گئیں جو کہ آپ حضرات نے مختلف جلسوں میں سُن لی ہوں گی۔

مگر آج یہ صورت پیش آگئی ہے کہ خوف کیا جاتا ہے اور اعلاناتِ انگلینڈ سے سُنا جاتا ہے کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو جو ایک اکیلی گورنمنٹ مسلمانوں کی باقی رہ گئی ہے اور اس کے ہاتھ میں کسی قدر قوت ہے جس کو ایک مدت سے یونان ہر طرح سے پیس رہا ہے جس میں یونانیوں کے مظالم اس درجہ کو اور اس حد تک پہنچ گئے ہیں جس کو وحشیوں کی قومیں بھی کسی طرح سے روا نہیں رکھ سکتی ہیں۔ اس میں برطانیہ اور اسکی متحدہ دولیں کسی قسم کی احتجاج کی آوازیں بلند نہیں کرتی تھیں۔ مگر آج اس کے سوا بھی خوف کیا جاتا ہے کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو اعلانِ جنگ دینا چاہتی ہے۔ پھر کیا اس صورت میں مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ جیسا پہلے سے معاملہ کرتے چلے آئے ہیں اسی طرح سے معاملہ کرتے رہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن کے حکم کے موافق تو لازم تھا کہ وہ پورے طور سے جنگ کرتے۔ مگر جبکہ ان کے اندر قوت نہیں ہے اس واسطے اس درجہ میں ایسا کرنا لازم ہوگا۔ مگر وہ امن اور شائستگی کے ساتھ میں امن کو نہ توڑیں مگر یہ

لازم ہے کہ جس طرح سے اب تک قانون کی پابندی کی گئی ہے اسی طرح پابندی نہ کی جاوے بلکہ قانون شکنی کے جو قواعد ہیں اُس کے مطابق مقابلہ کیا جاوے۔ اور یہ جنگ بھی اسی طرح پر امن اور شائستگی کے ساتھ میں رہے گی۔ فقط اسی معاملہ میں مقابلہ میں زیادتی کی جاوے کہ وہ قانون کی حد میں نہ رہیں بلکہ حد سے بھی باہر ہو جاویں۔ اس لئے مَیں ان آیات اور ان احادیث کے موافق جو کہ اس باب میں وارد ہوئی ہیں میں اس مضمون کی جو ابھی پڑھا گیا ہے تحریک کرتا ہوں کہ ضروری ہے مسلمانوں پر کہ تمام فوجوں کو اور تمام لوگوں کو اس بات سے روکیں کہ وہ اتحادیوں کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر انگورا گورنمنٹ پر برطانوی فوجیں حملہ کریں تو وہ قانون شکنی کے ساتھ نہایت امن اور شائستگی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اور جس قدر قوت صرف ہو سکے اس کو صرف کرے اس لئے مَیں اپنے اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اَللّٰہُ اَکْبَر

لخت حسنین انسپکٹر
سی۔ آئی۔ ڈی

بیان تقریری

رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب

باصطلاحِ عدالت ملزم نمبرا

بعدالت سٹی مجسٹریٹ کراچی مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۱ء

تارک موالات ہونے کی وجہ سے مَیں نے اس عدالت کی کارروائی میں کوئی حصّہ نہیں لیا ہے۔ صرف اس مقدمہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ جس کا اتنے روز تک انکشاف ہوتا رہا ہے، اس عرصہ جو کچھ شہادت پیش ہوئی ہے اس کو بھی میں نے سہولت سے گذرنے دیا اور آپ ہی کے قوانینِ شہادت کے مطابق جو کچھ میں اس شہادت کے قابلِ تسلیم یا مناسب ہونے کے متعلق شبہ کر سکتا تھا، اس کی طرف بھی اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ مَیں نے گواہوں کے بیان پر جرح کر کے مقدمہ کی کارروائی میں مداخلت نہیں کی۔ بلکہ اپنے اس حق کو بھی اپنے دوست وکیل سرکار کو ادا کرنے کی اجازت دے دی جو تسلی بخش جواب نہ ملنے کی صورت میں اپنا مقصد حاصل کرتے کے لئے اس کو ادا کرتے رہے۔ ترک موالات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم کسی مقدمہ کی کارروائی میں صرف اتنا حصّہ لے سکتے ہیں کہ واقعات کے متعلق بیان پیش کر دیں جس کا مقصد اپنی صفائی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی آگاہی مقصود ہے جو صحیح طور پر پورے پورے واقعات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اُلجھن میں پڑ جائیں جہاں تک اس مقدمہ کا تعلق ہے، مجھ کو بیان دینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ صرف میں اس لئے بیان پیش کر دیتا ہوں کہ ان بے شمار گواہوں کی پیچیدہ شہادت کا خاتمہ کر دوں جن کو بُلانے کی غرض تو یہ تھی کہ ایک واضح اور بیّن امر کا ثبوت بہم پہنچا دیں

لیکن انہوں نے اس واضح امر کو کامیابی کے ساتھ مبہم بنا دیا ہے۔ میں اپنے بھائی اور دیگر احباب کے ہمراہ کراچی آیا تھا اور کنیا شالا میں ہی ٹھیرا تھا جہاں اور بھی دس بیس آدمی مقیم تھے۔ جب تک میں وہاں رہا، ہزاروں آدمی آتے تھے اور جاتے تھے۔ اکثر تو دن میں آیا کرتے لیکن بعض اوقات کو بھی لوگ آتے تھے جس سے مجھ کو اور میرے بھائی کو تکلیف ہوتی تھی لیکن اس بہشتی آرام کو حاصل کرنے کے لئے جو مجھ کو اب میسر ہے اس قسم کی تکالیف برداشت کر لینا کوئی بات نہ تھی چونکہ میری قیام گاہ جیل خانہ نہ تھی اس لئے میں نہایت صفائی سے اقرار کرتا ہوں کہ میں کنیا شالا سے باہر بھی جاتا تھا اور وہاں واپس بھی آتا تھا۔ کبھی تو میرے بھائی میرے ساتھ ہوتے تھے، اکثر وہ نہیں بھی ہوتے تھے۔ شاذ و نادر میرے دوست ڈاکٹر کچلو کا ساتھ میسر ہوتا تھا کیونکہ وہ خود اپنے صوبہ اور مقامی حالات کے سلجھانے میں مصروف تھے۔

میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں رات کو ڈیڑھ بجے کبھی واپس نہیں آیا جیسا کہ ایک غریب گواہ نے بیان کیا ہے اور جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کی تعیناتی رات کے بارہ بجے سے شروع ہوتی تھی اور کچھ کارگزاری دکھانی ضرور تھی اس وقت سناٹے کے عالم میں اتفاق سے میں اپنے بھائی کے ساتھ سازش کے حقیقی معنوں میں سازش کیا کرتا تھا یعنی یہ کہ میرے بھائی نہایت زور سے خراٹے بھرتے ہوتے تھے۔ اور میں بھی ضرور اسی حالت میں ہوتا ہوں گا اگرچہ میرے سانس بالکل متفق ہوتے ہوں گے جو تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۲۰ ب کے لئے ضروری ہے جس سازش کے کرنے میں ہم منہمک تھے وہ دن دہاڑے کھلے میدان میں ہوا کرتی تھی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے گذشتہ خلافت کانفرنس منعقدہ کراچی کی صدارت کی تھی اور میں نے گوکک ضلع بلگام کی کانفرنس کی طرح یہاں بھی وہ قرارداد مرتب کی تھی جو حکومت انگورا کے خلاف برطانوی جنگی نقل و حرکت کے امکان سے تعلق رکھتی تھی۔ میں نے یہ قرارداد جلسہ میں پڑھ کر سنائی اور میں نے محرک قرارداد کا تعارف کرایا، جن کو میں آج اپنے ہمراہ اسیران میں دیکھ کر خوش ہوں یعنی میرے

محترم بزرگ اور آقا مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی۔ میں نے جلسہ کی کارروائی بند کرنے سے پہلے اس قرارداد کے متعلق کچھ اختتامی جملے کہے اور جو لوگ اس کے موافق تھے اُن سے درخواست کی کہ کھڑے ہو کر اس قرارداد کی تائید کریں۔۔ جو درحقیقت خدا کے ساتھ ایک عہد تھا۔ لیکن گواہوں کا یکے بعد دیگرے یہ کہنا کہ صرف یہی ایک قرارداد تھی جو کھڑے ہو کر پاس کی گئی محض کذب ہے۔ کم از کم دو اور قراردادیں اسی طرح پاس کی گئی ہیں جن کی رپورٹ اخبارات میں بھی موجود ہے۔ میں سوائے اس کے کہ سرکاری گواہوں کی مقدس روایات برقرار رکھنی مقصود ہوں اس جھوٹ کا مقصد اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو گورنمنٹ کو جان بوجھ کر اس قرارداد نیز قرارداد منظور شدہ گوکگ کانفرنس کا مفہوم غلط سمجھایا گیا ہے اور یا خود گورنمنٹ کا منشا یہی ہے کہ اس تجویز کے اس حصے پر جس کا تعلق فوج سے ہے خواہ مخواہ جھوٹا زور دیا جائے تاکہ وائسرائے کی عہد شکنی کو بجا اور درست قرار دیا سکے جو انہوں نے ہمارے خلاف مقدمہ چلائے جانے کے متعلق کیا تھا۔ بہرحال یہ ان کا کام ہے اور سوائے شکریہ کے مجھے کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ آخر کار میدان میں آ کر گورنمنٹ نے اسلام کو چیلنج دے دیا ہے کہ اسلام اپنی حفاظت میں جو چاہے کر لے۔ گوکگ اور کراچی کانفرنسوں کے وقت ہر شخص پر یہ امر روشن تھا کہ محافظِ اسلام اور خلافتِ اسلامیہ کے خلاف جس کو حکومتِ برطانیہ تباہ کرنے اور دوسروں سے تباہ کرانے میں ہر امکانی کوشش کر چکی تھی، دوبارہ جنگی کارروائی شروع کر دینے میں محض ایک اشارہ کی دیر تھی۔ ہندوستانی مسلمان جو حکومت کو بار بار متنبہ کر چکے تھے اس وقت نہایت سرعت سے صبر کو ہاتھ سے کھو رہے تھے اور ہم کو خطرہ تھا کہ خلافت کو بچانے اور حکومت سے مذہبی احکام منوانے کے لئے ہمارے جوشیلے مسلمان بھائی جو خودسر تو نہیں ہیں لیکن شاید بے فائدہ قوت سے کام لے کر کہیں ہندوستان کے امن میں خلل انداز نہ ہو جائیں۔ ہم نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا جو خدا اور اس کے بندوں سے تعلق رکھتی ہے اور ہم نے

مسلمانوں کی منتشر توجہ کو ایک نتیجہ خیز سمت کی طرف منعطف کرایا۔

مجسٹریٹ : میں لکھنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ صرف مقدمہ کے متعلق اپنا بیان دے دیں۔ مقدمہ کے بعد آپ کو آزادی ہوگی کہ تقریر کریں جس کو لکھنے کی مجھ کو ضرورت نہیں۔

مولانا محمد علی : میرے خیال میں میں آپ کو زیادہ دیر تک تکلیف نہ دوں گا میں صرف وہی شہادت بہم پہنچانا چاہتا ہوں جو آپ کے کام آئے۔ تقریر کرنے کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ باقی میں مشکور ہوں، آپ کی اجازت سے بعد میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ مسکرا کر کہا کہ آپ ہم کو جلاوطن کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ کیا پانچ منٹ بھی ہماری بات سننی گوارا نہیں کر سکتے۔

ہم نے حکومت کو دو باتوں کے متعلق آگاہ کیا۔ اوّل یہ کہ ہم کانگریس کی معیت میں قانون شکنی کی ابتدا کریں گے اور دوم یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کے آئندہ اجلاس دسمبر میں ہندوستان کی آزادی اور انعقاد جمہوریہ ہند کا اعلان کریں گے۔ لیکن یہ دونوں امور برطانیہ کی جانب سے خفیہ یا اعلانیہ، بلا واسطہ یا بواسطہ یونان اسلام کی بقیہ قوت کے خلاف دوبارہ جنگی کارروائی شروع کرنے پر مشروط تھے۔

ملک کے ہر اخبار نے خواہ وہ موالاتیوں کا ہو یا تارکینِ موالات کا، جمہوریہ ہند کے مسئلہ پر خوب بحث کی۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کسی نے ہندوستانی فوج کے مسئلہ پر بھی پبلک میں بحث کی ہو کیونکہ خود دونوں قراردادوں کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ مسئلہ محض ضمناً داخل کیا گیا تھا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے پانسو مقتدر علماء نے کئی مہینے پہلے ترک موالات کے متعلق نہایت صریح اور واضح فتویٰ صادر فرما دیا تھا۔ جو کانسل کی ممبری، وکالت سرکاری اور امدادی مدارس میں تعلیم، خطابات و اعزاز اور نیز سرکاری ملازمت خواہ فوجی ہو یا سول، ان سب مسائل پر حاوی تھا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ گوگگ اور کراچی میں صرف اس غرض سے کانفرنس منعقد کی گئی تھی کہ غریب خطاب یافتگان سے ان خطابات کو چھوڑنے کی درخواست کرے جو انہوں نے عزت کو

بیچ کر حاصل کئے تھے اور جن کو وہ سینہ سے لگائے ہوئے تھے (ہنسی) ...... تو شاید اس سعی سے زیادہ مضحکہ خیز نہ ہوتا جو اتنے عرصہ کے بعد وفادار فوج کی وفاداری میں مداخلت کرنے کی سازش دریافت کرنے کے لئے کی جارہی ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ زیادہ مضحکہ خیز نہ ہوتا کیونکہ جہاں مجھ کو ان خطاب یافتگان سے مایوسی ہے وہاں اپنی وفادار فوج سے پوری امید ہے۔ ہماری مجوزہ گرفتاری کے متعلق گورنمنٹ نے جو آخری اعلان شائع کیا ہے، اس میں بھی فوجیوں کو تعریف کے ذلت آمیز الفاظ سے یاد کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور جس حد تک وہ اس تعریف کے مستحق ہیں وہ ان کی مذہبی پستی اور ابتری کی بھی حد ہے۔ جہاں ان جیسی ایک مذہبی جماعت کو ایک لا مذہب حکومت نے پہنچادیا ہے اگر یہ تعریف بجا اور درست ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ ہمارے کرم کا نتیجہ ہے اور اس انتہائی غفلت اور لاپرواہی کا پھل ہے جو ہم نے اپنے ان غریب فوجی بھائیوں کی طرف برتی ہے جو اب ہماری ضرورت کے وقت ہم کو سزا دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اب ہم اپنے ان بھولے اور سیدھے سادے بھائیوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے اگرچہ مجھ کو ان اشتہاروں کے وجود کا بالکل علم نہ تھا جو فوجی مسلمان افسروں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ ان مسلمان فوجیوں کو افسر کے لقب سے خطاب کرنا بھی ستم ظریفی ہے۔ تاہم مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی ہے کہ آخر کار خدا کا یہ پیغام جمعیتہ العلماء ہند نے ہندوستانی فوج تک پہنچادیا ہے (اس جگہ معظم علی صاحب نے کان میں کچھ کہا) میں اپنی غلطی کو درست کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو ابھی اطلاع ملی ہے کہ جمعیتہ العلماء نے فوج کے نام اس قسم کے اشتہارات کے اجرا سے انکار کیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اس جعل سازی کو بہت جلد واقعہ کرکے دکھا دیں گے۔

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۱۸۵۸ء میں جب کہ اس ملک میں غدر ہوا تھا تو اس میں ہندوستانی فوج نے حصہ لیا تھا اور یہ مذہبی مسئلہ کی بنا پر تھا اس وقت ملکہ وکٹوریہ نے سب سے پہلے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اور لوگوں کو اطمینان دلانے کے لئے ایک اعلان شائع کیا۔ اس اعلان میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ خسروانِ

انگلستان کے خطابات میں سے دین پناہ کا نمایاں خطاب بھی تھا۔ اور اس زمانہ کے وزیر اعظم کو جو موجودہ وزیر اعظم کی طرح چالاک تھے۔ یہ امید تھی کہ اس نمایاں خطاب کا ترجمہ جب ہندوستانی زبان میں ہوگا تو اس کے مفہوم میں تمام مذاہب کی حفاظت شامل ہوگی لیکن ملکی زبان دانوں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ اس خطاب سے ہندوستانی یہ سمجھیں گے کہ ملکہ معظمہ ہندوستان کے تمام مذاہب کی مخالفت میں اپنے مذہب کی خاص حمایت و معاونت کریں گی اس لئے لارڈ ڈربی نے ارادہ کیا کہ اس خطاب کو حذف کر دیں۔ لیکن جس وقت انہوں نے خود ملکہ معظمہ کی مرضی دریافت کی تو ملکہ نے اس تحریف سے قطعاً انکار کیا۔

ملکہ کے کہنے سے لارڈ ڈربی نے خود اعلان کا مسودہ تیار کیا، اور اس میں پہلا پیراگراف درج کیا جس میں ہندوستانیوں کے متعلق ملکہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "ہم ان ذمہ داریوں کو خدا کے فضل و کرم سے نہایت ایمانداری اور دیانت داری سے پورا کریں گے"۔ اس پیراگراف میں ہمارے مذاہب کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں :۔

"عیسائی مذہب کی صداقت پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے اور شکریہ کے ساتھ اس اطمینان کو قبول کرتے ہوئے جو مذہب کی وجہ سے حاصل ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنا مذہبی اعتقاد اپنی رعایا پر عائد کرنے کا نہ حق ہے اور نہ ہم کو اس کی خواہش ہے"۔

پھر بھی ڈھائی روز سے میرے دوست وکیل سرکار چھ متقدر مسلمانوں اور ایک نہایت مقدس ہندو پر نہ معلوم کس کے عقائد عائد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے تو یہ عقائد یقیناً نہیں ہیں جو وہ یہاں بیان کر رہے ہیں۔ اعلان مذکورہ میں درج ہے کہ :۔

"ہم اپنی مرضی اور خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ اس کے مذہبی عقائد اور عبادات کی بنا پر نہ تو رعایت برتی جائے گی

اور نہ اس کو ستایا جائے گا اور نہ پریشان کیا جائے گا بلکہ سب کو برابر قانون کی غیر جانبدارانہ حفاظت حاصل ہوگی۔"

(مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس پر عمل کریں گے)

"ہم نہایت زور کے ساتھ اپنے حکام ماتحت کو حکم دیتے ہیں، کہ وہ ہماری رعایا کے مذہبی عقائد و عبادات میں ہر قسم کی مداخلت سے مجتنب رہیں ورنہ ہماری سخت ناراضگی کا باعث ہوگا۔"

اس اعلان میں حکام کے سلسلہ میں سب سے پہلے خود گورنر جنرل کا ذکر ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان ہی کی مرضی اور تائید سے ہم کو ہمارے مذہبی عقائد کی بنا پر ستایا اور پریشان کیا گیا ہے اور اب ہم پر جو عقائد عائد کئے جائیں گے وہ زیر تعزیرات ہند مختلف الزامی دفعات ہوں گی۔

نوٹ: اس وقت دو بج کر دس منٹ پر عدالت کی کارروائی کر دی گئی اور بعد نماز ظہر تین بجے سے پھر کارروائی شروع ہوئی۔ جب کہ مولینا محمد علی صاحب نے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

اس اعلان کے آخری جملہ کا مسودہ خود ملکہ معظمہ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا چنانچہ ہندوستانیوں کی طرف اشارہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ:۔

"ان کی خوش حالی ہمارے لئے باعثِ قوت ہوگی۔ ان کا اطمینان ہماری پناہ اور ان کا شکریہ ہمارے لئے بہترین انعام ہوگا۔ خدائے قادر سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اور ہمارے حکام ماتحت کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ہماری رعایا کی بہبودی کے لئے ہماری مرضی کے مطابق عمل کریں۔"

ہندوستان میں نظامِ حکومت برطانیہ کے استحکام کے لئے یہ اعلان اس قدر بنیادی اور اہم سمجھا گیا ہے کہ جب پچاس سال بعد اس واقعہ کی پچاسویں یادگار کے موقعہ پر ملکہ معظمہ کے فرزند اور جانشین پادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے اعلان

شائع کیا تو اس میں انہوں نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا کہ اس سے ایک دورِ جدید کا آغاز ہو گیا۔ ہر دو اعلانات کے مابین پچاس سال کے عرصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "ہم گذشتہ نصف صدی کی کارگزاری پر نہایت اطمینان اور پاک باطنی کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں"۔ آگے چل کر وہ بیان فرماتے ہیں کہ "ہماری رعایا کے کسی فرد کے ساتھ مذہبی عقائد و عبادات کی بنا پر نہ تو رعایت برتی گئی ہے اور نہ کسی کو ستایا اور پریشان کیا گیا ہے۔ سب نے قانون کی حفاظت حاصل کی ہے اور قانون کا اجرا بھی اس طرح کیا گیا ہے کہ اس سے کسی مذہب، ذات یا دستور کی جو تمہاری تمدّن کے ساتھ وابستہ ہیں بے ادبی نہیں ہوئی"۔ جس وقت موجودہ شہنشاہ تخت پر بیٹھے تو انہوں نے ۲۴ مئی ۱۹۱۰ء کو ہندوستان کے والیانِ ریاست اور عام لوگوں کے نام ایک خط شائع کیا جس میں انہوں نے ہر دو اعلاناتِ مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ شاہی حکومت کے شریفانہ اور ہمدردانہ رویہ کی اسناد ہیں اور میں خود عمر بھر دیانت داری کے ساتھ اس رویہ کا پابند رہوں گا"

لیکن اگر قانون کی حفاظت اسی کا نام ہے جو اس وقت ہم کو حاصل ہے، تو کوئی بادشاہ اپنی حکومت کی کارگزاری کو اطمینان اور پاک باطنی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا اور یہ بیکار اسناد صرف اس کام کی ہیں کہ شاہی حکومت کے اس شریفانہ اور ہمدردانہ رویہ کا مضحکہ اڑائیں جس کی وجہ سے آج یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ایک مومن جماعت پر مشرکانہ عقائد عائد کئے جائیں اور اس سے خدا کو جو ضروریاتِ زندگی کے لئے اہم اور حیّ القیوم ہے محض ایک گڈا منوایا جائے، ورنہ پھر اس قیمتی مقدمہ کا کیا مقصد ہے۔ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور مسلمان کس کے عقائد کی پابندی کریں؟

اگر میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی غلطی کروں تو مجھ کو میری غلطی کا یقین دلانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ قرآن شریف یا احادیثِ صحیحہ کی طرف مجھ کو توجہ دلائی جائے یا زمانہ ماضی یا حال کے مقتدر علماء کے فتاوی دکھائے جائیں جو اِن ہی

دونوں مذکورہ بالا کتب پر مبنی ہوں - میرا دعویٰ یہ ہے کہ آج میں غلطی پر نہیں ہوں۔ کیونکہ تمام مذہبی احکام موجودہ حالت میں مجھ سے بعینہ ان ہی خیالات کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کی وجہ سے وہ حکومت جو خود کو شیطانی حکومت کہلوانا نہیں چاہتی میرے خلاف مقدمہ چلا رہی ہے - اگر اس وقت کسی امر کی طرف سے غفلت برتنا میرے لئے مہلک معصیت قرار پاتا ہے اور غفلت نہ برتنے کی صورت میں بھی میں مجرم ٹھہرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو اس ملک میں کس طرح محفوظ سمجھوں؟

مجھ کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ یا تو گنہگار بنوں یا مجرم قرار پاؤں - میں ایشیائی نسل کے ایک برطانوی وزیر اعظم اور ان ہی کے ہم نسل موجودہ وزیر ہند اور وائسرائے کی طرح ان سے زیادہ خلوص اور انکساری کے ساتھ فرشتوں کا ساتھ دینا پسند کروں گا۔

اسلام میں صرف ایک ہی بادشاہت تسلیم کی گئی ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی بادشاہت ہے جو غیر مشروط، غیر منقسم اور غیر منتقل ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کی گفتگو سے واضح ہے جو انہوں نے اپنے قید خانہ کے ساتھیوں سے کی اور جو قرآن شریف کے بارھویں پارہ میں مذکور ہے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ	اے میرے جیل خانہ کے رفیق بہت سے خدا بہتر ہیں یا ایک خدائے قہار، تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنے خداؤں کے نام رکھ لئے ہیں تم ان کی عبادت نہ کرو - خدا نے ان کیلئے کوئی سند نہیں بھیج دی ہے - خدا کے سوا اور کسی کی حکومت (قابل تسلیم) نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم سوائے اس کے اور کسی کی عبادت (غلامی) نہ کرو

الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

یہی مضبوط دین ہے لیکن بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے۔

میرا خیال ہے کہ یہ نصیحت موجودہ زمانہ پر نہایت عمدگی کے ساتھ منطبق ہو سکتی ہے جبکہ حالت یہاں تک ابتر ہو گئی ہے کہ جونہی مغربی کمان کے ایک صوبہ دار میجر کے پاس قرآن شریف کی چند آیتیں اور کچھ حدیثیں پہنچتی ہیں جو اس کو اس کے اوّلین فرض یعنی خالق کی بندگی کی طرف دعوت دیتی ہیں تو وہ فوراً گھبرا کر کمانڈنگ افسر کے پاس دوڑا ہوا جاتا ہے اور ان احکامِ الٰہی کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

خدا کی بادشاہت وقتاً فوقتاً قبائل اور اقوام میں پیغمبروں کی وساطت سے جاری رہی اور جب خاتم النّبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغامِ امن دنیا کو پہنچا کر رخصت ہوئے تو ان کے جانشین خلفاء امراء المومنین کہلائے۔ یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور موجودہ امیر المومنین حضرت سلطان المعظم سلطان ترکی ہیں جس اطاعت کا اسلام نے مسلمان کو حکم دیا ہے، خواہ وہ فوجی ہو یا مدنی، مسلم حکومت کے ماتحت رہتا ہو یا غیر مسلم حکومت کے ماتحت، وہ صرف خدا اور رسول اور مسلمانوں ہی میں سے اولی الامر کی اطاعت ہے جن سے زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور خلفاء مراد ہیں۔ لیکن آخر الذکر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح غیر مشروط نہیں ہے بلکہ چند شرائط پر مبنی ہے جیسا کہ قرآن شریف کی چوتھی سورت سورۂ نساء سے صاف ظاہر ہے:۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ

اے مسلمانو! خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو، جو تم میں سے اولی الامر ہیں (یعنی خلفاء) لیکن اگر کبھی کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تمہارا خدائے پاک اور روزِ آخرت

الْآخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○ پر ایمان ہے، تو یہی بہتر اور منصفانہ ارادہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر المومنین نائب رسول بھی کسی مسلمان کو ایسا کام کرنے کا حکم دیں جو وہ پسند نہ کرے تو اس وقت نہ صرف اس مسلمان کو حق ہے بلکہ ہدایت کی گئی ہے کہ اس قضیہ کو جو اس کے اور سب سے بڑی قابلِ تسلیم دینوی قوت کے درمیان ہے فیصلہ کے لئے قرآن شریف اور احادیثِ نبوی کی طرف رجوع کرے۔ یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے جس کا خلاصہ مشہور کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، (اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) مسئلہ توحید ریاضی کا کوئی گر نہیں ہے جس کو دقیق خیال رکھنے والوں نے دقیق خیالات رکھنے والوں کے لئے مرتب کیا ہو۔ بلکہ یہ ایک اعتقاد ہے جو ہر عالم اور ان پڑھ مسلمان کے روزانہ اعمال میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی عقیدہ کی پاکیزگی اور صفائی کا امتحان کرنے کے خیال سے حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے ایک روز جماعت مسلمین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ میں خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑا فاتح ہوں، اگر میں احکامِ خدا اور رسول کے خلاف تم کو حکم دوں تو تم میرا کیا کرو؟

مسلمان کے لئے اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا جو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دے دیا (جو بعد میں خود بھی خلیفہ ہوئے) اور وہ یہ تھا کہ اگر حضرت عمرؓ نے خدا کے احکام کے خلاف کوئی حکم دیا تو میں (حضرت علیؓ) جس نے بیعتِ طاعتِ خلیفہ کی ہے تمہارا سر کاٹ لینے میں ذرا بھی دریغ نہ کروں گا۔ مجھے یاد ہے کہ اسی قسم کا ایک واقعہ برطانیہ کے دورانِ حکومت انگلستان (ہندوستان نہیں انگلستان) میں بھی ہو چکا ہے جبکہ Puritans (پکے عیسائیوں کی جماعت) نے اس بادشاہ کا سر بھٹا سا اڑا کر رکھا دیا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ بادشاہوں کو بھی خدا کی طرح اپنے سب احکام بلا چون و چرا منوانے کا حق ہے۔ مسلمان اس سے قبل دوسرے ممالک میں بھی امن کے ساتھ غیر مسلم حکومتوں کے ماتحت رہ چکے ہیں۔ لیکن ہمیشہ اسی غیر متبدل اصول کی

پابندی کے ساتھ کہ دنیوی حکّام کے احکام اور قوانین کی پابندی اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب کہ وہ احکامِ خداوندی کی نافرمانی کا باعث نہ ہوں جو قرآن شریف کے زوردار الفاظ میں احکم الحاکمین ہے۔

اطاعت کی یہ نہایت واضح اور صریح حدود صرف غیر مسلم سلطنتوں کے احکام کے متعلق نہیں ہیں، بلکہ بالکل عام ہیں اور ان میں کسی صورت سے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

(مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ بیان تو نہیں دیتے، تقریر کر رہے ہیں۔ مولینا محمد علی نے جواب دیا۔ یہ بیان ہی ہے تقریر نہیں ہے)۔

پھر اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میرے حکمران ہز ہائنس نواب صاحب رامپور پھر ہز اگزالٹڈ ہائنس اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن، حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت حضور سلطان المعظم ٹرکی بھی اپنی مسلمان رعایا سے اپنے کسی ایسے حکم کے ماننے کا مطالبہ نہیں کر سکتے جس کے ماننے سے قانون اسلام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ ذیل کی صحیح حدیث سے انہیں اصول پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

"مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو حکم اس کو دیا جائے اس کو سُنے اور بجالائے خواہ وہ حکم اس کو پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اس حکم میں خدا کی نافرمانی نہ ہو۔ لیکن اگر نافرمانی ہو تو ایسے حکم کو نہ سُنے اور نہ اس کی اطاعت کرے۔

دوسری حدیث میں ہے "جس بات میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اسمیں اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ اطاعت صرف نیک امور میں ہونی چاہیئے۔

یہی خیال ایک دوسری حدیث شریف میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا استدلال ناقابل تسخیر ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ "جس بات میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے"۔

ہندوستانی وفدِ خلافت نے جس کی سرکردگی کا شرف مجھ کو عطا ہوا تھا بذریعہ تحریر جس میں متعدد مرتبہ مذکورہ بالا حدیث نقل کی گئی تھی اور نیز زبانی ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء

کو ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ میں دورانِ ملاقات میں مسٹر لائڈ جارج کو ان آخری نتائج سے آگاہ اور متنبہ کر دیا تھا۔ جن کی طرف ان کی حکومت کا خلافت اور اسلام کے ساتھ معاندانہ رویہ مسلمانانِ ہند کو مجبور کر کے لے جا رہا تھا۔

لہٰذا نہ عام مسلمانانِ ہند کے طرزِ عمل میں کوئی بات ایسی ہے اور نہ خود ہمارے رویہ میں جس سے حکومت متحیر ہو جائے۔ ہم کو خدا کا فرض بھی ادا کرنا ہے اور حکومت کا بھی۔ لیکن جب آخر کار شاہی حکومت کے مطالبات، خدا کی حکومت سے متصادم ہو گئے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم صرف خدا کی اطاعت کر سکتے تھے۔ چنانچہ اپنی حقیر بساط کے مطابق اب بھی ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ خدا کی اطاعت پر قائم رہیں۔ مسلمان کی محبت اور نفرت دونوں اللہ کی خوشنودی اور خفگی کے تابع ہیں جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الحبّ للہ والبغض للہ۔ جب تک حکومت نے زبردستی مجبور کر کے مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلا دیا کہ گورنمنٹ خدا اور اسلام کی دشمن ہے۔ مسلمان ہر حال میں وفادار رہے اور ان کی وفاداری اس تک پہنچ گئی کہ اکثر ہمسایہ قومیں ان پر طعنہ زن ہونے لگیں جو بعض اوقات بجا اور درست بھی تھا لیکن گذشتہ دس سال سے اسلامی ممالک اور خصوصاً خلافت کے ساتھ جس کی اطاعت ہر مسلمان کے مذہبی فرائض میں داخل ہے حکومت کا رویہ دیکھ کر اب مسلمانوں کو یقینِ کامل ہو گیا ہے، کہ حکومت مذہب اور مُلک دونوں کی دشمن ہے۔ گذشتہ دورانِ جنگ میں جو خلافت کے خلاف اب تک جاری ہے حکومت نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ متعدد مرتبہ وعدے کئے تھے کہ مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ جو محض عمارتیں نہیں بلکہ ممالک ہیں ہر قسم کی مداخلت اور دست اندازی سے محفوظ رہیں گے اور دار الخلافہ قسطنطنیہ، سمرنا، تھریس خلیفہ ہی کے قبضہ میں رہیں گے۔ ان وعدوں کو اس طرح بے پرواہی اور آسانی کے ساتھ توڑ دیا گیا جس طرح مسلمانوں کو خلیفہ کی افواج کے مقابلہ میں لڑا کر ان مذہبی فرائض اور احکام کو پامال کیا گیا جن کی حُرمت برقرار رکھنے کا عہد مسلمانوں کی وفاداری کی بنیاد تھا اعلانِ جہاد کے بعد بھی ہمارے فاقہ زدہ اور خوف زدہ سورماؤں کو جہاز میں بھر کر

اُس جنگ میں لڑنے کے لئے بھیجا گیا جس کو ذمہ دار وزراء مثل وزیر اعظم اور ونسنٹ چرچل وزیر بحریہ نے "صلیبی جنگ" کہا ہے۔ یہ صلیبی جنگ اب بھی جاری ہے اور اس کو جاری رکھنے کے لئے حکومت نے نئے عیسائی رنگروٹ بھرتی کرلئے ہیں جو یونانی ہیں اور جن کی ترکوں کے ساتھ کوئی لڑائی نہ تھی۔ یہ لوگ اب ترکوں کے خلاف ترکی سرزمین میں لڑ رہے ہیں گورنمنٹ جہاں شرائط التوائے جنگ کی خلاف ورزی اور ترکی پر یونانی حملہ کی ذمہ دار ہے جس میں اُس نے علانیہ اور خفیہ مدد کی ہے وہاں ان بے شمار شرمناک مظالم کی بھی وہی ذمہ دار ہے جو یونانیوں نے وہاں کئے ہیں اور جن کی تصدیق اتحادی تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے ہوئی ہے۔ اگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس حکومت سے تصفیہ کرنے کے لئے ذرا بھی مؤثر قوت ہوتی تو اگر وہ مسلمان رہنا چاہتے تو احکامِ اسلامی کی رو سے حکومت کے خلاف اعلانِ جہاد کرنے پر مجبور ہوتے اور موجودہ قضیہ کا تصفیہ خالق دینا ہال کی بجائے کسی دوسری جگہ ہو رہا ہوتا۔ اگر ایسی قوت موجود نہ ہو جو ایک قابلِ افسوس امر ہے تو اسلامی قانون کی رُو سے جو لوگ اپنے مُلک کو خیرباد کہہ سکتے ہوں ان کو کسی محفوظ جگہ ہجرت کر جانی چاہیئے جہاں ان کو مذہبی عقائد کی بنا پر کوئی وکیل سرکار ستانے اور پریشان کرنے والا نہ ہو لیکن ان کا ارادہ یہی ہو کہ پھر واپس آکر اپنے ملک کو آزاد کریں اور خدا کی عبادت کیلئے محفوظ و مامون بنائیں۔

(اس وقت وکیل سرکار نے سٹی مجسٹریٹ کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۴۴ کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ ملزم کو وہ بیان دینا چاہیئے جس کا تعلق مقدمہ سے ہو۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ میرے خیال میں بھی یہ بیان ایک تقریر ہے)

مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ خود وکیل سرکار نے کیا گیا ہے، انہوں نے بھی تو مقدمہ پر بحث کرنے کی بجائے افسران پولیس، فوجی جرنیل، اخبار نویس اور رپورٹروں کے ایک مخلوط گروہ کو بُلا کر شہادت کو پیچیدہ اور غیر واضح کر دیا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ مجھ پر الزام کیا ہے۔ شہادت اثبات جُرم کو سُن کر صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ ہم پر ایک ریزولیوشن پاس کرنے کا جُرم عائد کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ہمارا مذہبی فرض تھا جو کچھ

ہم نے کیا، اپنے مذہبی احکام کے مطابق کیا۔ میرے بھائی کا صرف یہ جرم ہے کہ انہوں نے اس ریزولیوشن کی موافقت میں ہاتھ اُٹھایا۔ میں صرف اسلامی قانون کا پابند ہوں، اور اسی قانون کو بیان کرنا میرا مقصد ہے جو میں کر رہا ہوں۔ میں نے مذہبی احکام بیان کرنے سے سرِ مُو گریز نہیں کیا ہے۔ نیز میں نے شاہانِ انگلستان کے اعلانات کا تذکرہ کیا ہے جو یکے بعد دیگرے انہوں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اہلِ ہند کو مذہبی آزادی کا یقین دلاتے ہوئے کئے ہیں۔ میرے سامنے دو ضخیم کتابیں رکھی ہیں (ایک کتاب کو ہاتھ میں اُٹھا کر) ان میں اعلانات اور اسناد (چارٹر) درج ہیں جو تمہارے تعزیراتِ ہند سے ٹکراتے ہیں۔ آخر یہ اسناد کیا ہیں؟ کیا یہ بالکل بے معنی ہیں؟ کیا ان کی کوئی قدر نہیں؟ کیا یہ محض کاغذ کے پُرزے ہیں؟ اگر وکیل سرکار احکامِ اسلامی کی تشریح نہیں سُننا چاہتے تو صاف کہہ دیں، پھر میں دیکھ لوں گا کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کرتے ہیں یا دوسروں کو مُلک سے نکال باہر کرتے ہیں۔ ابھی تو مجھے دفعہ ۱۰۵ کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے۔

مجسٹریٹ : دفعہ ۵۰۵ ہے ۱۰۵ نہیں۔

مولانا محمد علی : وارنٹ میں تو ۱۰۵ درج تھی۔

مجسٹریٹ : ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر سمارٹ سے غلطی ہو گئی ہوگی۔

مولانا محمد علی : اس غلطی کی پاداش میں مسٹر سمارٹ کو تو پھانسی نہیں ملے گی، پھانسی تو مجھ ہی کو ملے گی۔

مجسٹریٹ : مجھ کو آپ کے بیان پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ بہت طویل ہے جتنا آپ اس کو مختصر کر سکیں کر دیں۔

مولانا محمد علی صاحب نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جون ۱۹۲۰ء میں مرکزی خلافت کمیٹی نے احکامِ اسلام کی متابعت اور چند متقدر غیر مسلم ہمدردان کے مشورہ سے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جس سے یہ اُمید بندھی کہ گورنمنٹ کے رویہ کے خلاف اعلانِ جنگ یا غیر ممالک میں ہجرت کے بغیر ہی ہم جلد آزاد

ہو جائیں گے۔

مجسٹریٹ : بیان بہت طویل ہے۔ میں پندرہ بیس صفحہ تو لکھ چکا ہوں، اب کتنا باقی ہے۔

مولینا محمد علی : میں اپنے نوٹوں کے چھٹے صفحہ پر ہوں اور یہ کُل بیس صفحہ ہیں لیکن ان باقی چودہ میں سے بھی کچھ لکھوا چکا ہوں۔

مجسٹریٹ : آپ اگر باقی لکھ کر داخل کر دیں تو بہتر ہے میں مسل کیساتھ شامل کردونگا۔

مولینا محمد علی : میرے پاس ٹائپ کرنے والا بھیج دیا جائے تو میں اس کو لکھوا دوں گا۔

مجسٹریٹ : میں آپ کے پاس جیل خانہ میں ٹائپ کرنے والا بھیج دوں گا

مولٰینا محمد علی صاحب کا بقیہ بیان جو انہوں نے یکم اکتوبر ۱۹۲۱ء کو عدالت میں تحریراً داخل کیا

(از زمیندار ۷ ر اکتوبر ۱۹۲۱ء)

"تین جون ۱۹۲۰ء میں مرکزی مجلسِ خلافت نے احکامِ اسلام کی متابعت اور دیگر مذاہب کے رہنماؤں اور اپنے ہم وطنوں کے مشورہ سے ایسا طریقِ عمل وضع کیا جس سے مسلمانوں کو اُمید ہو گئی کہ حکومت سے آمادۂ پیکار ہونے یا ہجرت کرنے کے بغیر ہی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ انہوں نے یہ تہیّہ کیا کہ پہلے تو حکومت سے ترکِ موالات کریں اور چونکہ اس طریقِ عمل سے نظامِ حکومت میں تزلزل پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حکومت کے اس طرزِ عمل کے ممد و معاون نہ ہونگے جو اس نے خلافت اور اسلام کے خلاف اختیار کر رکھا ہے۔ نان کواپریشن کے طریقِ عمل کی بنیاد مشہور و معروف اسلامی حکم "ترکِ موالات" پر ہے۔ اس اسلامی حکم کے لئے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار معتبر و صحیح احادیث کا تو ذکر ہی کیا قرآن کریم میں بھی بہت سے صریح احکام موجود ہیں۔ اس جگہ میں قرآن پاک کی چند آیاتِ پاک درج کرتا ہوں۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

(ترجمہ از زمیندار) مسلمانو! اگر تم ہماری راہ میں جہاد کرنے اور ہماری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے نکلے ہو تو ہمارے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ لگو ان کی طرف دوستی کے پیام دوڑانے حالانکہ تمہارے پاس

رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ
جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا
أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَ
مَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ
ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○ إِنْ
يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً
وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا
لَوْ تَكْفُرُونَ ○ لَنْ تَنْفَعَكُمْ
أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○
قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ
مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا
بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ
وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا
حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ
إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ

جو دینِ حق آیا [illegible] وہ اس سے ا[illegible]ی
کر چکے ہیں۔ وہ تو صرف اتنی سی بات
پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو
رسول کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے
ہیں۔ تم چپکے چپکے ان کی طرف دوستی کے
پیغام دوڑا رہے ہو اور جو کچھ تم چھپا
کر کرتے ہو اور جو ظاہر طور پر کرتے
ہو، ہم خوب جانتے ہیں۔ جو تم میں سے
ایسا کرے تو وہ سیدھے راستے سے
بھٹک گیا۔ یہ کافر تم پر اگر قابو پا جائیں
تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور ہاتھ
اور زبان سے برائی کرنے میں کوتاہی نہ
کریں اور ان کی تمنا یہ ہے کہ کاش تم
کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری
رشتہ داریاں ہی تمہارے کام آئیں گی
اور نہ تمہاری اولاد ہی۔ اس دن خدا
ہی حق و باطل کا فیصلہ کرے گا اور جو
کچھ تم کر رہے ہو، خدا اس کو دیکھ رہا
ہے۔ مسلمانو! ابراہیم اور جو لوگ ان
کے ساتھ تھے تمہارے لئے ان کا ایک
اچھا نمونہ ہو گزرا ہے جبکہ انہوں نے
اپنی قوم سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے
ان معبودوں سے جن کی تم خدا کے سوا

لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ
لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ
اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا
رَبَّنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ ع عَسَى
اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ
مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ
لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا
اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ
اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

پرستش کرتے ہو کچھ سروکار نہیں۔ ہم تم
کو بالکل نہیں مانتے۔ ہم میں اور تم میں
کھلم کھلا عداوت اور دشمنی ہو گئی ہے
اور یہ دشمنی ہمیشہ کے لئے ہے جبتک تم
ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ۔ مگر ابراہیم نے
اپنے باپ سے اتنی بات کہی کہ میں تمہارے
لئے ضرور مغفرت کی دعا کروں گا اور تو
تمہارے لئے خدا کے آگے میرا کچھ زور چلتا
نہیں۔ دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار
ہم تجھی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری ہی
طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف
ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے پروردگار
ہم کو کافروں کے زور وظلم کا تختہ مشق
نہ بنا۔ اور اے ہمارے پروردگار ہمارے
گناہ معاف کر۔ بیشک تو زبردست
حکمت والا ہے۔ مسلمانو! تم میں جو کوئی
خدا اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اس
کے لئے ان لوگوں کا ایک اچھا نمونہ ہو
گذرا ہے۔ اور جو روگردانی کرے گا تو
اللہ بے نیاز ہے۔ عجب نہیں کہ تم میں
اور کافروں سے جن سے تمہاری دشمنی
ہے ان میں دوستی پیدا کرے اللہ
قادر ہے اور بخشنے والا مہربان ہے۔ جو

فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ○

(سورۃ الممتحنہ)

لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تمہیں منع نہیں کرتا۔ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے میں مدد دی، اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا وہی ظالموں میں سے ہے۔ اے ایمان والو! ان لوگوں سے جن پر خدا کا غضب ہے دوستی نہ کرو۔ کیونکہ یہ لوگ آخرت کی طرف سے ایسے ناامید ہیں، جیسے کافر قبر والوں کی طرف سے ناامید ہیں۔

میں یہ ضرور ذکر کردوں کہ یہ آیاتِ پاک اس وقت نازل ہوئیں جب فتح مکّہ کے دن پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطب بن ابی بلطعہ نے ایک خط کے ذریعے جو دوسروں کے ہاتھ چڑھ گیا تھا، مکّہ کے کفار کو خبر کی تھی کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ اور یہ کام انہوں نے محض اس لئے کیا تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے خاندان پر جو اس وقت تک مکّہ ہی میں تھا، کفار سختی نہ کریں۔ ان آیات میں مسلمانوں کے مشرکوں اور محارب کفار سے تعلقات کے متعلق حکم دیا گیا ہے اور اس میں حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حرم پاک رسول مقبول کی ہمشیرہ کے طریقِ عمل کا حوالہ دیا گیا جنہوں نے اپنی والدہ سے جو ایمان نہیں لائی تھیں، تعلقات قطع کرنے میں یہاں تک کمال کیا تھا کہ صرف ان کے لاتے ہوئے تحائف لینے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ انہیں

گھر تک میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ان دونوں واقعات سے کسی مسلمان کے مشرک کے ساتھ تعلقات کی مکمل تصریح ہو جاتی ہے اور مشرکوں سے تعلقات بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں سے ان کے مذہب کے لئے لڑائی کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔ اور جنہوں نے نہ ان کو گھروں سے نکالا اور نہ ان سے جنگ کی کیونکہ حکومت برطانیہ بیّن طور پر پہلے لوگوں کی فہرست میں آجاتی ہے۔ اس لئے مسلمان کیلئے اس سے موالات یا دوستانہ تعلقات قائم رکھنے ممکن ہی نہیں ہیں۔

میں اس موضوع پر چند اور آیات پیش کروں گا جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر یہی حکم موجود ہے۔ سورہ مجادلہ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○	(ترجمہ از اخبار زمیندار) کیا تم نے ان پر نظر نہیں کی جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی جن پر غضب ہے یہ لوگ نہ تم ہی میں ہیں نہ انہی میں ہیں اور باوجودیکہ وہ جانتے ہیں جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ ان کے لئے خدا نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ بُرا کرتے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور لوگوں کو خدا سے روکتے رہتے ہیں ان کے لئے ذلّت کا عذاب ہے۔ اللہ کے ہاں ان کے مال نہ ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ انکی اولاد یہ دوزخی لوگ ہیں کہ ہمیشہ ہی دوزخ

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ط اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ○ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ○ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

میں رہیں گے اور جس دن اللہ ان سب کو اُٹھائے گا یہ اس کے آگے بھی قسمیں کھائیں گے جیسے تم مسلمانوں کے آگے قسمیں کھایا کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ خوب کر رہے ہیں سُنو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں شیطان ان پر غالب آگیا ہے اور اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی ہے۔ یہ شیطانی گروہ ہے۔ سُنو شیطانی گروہ ہی برباد ہوگا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں۔ وہی ذلیل ترین لوگوں میں ہوں گے۔ خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کو تو تم نہ دیکھو گے کہ خدا اور رسول کے مخالفوں کے ساتھ دوستی رکھیں، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے ہی کے ہوں۔ اور یہی ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا نقش بٹھا دیا ہے اور اپنے فیضانِ غیبی سے

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (المجادلہ)

ان کی تائید کی ہے اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہ خدائی گروہ ہے اور در حقیقت خدائی گروہ ہی فلاح پائے گا۔

ان آیاتِ پاک کو مدّنظر رکھتے ہوئے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک حقیقی مسلم کے لئے ان لوگوں سے موالات یا ترکِ موالات میں کسی قسم کا شک و شبہ ہی نہیں رہتا جو خدا اور اس کے رسول کے خلاف آمادہ پیکار ہیں۔ سورہ آلِ عمران میں حسبِ ذیل آیات موجود ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ

(ترجمہ از اخبار زمیندار) اے پیغمبر! دعا مانگ کہ اے ہمارے خدا ملک کے مالک تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے تو جسے چاہے عزّت دے اور جس کو چاہے ذلّت دے۔ خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں شامل کر دے اور دن کو رات میں شامل کر دے۔ اور تو بے جان سے جان دار اور جان دار سے بے جان نکالے جس کو چاہے بے حساب روزی دے مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو

أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ
مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ
اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَيَعْلَمُ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
مُّحْضَرًا ج وَّمَا عَمِلَتْ
مِنْ سُوْٓءٍ ج تَوَدُّ لَوْ اَنَّ
بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا
بَعِيْدًا ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
نَفْسَهٗ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ
بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ
تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ

چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست
نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس
کا اللہ سے کوئی سروکار نہیں مگر
کسی طرح پر اُن سے بچنا چاہیئے اور
اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور
اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ کہہ دو کہ
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے
چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ اللہ کو تو
معلوم ہو ہی جائے گا۔ وہ جو کچھ
آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے
جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر
ہے۔ اور وہ دن یاد کرو جب کہ
ہر شخص جو کچھ بھلائی کر گیا ہے اس
کو موجود پائے گا اور جو کچھ بُرائی
کر گیا ہے اس کو بھی موجود پائے گا
اور آرزو کرے گا کہ اے کاش اُس
دن میں اور اس دن میں زمانہ دراز
حائل ہوتا۔ اور اللہ تم کو اپنے سے
ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر حد درجے
کی شفقت رکھتا ہے۔ اے پیغمبر
ان لوگوں سے کہہ دو، اگر تم اللہ کو
دوست رکھتے ہو تو میری پیروی
کرو کہ اللہ تم کو دوست رکھے اور

وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○
(آل عمران - ع ۳، ۴)

تمہارے گناہ معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان سے کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں، پھر اگر نہ مانیں تو اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

اے پیغمبر ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب احکامِ الٰہی سے کیوں منکر ہوتے ہو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، اللہ اس کا شاہد حال ہے۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب دیدہ و دانستہ اللہ کے راستے میں کجی نکال نکال کر ایمان لانے والوں کو اس سے کیوں روکتے ہو، اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔ مسلمانو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی فرقے کا کہا مانو گے تو تمہارے ایمان لائے پیچھے تم کو پھر کافر بنا چھوڑیں گے اور تم کیسے کفر کرنے لگو گے حالانکہ اللہ کی آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور اس کے رسول تم میں موجود ہیں اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو وہ سیدھے رستے پر ہے۔ مسلمانو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ
جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ
بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْبَيِّنٰتُ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ يَّوْمَ
تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ
وُجُوْهٌ ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا

ہی پر مرنا۔ اور سب مل کر مضبوطی
سے اللہ کے دین کی رسّی کو پکڑے رہو
اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔
اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب
تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر
اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا
کی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی
ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے پر آگئے
تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا
اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام
کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ
تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں
ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو
نیک کاموں کی طرف بُلائے اور اچھے
کام کرنے کو کہے، اور بُرے کاموں
سے منع کرے، اور آخرت میں ایسے
ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے اور
ان جیسے نہ بنو جو ایک دوسرے سے
بچھڑ گئے اور ان کے پاس کھلے کھلے
احکام آگئے پیچھے لگے آپس میں اختلاف
کرنے، اور یہی ہیں جن کو آخرت
میں بڑا عذاب ہوگا جس دن بعض
لوگوں کے منہ سفید ہوں گے اور

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ (آل عمران ع ۱۱)

اور بعض کے منہ سیاہ۔ تو جو لوگ رُوسیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے تھے تو اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو۔ اور جو سفید رُو ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ واقعی اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سب اُمور کی رسائی خدا ہی کی طرف ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ج وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

مسلمانو! اپنے لوگ چھوڑ کر کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ کہ یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کچھ اُٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی ان باتوں سے ظاہر ہو چکی ہے، جو ان کے دلوں میں ہیں وہ بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دی ہیں۔ اگر تم کو عقل ہے سنو۔ تم کچھ ایسے لوگ ہو کہ تم تو ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا
عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ
مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اِنْ
تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز
وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ
يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطٌ ○ (آل عمران ع ۱۲)

اور تم خدا کی ساری باتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں، کہ ہم بھی ایمان لائے۔ لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصے کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ کہہ دو کہ تم اپنے غصے میں جل مرو۔ جو کچھ دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے۔ اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو گزند پہنچے تو اس سے یہ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اطمینان رکھو کہ ان کے فریب سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ کے احاطہ میں ہے۔

ان آیات میں خاص طور پر اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں نہ زور کی کمی ہے نہ وضاحت کی، اور نہ ان کے دلائل کی تردید ہو سکتی ہے۔ میں صرف ایک آیت اور بیان کروں گا جس میں خاص طور سے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى
اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ بھی ان ہی میں سے

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ
يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ
تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ط فَعَسَى
اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ
اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا
عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَ
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لا
اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ط حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ
يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ
فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ
يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ لا
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ
لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

ہے۔ خدا ہرگز ظالموں کو ہدایت
نہیں کرتا۔ تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے
دلوں میں کھوٹ (مرض) ہے وہ دوڑ
کر یہ کہتے ہوئے ان سے مل جائیں گے
کہ ہم کو ڈر ہے، کہیں ہم پر کوئی
مصیبت نہ آجائے۔ لیکن شاید
قریب ہے کہ اللہ (تم کو) فتح دے
یا اپنا حکم جاری کرے اور وہ ان
خیالات پر جو انہوں نے اپنے دلوں
میں چھپا رکھے ہیں پشیمان ہو کر
رہ جائیں۔ اُس وقت مسلمان
کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہیں جنہوں
نے بہت زور سے قسمیں کھائی تھیں
کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے
اعمال رائگاں گئے اور یہ نقصان
میں رہیں گے اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی
اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ تعالیٰ ایسی
قوم پیدا کر دیگا جس سے اس کو (اللہ کو) محبت
ہوگی اور جن کو اس سے (اللہ سے) محبت
ہوگی۔ جو مسلمانوں کے لئے نرم، اور
کافروں کے لئے سخت ہوں گے اللہ
کے راستہ میں جہاد کریں گے اور
ملامت کرنے والوں کی ملامت کا

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ إِنَّمَا
وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ○
وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ
اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ○
يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا
دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا
مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ج
وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِينَ ○ وَإِذَا نَادَيْتُمْ
إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا
هُزُوًا وَّلَعِبًا ط ذٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ○
قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ
تَنْقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ
آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ
إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ

خوف نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اللہ بہت بڑا جاننے والا ہے۔ تمہارا دوست اللہ، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں (یعنی مسلمان) جو نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں، اور جو لوگ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھیں گے، وہی اللہ کے گروہ میں داخل ہوں گے اور اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا اے ایمان والو! ان اہل کتاب سے یا کفار سے دوستی نہ کرو جو تمہارے دین کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ بلکہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔ ان لوگوں سے بھی دوستی نہ کرو، جو اذانوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں جن سے تم لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہو۔ یہ لوگ اس وجہ سے ایسا کہتے ہیں کہ ان کو عقل نہیں ہے۔ تم کہہ دو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اے کتاب والو! کیا تم ہم سے اس لئے بیر رکھتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ

قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ
فٰسِقُوْنَ ○ قُلْ هَلْ
اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ
مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط مَنْ
لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ
الْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ
اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○
وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ
هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ط
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا
يَكْتُمُوْنَ ○ وَتَرٰى كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى
الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ○ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ
الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ
قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ○ (المائدہ ع ۹)

ہماری طرف نازل ہوا ہے اُس پر،
اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا
ہے اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور
تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ کہہ دو
(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کیا
میں تم کو بتاؤں کہ ان میں سے اللہ
کے یہاں کس کے لئے بدترین ٹھکانہ
ہے ان لوگوں کے لئے ہے جن پر
اللہ نے لعنت بھیجی ہے، غصہ کیا ہے
بندر اور سور بنا دیا ہے۔ اور جو
شیطان (طاغوت) کی غلامی (خدمت
عبادت) کرتے ہیں انہی لوگوں کے
لئے بدترین ٹھکانہ ہے اور یہی لوگ
ہیں جو سیدھے راستے سے بہت بھٹک
گئے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ تمہارے
پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم
ایمان لے آئے ہیں حالانکہ کفر ہی
لےکر آئے تھے اور کفر ہی کی حالت
میں جائیں گے۔ جو کچھ یہ چھپاتے
ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے اور
تم دیکھو گے کہ ان میں سے اکثر لوگ
سرکشی اور حرام کی کمائی کھانے کیلئے
دوڑتے ہیں۔ جو کچھ یہ کرتے ہیں بہت برا کرتے ہیں۔ اگر ان کے عالم اور

فاضل ان کو گناہ کے کلمات کہنے اور حرام کی کمائی کھانے سے نہ روکتے تو یہ بہت ہی بداعمالیاں کر بیٹھتے۔

حدیث شریف کا تو ذکر ہی کیا ہے خود قرآن مجید میں مذکورہ بالا آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں جن میں سے ہر آیۂ کریمہ مسلمانوں کے لئے ان غیر مسلموں سے جو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور خدا اور رسول کا مقابلہ کرتے ہیں، اعانت اور امداد کے تعلقات تو جُدا رہے، دوستی اور شفقت کے علائق رکھنے بھی ممنوع قرار دیتی ہے۔ اور ان آیتوں میں ایسا کرنے والوں کیلئے اللہ کے غضب اور دوزخ کے شدید ترین عذاب کا ذکر ہے۔ اس وقت بھی بعینہٖ یہی مسئلہ درپیش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں اسلام کا قانون اسقدر محکم ہے کہ خود مسلمانوں کو بھی آپس میں بُرائی پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔	نیکی اور خداترسی میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن بُرائی اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

جبکہ خود مسلمانوں کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی امداد کرنے کی مذکورۂ بالا حدود قائم کر دی گئی ہیں تو یہ کس طرح فرض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں ان کفار کے ساتھ اعانت اور امداد کے تعلقات جائز ہوں گے جو گورنمنٹ کی طرح اسلام اور محافظینِ اسلام کے خلاف جنگ کریں اور پھر امداد بھی وہ جو مسلمانوں ہی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے طلب کی جائے؟

اس سے پیشتر کہ ہندوستان میں خلافت کانفرنس کراچی کا خیال بھی کسی کے دماغ میں آئے، کئی مہینے قبل ہندوستان کے پانچ سو مقتدر علماء ایک فتویٰ صادر فرما چکے تھے۔

لیکن جب مہاتما گاندھی کے اصرار پر وائسرائے کو مہاتما گاندھی کے ساتھ اپنی

ملاقات کا حال شائع کرنا پڑا اور اس طرح گورنمنٹ کو اپنی شرمناک سعی میں ذلت اور ناکامی برداشت کرنی پڑی جو اس نے عدم تشدد کے متعلق ہمارے بیان کو توڑ مروڑ کر اصول پُرامن ترکِ موالات سے انحراف اور گرفتاری کے خوف سے ذلت آمیز مغلوبیت ثابت کرنے کے لئے کی تھی تو دفعتہً گورنمنٹ نے خلافت کانفرنس کراچی کے اس ریزولیوشن میں جس کا تعلق انگوراسے ہے ضمناً فوج کا ذکر آتے ہی یہ ظاہر کر کے کہ یہ ریزولیوشن لارڈ ریڈنگ اور مہاتما گاندھی کی ملاقات کے بعد وجود میں آیا ہے اس کو آدبایا اور بوالعجبی تو دیکھو کہ علماء کے فتوے کو بھی بحق ملکِ معظم ضبط کر لیا جس کی پچاس ۵۰ ہزار کے قریب کاپیاں مختلف مقامی اور صوبہ کمیٹیاں تمام ہندوستان میں تقسیم کر چکی تھیں اور خود مرکزی کمیٹی بھی اس کے علاوہ اس فتوئی کی بہت کچھ اشاعت کر چکی تھی میں عرض کرتا ہوں کہ بیسویں صدی میں ان چال بازیوں سے ۳۲ کروڑ نفوس پر حکومت نہیں ہوسکتی۔

پانچ سو علماء کا یہ فتوئی کس قسم کے احکام پر مبنی ہے ؟ یہ فتوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند اور متعدد و متواتر احادیث اور آیاتِ قرآنی کے مطابق صادر کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ ان آیات اور احادیث کو بیان کر دوں اور خود نہ کسی قسم کے دلائل دوں اور نہ توضیح کروں۔ یہ خود اس قدر واضح ہیں کہ محتاجِ تشریح و توضیح نہیں۔

ذیل میں قرآن شریف کی چھ آیات درج ہیں :

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً (سورۂ نساء)
مسلمان کو نہیں چاہیئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے۔

اس ہی آیت میں غلطی سے مسلمان کو قتل کرنے کی شدید سزا بھی مذکور ہے۔

(۲) وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
جو شخص مسلمان کو عمداً قتل کرے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اللہ کا اس پر غضب ہوگا

وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا
عَظِيْمًا ○ (سورہ نساء)

(۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ
بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَ
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ
وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَکُمْ ط اِنَّ
اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ○
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا
وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ
نَارًا ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی
اللّٰهِ یَسِیْرًا ○ اِنْ تَجْتَنِبُوْا
کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ
نُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ○

(سورہ نساء ع ۵)

اور اللہ کی لعنت ہوگی اور اس کیلئے
بہت بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے۔
اے ایمان والو! تم ایک دوسرے
کا مال دھوکے سے نہ کھاؤ۔ ماسوا اس
کے کہ آپس میں خوشنودی کے
ساتھ تجارت ہو۔ اور اپنے میں سے
کسی کو قتل نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تم پر
بہت مہربان ہے۔ جو شخص سرکشی
اور ظلم سے ایسا کرے گا، ہم اس کو
عنقریب آگ میں جھونک دیں گے
یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ اگر
تم ممنوعہ کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے
گناہوں کو دھو دیں گے اور تم کو
عزت کے ساتھ جنت میں داخل
کریں گے۔

(۴) قتل کے سب سے پہلے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جب کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، قرآن شریف میں لکھا ہے کہ:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی
بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهُ مَنْ
قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ
فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل پر حکم
نازل کیا کہ جو شخص کسی شخص کو بغیر خون
کے عوض یا ملک میں فساد برپا کئے
ہوئے قتل کرے گا گویا اس نے تمام
دنیا کے انسانوں کو قتل کیا اور جو شخص

أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط (المائدہ ع ۵)

کسی ایک شخص کی جان بچائے گا گویا اُس نے تمام دنیا کے انسانوں کو زندہ کیا۔

اس قتل کے وقت ہابیل نے قابیل سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر تو مجھ کو قتل کرنے کے لئے بھی ہاتھ بڑھائے گا تو میں اللہ سے ڈروں گا جو تمام دنیا کا حاکم ہے۔ یہی اصول مسلمانوں کو برتنے کی ہدایت کی گئی ہے اور آج اس پر عمل کا وقت ہے۔

(۵) وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ج وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ○ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ○ (الفرقان ع ۶)

وہ لوگ جن پہ اللہ کا فضل ہے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا نام نہیں لیتے اور نہ کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا جہنم کے اس طبقہ میں ڈالا جائے گا جس کا نام اثاما ہے قیامت کے روز اس پر دوگنا عذاب ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں ذلیل رہے گا۔

(۶) لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ (سورہ بنی اسرائیل)

کسی جان کو بغیر حق شرعی کے قتل نہ کرو، جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اگر ہم احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں تو اس قدر بے شمار مستند اور صاف اور صریح احادیث ملتی ہیں کہ ان کا انتخاب دشوار ہو جاتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا کہ کس کا ذکر کیا جائے اور کس کو چھوڑ دیا جائے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تاہم میں سعی کر کے ذیل میں منتخب احادیث درج کرتا ہوں۔

میرے خیال میں یہی کافی ہوں گی۔ پہلی حدیث میں تشریح کی گئی ہے کہ جس "حقِ شرعی" کی بنا پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر سکتا ہے وہ "حقِ شرعی" کیا ہے۔

(۱) لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس و زنا بعد احصان والتارك لدينه المفارق للجماعة۔

کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے سوائے تین صورتوں کے۔ ۱: جان کے بدلے یعنی قتل کی سزا میں۔ ۲: نکاح کے بعد زنا کرنے کی وجہ سے۔ ۳: دین کو چھوڑنے جماعت سے علیحدہ ہونے یعنی مرتد ہونے کی وجہ سے

اس حدیث شریف کو صحیح بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۲) المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ (بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی وغیرہ)۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۳) سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

(بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(۴) من حمل السلاح علینا فلیس منا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود)۔

جس شخص نے ہم پر (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ مسلمان نہیں رہا)۔

(۵) لو ان اهل السموات والارضين اشتركوا في قتل رجل مسلم لاكبهم الله في النار۔ (ترمذی، بیہقی، طبرانی)۔

اگر تمام آسمان اور زمینوں کے بسنے والے ایک مسلمان کے قتل کرنے میں شریک ہو جائیں، تو اللہ تعالٰی ان سب کو جہنم کی آگ میں جھونک دے۔

(۶) من اعان فی قتل

جو شخص ایک مسلمان کے قتل میں آدھے لفظ

مسلم لبشطر کلمة لقی اللہ مکتوب بین عینیہ ائس من رحمة اللہ۔ — سے بھی مدد کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر "اللہ کی رحمت سے محروم" لکھا ہو گا یعنی اللہ کی وسیع رحمت میں سے اس کو کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ (ابن ماجہ۔ بیہقی۔ اصبہانی)۔

(۷) قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا۔ — مسلمان کا قتل اللہ کے نزدیک تمام دنیا کی تباہی سے بڑھ کر ہے۔ (نسائی۔ بیہقی)۔

(۸) لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم۔ — تمام دنیا کی بربادی اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں ہلکی بات ہے۔ (مسلم۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۹) کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا الرجل یموت کافرا او الرجل یقتل مومنا متعمدا۔ — امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے، سوائے اس شخص کے جو کافر مرے یا جو عمداً مسلمان کو قتل کرے۔ (ابوداؤد۔ ابنِ حبان۔ نسائی۔ حاکم)

(۱۰) من قتل مؤمنا فاغلبط بقتلہ لم یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔ (ابوداؤد) — جو شخص کسی مسلمان کو بغیر حق و ناحق کی تمیز کے قتل کرے گا، اللہ تعالیٰ نہ اس کے فرائض قبول کرے گا نہ نوافل۔

(۱۱) کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ۔ — ہر مسلمان کی جان، آبرو اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ (مسلم)

(۱۲) لجھنم سبعة ابواب باب منھا لمن سل السیف علی امتی۔ (ترمذی) — دوزخ کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک ان لوگوں کے لئے ہے جو میری اُمت پر تلوار اٹھائیں۔

(۱۳) الکبائر الاشتراک و عقوق الوالدین و قتل — کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ۱: شرک۔ ۲: والدین کی نافرمانی۔ ۳: محترم جان کو قتل کرنا۔

النفس الیمین الغموس۔

۴: جھوٹی قسم۔ (بیہقی۔ مسلم وغیرہ)

(۱۴) من استطاع منکم ان یحول بینه و بین الجنة مل کف من دم امرء مسلم ان یھریقه کما ذبح دجاجة کلما تعرض لباب من ابواب الجنة حال الله بینه وبینه فلیفعل۔ (طبرانی۔ بیہقی)

جو شخص چاہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان مسلمان کا ہتھیلی بھر خون جتنا مرغی کے ذبح کرنے کے وقت بہتا ہے حائل ہو جائے تو وہ ایسا کرے کیونکہ جس وقت ایسا شخص جنت کے کسی دروازے کے سامنے جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اور اس دروازہ کے درمیان حائل ہو جائے گا۔

(۱۵) من خرج علیٰ امتی بسیفه یضرب برھا و فاجرھا ولا یتحاشی من مومنھا ولا یفی الذی عھد عھدہ فلیس منی و لست منه۔ (مسلم)

جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلے اور نیک و بد کو قتل کرے۔ نہ مسلمان کو چھوڑے نہ ان لوگوں کا عہد پورا کرے جن سے عہد کیا گیا ہے تو نہ اس کو مجھ سے کچھ تعلق ہے اور نہ مجھ کو اس سے کچھ علاقہ ہے یعنی نہ وہ مسلمان ہے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی تعلق ہے۔

(۱۶) اذا التقی مسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار قالوا یا رسول الله ھذا القاتل فما بال المقتول قال انه کان یرید قتل صاحبه۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی وغیرہ)

جس وقت دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قاتل کے جہنم میں جانے کی وجہ تو ظاہر ہے لیکن مقتول کس جرم میں آگ میں ڈالا جائے گا۔ فرمایا۔ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

میں صرف دو حدیثیں اور بیان کروں گا جن کو میں نے خاص زور دینے کی

غرض سے اب تک بیان نہیں کیا تھا۔ ابنِ ماجہ میں رئیس المحدثین حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے ذیل کی حدیث مروی ہے۔

عن ابن عمر قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة و يقول ما اطيبك و ما اطيب ريحك ما اعظمك وما اعظم حرمتك والذى نفس محمدٌ بيده لحرمة المؤمن عند الله اعظم من حرمتك وماله و دمه۔	حضرت ابنِ عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ تو کیسا خوشگوار ہے۔ تیری ہوا کیسی خوش گوار ہے۔ تیری عظمت کتنی بڑی ہے۔ تیری عزت کتنی بڑی ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اللہ کے نزدیک مسلمان کی جان اور مال کی عزّت تیری عزت سے زیادہ ہے۔

لیکن پھر بھی یہ کافر گورنمنٹ مسلمانوں کی جان اور کعبہ دونوں کی بے حرمتی کرنے کے بعد اب ان چھ مسلمانوں اور ایک مسلّمہ مقدس ہندو کے خلاف اس وجہ سے مقدمہ چلا رہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو مسلمانوں کی جان اور مال کا احترام کرنے کی دعوت دی تھی جو سب سے زیادہ مقدس چیز یعنی کعبہ سے بھی زیادہ مقدس اور محترم ہے۔

آخری حدیث جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں اسی مسئلہ پر آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری ارشاد ہے۔ وفات سے تین مہینے پیشتر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن پر سلسلۂ وحیِ الٰہی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، آخری حج کے لئے مکّہ تشریف لے گئے تو آپ کی ہمراہی میں ایک لاکھ چھتر ہزار آدمی تھے۔ حج کے دن اس مجمع سے خطاب کرتے ہوئے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ لوگوں نے

یہ سمجھ کر کہ خود حضور اقدس اس سے ناواقف نہیں ہیں بلکہ اس موقعہ کی اہمیت پر زور دینا چاہتے ہیں، عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں پھر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے۔ اس کا بھی انہوں نے وہی جواب دیا۔ آخر میں حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے۔ انہوں نے اس کا بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ پھر حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ تمام کتب حدیث و تاریخ و سیر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الا ان دمائکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا الا لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔	یعنی خبردار! جس طرح آج کے دن اس شہر اور اس مہینے کی حرمت ہے اسی طرح تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کبھی ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

آج تک یہ گورنمنٹ مسلمان سپاہیوں کو برابر اسی کفر کی طرف بلا رہی ہے، جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت تک منع فرمایا ہے اور جس وقت ہم ان سپاہیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آخری وصیت جو انہوں نے ایسے سنجیدہ اور اہم موقعہ پر کی تھی، یاد دلاتے ہیں تو یہ گورنمنٹ جو چاہتی ہے کہ جزیرۃ العرب سے غیر مسلم اقتدار کو دور کرنے کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کو نظر انداز کر دیں، ہم کو ماخوذ کرتی ہے اور ہم پر مقدمہ چلاتی ہے اور ان اعلانات کو پس پشت ڈال دیتی ہے جو تمام برطانوی حکمران کرتے چلے آئے ہیں اور جن میں ان حکمرانوں نے ہم پر اپنے عقائد عائد کرنے کے حق اور خواہش دونوں سے انکار کیا ہے۔

میں صرف ایک امر اور بیان کروں گا جس سے اس اسلامی مسئلہ کی اہمیت

سب کے دل نشین ہو جائے گی۔ غدر کی ابتدا، چکنے کارتوسوں سے ہوئی تھی۔ جن میں گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کا گمان تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی ملکہ نے اعلان شائع کرایا تھا۔ لیکن میں نہایت مستند نصوص کی بنا پر بیان کرتا ہوں کہ اسلامی شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی موت کی دھمکی دے اور کہے کہ سور کا گوشت کھاؤ ورنہ قتل کر دوں گا تو ایسی صورت میں نہ صرف مسلمان کو انکار ہی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اگر اس نے انکار کر دیا اور قتل ہوا تو گناہ گار مریگا۔ برخلاف اس کے اگر کسی مسلمان کو دھمکی دی جائے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر، ورنہ تجھ کو قتل کر دیا جائے گا، تو اس کو ایسا کرنے سے قطعی انکار کر دینا چاہیئے، چاہے خود ہی کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔ پھر بھی یہ گورنمنٹ جو یہاں تک نرم دلی کا اظہار کرتی ہے کہ بھرتی سے پہلے سپاہیوں سے یہ دریافت کر لیتی ہے کہ ان کو ٹیکہ لگوانے پر تو کوئی اعتراض نہ ہوگا، آج مسلمانوں کو ایسا فعل کرنے پر مجبور کرنا چاہتی ہے جو مرتد ہو جانے اور سور کھا لینے سے بھی بدتر ہے۔ اگر مذہبی معاملات میں غیر جانب داری برتنے اور تحمل سے کام لینے کی شیخی کی کچھ قیمت ہے اور اگر برطانیہ کے تمین حکمرانوں کے متواتر اعلانات کی کچھ قدر ہے تو حالتِ موجودہ میں مسلمان فوجی سپاہیوں کو فوج سے علیحدہ ہونے کی دعوت دے کر ہم نے ایک مذہبی اور قانونی فرض انجام دیا ہے اور ایسا کرنے میں ہم نے نہ خدا کا گناہ کیا ہے اور نہ ہم کسی قانونی جُرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

دستخط : محمد علی

خادمِ کعبہ

بیان تقریری جناب مولوی حسین احمد صاحب دیوبندی مہاجر مدنی

ملزم ۲

بعدالت سٹی مجسٹریٹ کراچی مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء

سوال منجانب عدالت : مولوی احمد حسین صاحب آپ کانفرنس میں موجود تھے؟

جواب : میں اپنے بیان میں سب کچھ عرض کر دوں گا۔

سوال : آپ نے گذشتہ کانفرنس میں تقریر کی تھی ؟

جواب : اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے سوال کا تھا۔

سوال : کانفرنس میں کوئی اس قسم کی تجویز پاس ہوئی تھی جس کا تعلق فوج سے ہو؟

جواب : وہی اس کا جواب ہے جو پہلے سوالات کا ہے۔

سوال : آپ کو گواہوں کے متعلق کچھ کہنا ہے ؟

جواب : اس کا بھی وہی جواب ہے۔

بیان

میں سب سے پہلے اپنے محترم دوست مسٹر محمد علی کے بیان کی موافقت کرتا ہوا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ یہ مسئلہ مذہبی ہے اس واسطے اس میں خاص طور سے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ ہندوستان کے پہلے زمانہ کے تاریخی واقعات جو آج تک ہوئے ہیں ان کی تفصیل میں آگے اپنے تحریری بیان میں دوں گا۔ وہ دکھا رہے ہیں، کہ ہندوستان ایک مذہب پرست ملک ہے۔ یہاں کے باشندے مذہبی تعصب میں دوسرے ملکوں سے بہت آگے بڑھے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی حکومت کے لئے مذاہب

کی رعایت کرنی بہت ضروری سمجھی گئی ہے۔ مدبرین برطانیہ اور ملکہ وکٹوریہ نے اس راز کو سمجھا اور یقیناً جان لیا کہ ہندوستان میں امن و امان قائم کرنا مذہبی آزادی پر مبنی ہے۔ اسی لئے ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے وہ اعلان شائع کیا گیا جس کا حوالہ مسٹر محمد علی نے دیا ہے اور جس میں مذہبی آزادی پورے پورے طور سے تسلیم کی گئی ہے اور اس میں کسی قسم کی مداخلت کسی وقت بھی جائز نہیں رکھی گئی ہے۔ اس میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ کسی مذہبی کام کرنے والے کو ستایا نہ جائے گا۔ اسی وجہ سے اب تک امن و امان قائم رہا ہے۔ میں اس اعلان کی طرف توجہ دلانے کے بعد اپنی شخصیت کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ میں دو ۲ حیثیتیں رکھتا ہوں۔ میری ایک حیثیت یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں، اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ میں عالم دین ہوں۔

(اس جگہ مجسٹریٹ نے کہا۔ میں تقریر سننا نہیں چاہتا، بیان دیجئے۔ جس کا مولینا صاحب نے جواب دیا کہ میں تقریر نہیں کر رہا ہوں، ریزولیوشن کے متعلق جواب دے رہا ہوں)

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں قرآن مجید کے تمام ٹکڑوں، حرفوں اور کلمات پر ایمان رکھوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ احکام پر یقین رکھوں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر کوئی دنیوی طاقت قرآن مجید کے کسی حرف یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم سے اس کو روکے تو وہ نہ رُکے۔ جبکہ ہر مسلمان کا فرض یہ ہے تو اس کو قرآن کے تمام احکام پر یقین کرنا اور عمل کرنا ضروری ہوگا۔ قرآن شریف میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اس کے متعلق بہت سے ارشادات موجود ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اطاعت کرنا ہر مسلمان پر بادشاہ کی ضروری ہے۔ چاہے خواہش کے موافق ہو یا نہ ہو، جب تک خدا کی نافرمانی کا حکم نہ ہو۔ اور اگر خدا کی نافرمانی حکم ہو تو اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اطاعت کسی کی نہیں، سوائے خدا اور رسول کے حکم کے۔ (بخاری و مسلم)

تیسری حدیث میں ہے کہ کسی مخلوق کی تابعداری اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہونی چاہیئے۔

اسلام کے پہلے زمانہ میں خلفاء کے قصے تاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بڑے بڑے خلفاء سے جب پوچھا جاتا تھا کہ کیا تم مسلمانوں کے بادشاہ ہو تو وہ جواب دیتے تھے کہ ہم اسی وقت تک بادشاہ ہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول کے علم کے موافق حکم دیتے ہیں لیکن جس وقت ہم نے خدا کے حکم کے خلاف حکم دیا، اس وقت بادشاہ نہ سمجھے جائیں گے۔

میری دوسری حیثیت عالم اور مذہب اسلام کے محافظ ہونے کی ہے اور چونکہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر عرصہ دراز یعنی تقریباً دس برس تک مدرسی کر چکا ہوں اس لئے میرے لئے فریضہ علمیہ کی ذمہ داری اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ قرآن شریف میں ہر عالم پر قرآنی احکام کو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ہر شخص تک پہنچا دینا ضروری کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ دوسرے پارے میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا	یعنی جو لوگ ہماری اُتاری ہوئی روشنیوں
مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن	اور ہدایتوں کو ہمارے لوگوں کے لئے
بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي	بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں، اور
الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ	لوگوں سے بیان نہیں کرتے ان پر اللہ
وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (البقرہ-آیۃ ۱۵۹)	اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہے۔

قرآن میں اس قسم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من سئل عن علم علمه	جس سے کوئی علم کی بات دریافت کی

فکتمہ الجم بلجام من النّار۔ | جائے اور وہ اس کو جانتا ہوا چھپائے تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یا تو امر بالمعروف کرو اور بُری بات سے روکو، ورنہ اللہ کا عذاب سب پر نازل ہوگا۔ اس کے علاوہ اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث موجود ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان اور عالم کا فرض ان احکام کو لوگوں تک پہنچانا ہے جو پیغمبروں کا طریقہ تھا اور جو چھٹے پارے میں ذکر کیا گیا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (النساء۔ آیۃ ۱۶۵)

ہم نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر اس لئے بھیجے کہ قیامت کے روز کسی کو خدا پر کوئی دلیل اور حجت پیغمبروں کے بعد باقی نہ رہ جائے۔

پیغمبروں کے بعد علماء کا یہی طریقہ ہے۔ کوئی توجہ کرے یا نہ کرے ان کو پہنچا دینا ضروری ہے۔

اس کے بعد میں اس رزولیوشن کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ قرآن شریف میں مسلمان کے قتل کرنے کی سزا جس قدر سخت ذکر کی گئی ہے، کفر کے بعد کسی گناہ کی اس قدر سزا ذکر نہیں کی گئی۔ سورہ نساء میں ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (النساء)

کسی مسلمان کو ارادے سے قتل کرنے کی پانچ سزائیں ہیں: ۱: جہنم۔ ۲: ہمیشہ جہنم میں رہنا۔ ۳: اللہ کا غضب۔ ۴: اللہ کی اس پر لعنت۔ ۵: عذاب عظیم جو اس کے لئے تیار ہے۔

دوسری آیت سورہ فرقان میں اللہ تعالےٰ اپنے اچھے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝

(الفرقان - ۶۴)

اچھے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے گا اس کو چار سزائیں ملیں گی۔ ۱: دوزخ کا وہ طبقہ جس کا نام اثام ہے۔ ۲: قیامت کے دن عذاب دوگنا ہوگا۔ ۳: ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ ۴: ذلیل کیا جائے گا۔

تیسری آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (نساء ع ۵)

اے ایمان والو! سوائے ایسی تجارت کے جو کہ آپس کی خوشنودی سے ہو کسی بُرے طریقہ سے آپس کے مال کو نہ کھاؤ اور اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو جو کہ اپنا ہی قتل کرنا ہے۔ اللہ تعالےٰ تم پر بڑا مہربان ہے، اور جو کہ سرکشی اور تعدی کی بناء پر ایسا کرے گا، اس کو ہم عنقریب آگ میں جھونک دیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

چوتھی آیت میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۔ (سورہ نساء)

کسی مسلمان کو بغیر خطا کے کسی مسلمان کا قتل کرنا روا نہیں ہے۔

پانچویں آیت اگلی اُمتوں کی نسبت ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (مائدہ ع ۵)

(قابیل اور ہابیل کے شنیع واقعہ اور اسکی سزا کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے پاس احکام میں یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کو بغیر جان کے بدلے اور بغیر زمین میں شرعی فساد کرنے کے قتل کیا، تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک جان کو بچایا تو اُس نے تمام آدمیوں کو زندہ کیا۔

چھٹی آیت پارہ پندرہ سورۂ اسراء میں ہے:

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل نہ کرو

یہ چھ آیتیں مسلمان کے قتل کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات اس بارہ میں بکثرت اور بہت سخت ہیں۔ ان میں سے جو اس وقت یاد آئے یا کتاب میں ہاتھ لگے وہ ذکر کرتا ہوں۔ چونکہ سب کتابیں حدیث کی موجود نہیں ہیں اس لئے ۳۴ حدیثیں ذکر کرتا ہوں۔

صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو بقرعید کے دن وفات سے ۹۲ دن پہلے (یعنی تین مہینہ دو دن) شنبہ کے روز سہ پہر کو بعد نماز ظہر مسجد خیف میں قصبہ مِنیٰ میں تقریباً ایک لاکھ چھتر ہزار کے مجمع میں اُمت کو رخصت کرتے ہوئے، اور خود رخصت ہوتے ہوئے جو آخری نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے یہ بھی ہیں۔

(۱) الا ان دمائکم و اموالکم و اعراضکم علیکم

یعنی خبردار ہو جاؤ اے مسلمانو! کہ جس طرح تم اس شہر، اس جگہ، اس دن کی حرمت

حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا الا لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔

کرتے ہو، اسی طرح تم پر تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ خبردار میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(۲) دوسری حدیث جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے، یہ ہے:

لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس و زنا بعد احصان و التارک لدینہ المفارق للجماعۃ۔

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے سوائے تین صورتوں کے۔ ۱: جان کا بدلہ (قصاص) ۲: نکاح کرنے کے بعد غیر عورت سے زنا کرنے کی وجہ سے۔ ۳: دین کو چھوڑنے اور جماعت سے جُدا ہونے پر۔

(۳) تیسری حدیث جس کو بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ:

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوا عصموا منی دماءھم و اموالھم الا بحق الاسلام۔

یعنی مجھ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے، کہ میں جنگ کروں جب تک کہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ لیکن جس وقت انہوں نے اس کلمہ کو کہہ دیا تو انہوں نے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا۔ اب بغیر حق اسلام یعنی حکم شرعی کے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۴) چوتھی حدیث شریف میں ہے جس کو مسلم، نسائی، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم۔

تمام دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے مقتول ہونے سے آسان ہے۔

(۵) سباب المسلم فسوق و

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے

قتاله وکفر۔ جنگ کرنا کفر ہے۔

(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابنِ ماجہ)

(٦) المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی وغیرہ)

(٧) (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اجتنبوا السبع الموبقات الشرك بالله والسحر وقتل النفس التی حرم الله الا بالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم والتولی يوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات۔ "سات چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ ان سے بچو۔ ان میں سے ایک مسلمان کا قتل بھی ہے"۔

(٨) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته (بخاری وغیرہ) یعنی "جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیرا اور ہمارے ذبح کئے ہوئے حیوان کو کھایا۔ وہ وہی مسلمان ہے جس کے لئے ذمہ داری اللہ کی اور ذمہ داری رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو"۔ یعنی مسلمان کے خون اور مال اور آبرو میں کوئی تعرض نہ کرو۔

(٩) ترمذی، بیہقی، طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لو ان اهل السموات والارضين اشتركوا فی قتل رجل مسلم لاكبهم الله فی النار۔ "اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں دھکیل دے گا"۔

(١٠) من اعان فی قتل مسلم بشطر كلمة لقی الله مكتوب بين عينيه آئس من رحمة الله۔ "جس شخص نے مسلمان کے قتل میں آدھے لفظ

سے بھی اعانت کی، وہ اللہ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر کیا جائے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ (ابنِ ماجہ بیہقی۔ اصبہانی)۔

(۱۱) مسلم وغیرہ میں ہے۔ عن اسامہ بن زید قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اناس من جھینۃ فاتیت علی رجل منھم فذھبت اطعنہ فقال لا الٰہ الا اللہ فطعنتہ فقتلتہ فجئت الی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقتلتہ وقد شھد ان لا الٰہ الا اللہ قلت یا رسول اللہ انما فعل ذلک تعوذا قال کیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا جاءت یوم القیٰمۃ قال مرارًا۔ اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کے بعض آدمیوں سے جنگ کرنے کو بھیجا۔ میں ایک شخص کے مقابلہ میں آیا۔ جب میں نے اس کے نیزہ مارنے کا ارادہ کیا اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا مگر میں نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تُو نے اس کو قتل کر ڈالا، حالانکہ وہ گواہی دے رہا تھا توحید کی۔ میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا۔ فرمایا کہ قیامت کے دن جبکہ کلمہ توحید اس کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا تو تُو کیا جواب دے گا۔ اس کو کئی مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے فرمایا۔

(۱۲) ترمذی اور طبرانی میں ہے۔ یاتی المقتول متعلقا راسہ باحدی یدیہ متلببا قاتلہ بالید الاخری تشخب اوداجہ دما حتّٰی یاتی بہ العرش فیقول المقتول لربّ العالمین ھذا قتلنی فیقول اللہ تعست ویذھب بہ الی النّار۔ "مقتول قیامت کے دن اپنے سر کو اپنے ایک ہاتھ میں لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا۔ اس کی رگوں سے خون کے فوارے جاری ہونگے اسی طرح اس کو کھینچتا ہوا تختِ خداوندی تک پہنچے گا اور پروردگار سے عرض کرے گا کہ اس شخص نے مجھ کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان قاتل کے لئے صادر ہوگا کہ ہلاک ہوگیا تو،

اور اس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے۔[1]

(۱۳) (بخاری-ابن ماجہ) لن یزال المؤمن فی فسحۃ من دینہ مالم یصب دما حراما۔ "مسلمان پر اس کا دین جب تک آسان رہتا ہے جب تک کہ وہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو۔"

(۱۴) (بخاری-مسلم-ترمذی-نسائی-ابن ماجہ) اول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ واوّل ما یقضی بہ بین الناس الدماء۔ سب سے اوّل بندہ کا حساب نماز میں ہوگا اور آدمیوں کے حقوق میں سب سے اوّل خون کے فیصلے ہوں گے۔"

(۱۵) (بخاری-مسلم-ابوداؤد-ترمذی وغیرہ) من حمل علینا السلاح فلیس منا۔ "جس شخص نے ہم پر (مسلمانوں پر) ہتھیار اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

(۱۶) (بخاری-مسلم وغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کمانڈر کو جنگ کےلئے بھیجا۔ اثنار جنگ میں اُس نے ایک شخص پر حملہ کیا اور اس کو کوئی صورت بچاؤ کی ہاتھ نہ آئی تو اُس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا۔ اس کمانڈر نے اس خیال سے کہ اس نے بچاؤ کے لئے کہا ہے، حقیقت میں مسلمان نہیں ہے، اس کو قتل کر ڈالا۔ اور جب لوٹ کر آئے اور قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا تو آپ نے بہت سرزنش فرمائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آپ نے غصہ سے کئی مرتبہ فرمایا فھلا شققت قلبہ۔ "تم نے اس کے دل کو کیوں نہ چیر کر دیکھ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس قدر سرزنش فرمائی کہ ان کو یہ تمنّا ہوئی کہ کاشکے میں اس قصہ کے بعد مسلمان ہوا ہوتا کہ یہ گناہ مجھ سے دُھل جاتا یا صادر ہی نہ ہوتا۔

(۱۷) (بخاری-مسلم-ترمذی وغیرہ) اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول کلاھما فی النار قالوا یارسول اللہ ھذا القاتل فما بال

---

[1] اس جگہ مجسٹریٹ نے مولٰنا سے کہا کہ کیا ابھی بہت زیادہ باقی ہے۔ میں نے آپ کا وعظ خوب سُن لیا۔ بس اب ختم کیجئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے نوٹ لکھ لئے ہیں ان کے مطابق عرض کر رہا ہوں اور یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ ریزولیوشن مذہبی ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ آپ پورا قرآن شریف سُنا دیں۔

المقتول، قال انه کان یرید قتل صاحبه۔ "جب کہ دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قاتل کی وجہ تو معلوم ہے مقتول کیوں دوزخ میں گیا۔ فرمایا کہ اس نے قصد کر رکھا تھا کہ اپنے ساتھی مسلمان کو قتل کرے۔"

(۱۸) (الف) قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا۔ "مسلمان کا قتل ہو جانا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے نیست و نابود ہو جانے سے بڑا ہے۔"

(ب) "جن مشکل اُمور میں سے انسان کو بچ کر نکلنا مشکل ہے، وہ محترم خون کو بہانا ہے۔"

(۱۹) عن ابن عمرؓ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبة و یقول ما اطیبك وما اطیب ریحك ما اعظمك وما اعظم حرمتك والذی نفس محمد بیدہ لحرمة المؤمن عند اللہ اعظم من حرمتك ماله ودمه۔ (ابن ماجہ) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ شریف کا طواف فرما رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اے کعبہ! کیا ہی اچھا ہے تُو اور کیا ہی اچھی ہے تیری ہوا تو کس قدر بڑا ہے اور تیرا احترام کس قدر بڑا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کے مال اور جان کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے۔"

(۲۰) من استطاع منکم ان یحول بینه وبین الجنة مل وکف من دم امرؤ مسلم ان یهریقه کما یذبح به دجاجة کلما تعرض لباب من ابواب الجنة حال اللہ بینه وبینه فلیفعل (ابوداؤد۔ ابن حبان۔ نسائی۔ حاکم)۔ "جس سے ہو سکے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہتھیلی بھر بھی مسلمان کا بہایا ہوا خون، مرغی کے خون کی مقدار میں حائل نہ ہو تو وہ ضرور اس سے

بچے۔ کیونکہ ایسا کرنے والا شخص جب کسی جنّت کے دروازے سامنے آئے گا تو اللہ اس کے اور جنّت کے درمیان حائل ہو جائے گا۔ یعنی اگر اس کے دوسرے اعمال جنّت کا تقاضا بھی کرتے ہوں گے تو یہ مسلمان کا، ہتھیلی بھر خون جو اُس نے بہایا ہے اس کو جنّت میں داخل نہ ہونے دے گا اور خدا اس کے درمیان حائل ہو جائے گا۔

(۲۱) کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا الرّجل یموت کافراً او الرّجل یقتل مؤمنا متعمّداً۔ (ابوداؤد۔ ابن حبان۔ نسائی۔ حاکم) "ہر گناہ کی نسبت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، مگر کفر کی حالت میں مرنا اور مسلمان کو ارادہ سے قتل کرنا ایسے گناہ ہیں کہ بخشے نہ جائیں گے"۔

(۲۲) من قتل مؤمنا فاغتبط بقتلہ لم یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔ (ابوداؤد) جس شخص نے بلاتمیز حق اور باطل کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول کرے گا نہ نفل"۔

(۲۳) لجھنّم سبعۃ ابواب باب منھا لمن سل السیف علیٰ امّتی۔ "دوزخ کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جس نے میری اُمّت پر تلوار اُٹھائی"۔

(۲۴) نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعاطی السیف مسلولا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار دینے کو منع فرمایا۔ (اسی وجہ سے کہ کہیں مسلمان کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے)۔

(۲۵) من اشار الی اخیہ بحدیدۃ فان الملائکۃ تلعنہ حتی یضعھا وان کان اخاہ لابیہ وامہ۔ (بخاری۔ مسلم وغیرہ) "جس شخص نے اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کیا تو اس پر فرشتے اس کے رکھ دینے تک لعنت کرتے ہیں۔ چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو"۔

(۲۶) لا یشیر احدکم علیٰ اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزع من یدہ فیقع فی حفرۃ من النّار۔ (بخاری۔ مسلم وغیرہ) "تم میں سے

کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا، شاید شیطان اس کے ہاتھ سے دوسرے کو نقصان پہنچا دے تو یہ اشارہ کرنے والا دوزخ کے گڑھے میں جا پڑے"۔

(۲۷) اذا مر احدکم فی مسجدنا و فی سوقنا و معہ نبل فلیمسک علیٰ نصالھا ان یصیب احدا من المسلمین منھا بشیء (بخاری، مسلم، وغیرہ) "تم میں سے جب کوئی تیر لے کر ہماری مسجد یا بازار سے گذرے تو اس کی بھال کو پکڑ لے۔ کہیں کسی مسلمان کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے"۔

(۲۸) لا یزال المؤمن معنقا صالحا مالم یصب دما حراما فاذا اصاب دما حراما بلج (ابو داود)۔ "ہمیشہ مسلمان دینی باتوں میں تیز رفتار اور خوش حال رہتا ہے جب تک کہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو لیکن جبکہ حرام خون کا مرتکب ہو جاتا ہے تو نہایت ثقیل اور گراں ہو جاتا ہے۔ پھر دینی امور میں نہ اس کو انشراح خاطر ہوتا ہے، نہ تیز رفتاری حاصل ہوتی ہے"۔

(۲۹) الکبائر الاشراک وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس (بخاری۔ مسلم وغیرہ) کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ۱: شرک۔ ۲: والدین کی نافرمانی۔ ۳: محترم جان کا قتل۔ ۴: جھوٹی قسم۔

(۳۰) لا یحل لمسلم ان یروع مسلما (ابو داود و طبرانی)۔ "مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے"۔

(۳۱) لا تروعوا المسلم فان روعۃ المسلم ظلم عظیم۔ (بزار۔ طبرانی) "مسلمان کو مت ڈراؤ کیونکہ مسلمان کو ڈرانا بہت ظلم ہے"۔

(۳۲) من اخاف مومنا کان حقا علی اللہ ان لا یومنہ من افزاع یوم القیمۃ۔ (طبرانی) "جس شخص نے مسلمان کو ڈرایا تو اللہ پر واجب ہو گیا کہ اس کو قیامت کے دن گھبراہٹوں سے محفوظ نہ رکھے"۔

(۳۳) من خرج علیٰ امتی بسیفہ یضرب برھا و فاجرھا ولا یتحاشی

من هو منها ولا يفي الذي عهد عهده فليس مني ولست منه (مسلم)
"جو شخص میری اُمت پر تلوار لے کر نکلا، بھلے اور بُرے کو مارنے لگا، نہ مومنوں سے بچا، اور نہ عہد والوں کے عہد کو پورا کیا (یعنی وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے معاہدہ صلح میں ہیں ان کو بھی قتل کر دیا) تو وہ نہ مجھ سے ہے اور نہ مَیں اس سے ہوں (یعنی مَیں اس سے بری ہوں، اور وہ مجھ سے)۔

(۳۴) كل المسلم على المسلم حرام دمه وعرضه وماله (مسلم) مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، اس کی آبرو اور اس کا مال"۔

مَیں نے مختصراً چھ آیتیں اور چونتیس حدیثیں بیان کی ہیں جن کی رو سے بغیر شرعی اجازت کے مسلمان کا خون، مال اور آبرو اور اس پر ہتھیار اُٹھانا اور اس کے قتل میں شریک ہونا، اس پر ہتھیار سے اشارہ کرنا سب کچھ حرام ہے اور جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا اس پر خدا کا سخت غضب نازل ہوگا۔ گورنمنٹ کی فوج اور پولیس کی نوکریاں بھی چونکہ اسی لئے ہیں اس لئے وہ بھی حرام ہیں۔

اب میں علم کلام کا حوالہ دیتا ہوں۔ علمِ کلام کی معتبر کتابیں مثل جوہرہ۔ شرح عقاید نسفی۔ شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے کہ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ بغیر حق شرعی کے مسلمان کو قتل کرنا ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ کتاب الاکراہ فصل "فیما یحل للمرء ان یفعل" میں لکھا ہے کہ کوئی بادشاہ کسی مسلمان سے کہے کہ تُو سور کھالے، شراب پی لے، مردار کھالے، ورنہ تجھ کو قتل کر دوں گا۔ تو اُس مسلمان کو چاہیئے کہ ضرور سور کھالے۔ شراب پی لے، مردار کھالے۔ اگر اُس نے ایسا نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو وہ گنہگار مرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بادشاہ کہے کہ تُو کلمہ کفر کہہ، ورنہ تجھ کو قتل کر دوں گا تو اس کو چاہیئے کہ ایمان کو دل میں محفوظ رکھ کر کلمہ کفر کہہ دے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ کہے اور اگر مقتول ہو جائے۔ شہید ہوگا۔ اس صورت میں ماننا نہ ماننا دونوں جائز ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر بادشاہ ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دے تو اس کو قتل ہو جانا چاہیئے لیکن مسلمان

پر ہتھیار نہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر اس نے بادشاہ کا حکم مان لیا تو سخت گناہ گار ہوگا۔ اس پر فرض ہے کہ صبر کرے اور مقتول ہو جائے۔ اس صورت میں بادشاہ کا حکم ماننا جائز نہیں ہے۔

یہی مسئلہ عالمگیری جلد ۵ صہ ۴۴ اور درمختار اور شامی وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے بزازیہ جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ میں بھی یہی مذکور ہے۔ نورالانوار۔ توضیح تلویح۔ کشف بزدوی وغیرہ کے مبحث "عزیمت و رخصت" میں بھی یہی مذکور ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا ورنہ تو اس مسلمان کا ہاتھ کاٹ دے یا قتل کر دے تو اس کو چاہیئے کہ قتل ہو جائے لیکن مسلمان کا ہاتھ نہ کاٹے اور نہ اس کو قتل کرے۔

جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے یہ سب مذہبی کتابیں ہیں۔ ہمارے مذہب میں سب سے اوّل درجہ قرآن شریف کا ہے، دوسرا حدیث کا، تیسرا علم کلام کا، اور چوتھا فقہ کا۔ اسی اعتبار سے یہ تمام حوالجات درجہ بدرجہ دیئے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ جدید کتب میں بھی یہی احکام پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جو علماء انگریزی زمانہ میں ہوئے ہیں، ان کی سنئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے فتاوے جلد ثانی اور مولٰنا عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ جلد ۳ میں بھی صاف طور سے لکھا ہے کہ انگریزی فوج کی نوکری حرام ہے۔

اِس زمانہ کے علماء میں مولٰنا اشرف علی صاحب کا فتویٰ بھی ان کی کتاب میں یہی ہے کہ انگریزی فوج کی نوکری حرام ہے۔

اس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی ہو گی کہ جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ اور یہ ریزولیوشن کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ سے مذہب اسلام کا یہی فیصلہ چلا آتا ہے۔ اس لئے اس وقت اس کی اشاعت کو روکنا مذہب میں مداخلت کرنا ہے۔ اس کی اشاعت کی ضرورت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اس کی متقاضی ہے۔ جس طرح ایک طبیب مریض کی نستہ حالت کو دیکھ کر پرہیز اور دوا تجویز کرنے میں زیادہ سختی اور اہتمامِ کامل کرتا ہے اسی طرح علماء کا بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کو ان کی مذہبی

حالت زیادہ گرتے ہوئے دیکھ کر جملہ اسباب، نزول کے ازالہ کی بہت زیادہ فکر کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فتح بیت المقدس کے وقت مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اس جنگ کو صلیبی جنگ کے نام سے موسوم کیا اور مسٹر چرچل نے بھی اس کو صلیبی جنگ کہا۔ ایسی حالت میں جو مسلمان عیسائیت کا ساتھ دے گا، وہ نہ صرف گناہ گار ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

مجسٹریٹ: میں نے بہت غور سے آپ کی تقریر سُنی۔ اب ختم کر دیجئے۔

مولینا: میں نے ابھی خلافت اور ترکِ موالات کا مسئلہ نہیں چھیڑا ہے۔ صرف فتوے کا ذکر کر رہا ہوں۔ اچھا میں اپنے بیان کو چند کلمات عرض کرنے کے بعد ختم کرتا ہوں۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان بادشاہ کے فرمان کی اطاعت احکامِ اسلام کے اندر رہ کر کر سکتا ہے۔ اب تک جو کچھ کیا گیا ہے وہ سب دائرہ اسلام میں داخل ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے بھی اعلان کی حد کے اندر ہے۔ لہٰذا اگر ہم کو اسلام کی وجہ سے ایذا پہنچائی گئی تو اس کی ذمہ دار حکومت ہوگی ہم نہیں ہوں گے۔ اگر گورنمنٹ کا منشاء مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کر لیں کہ اُن کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا۔ اسی طرح ۲۲ کروڑ ہندو بھی غور کر لیں کہ اُن کو کیا کرنا ہے کیونکہ جب مذہبی آزادی ہی چھینی گئی تو سب کی چھینی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اسی لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں، حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتبِ فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں۔

(اس آخری جملہ پر مولینا محمد علی صاحب نے جزاک اللہ کہہ کر مولینا حسین احمد صاحب کی قدم بوسی کی)

مولانا محمد علی صاحب کا خطاب بجیوری

مولانا محمد علی صاحب جیوری کو خطاب کرنے سے پہلے عدالت کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور فرمایا :-

"کیا جیوری کو اس طرف بٹھایا جا سکتا ہے۔ میں نے ابھی تک ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میں فوج کی طرح ان کو بھی اغوا کرنا چاہتا ہوں"۔ (قہقہہ)

عدالت نے اراکین جیوری کو ہدایت کی کہ وہ حسب تجویز اپنی نشست بدل لیں اور جج نے بھی اپنے رُخ کو بائیں طرف بدل کر ملزمین کی طرف کر لیا۔

تب مولانا محمد علی تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس وقت تمام عدالت پر کامل خاموشی طاری تھی۔ جناب مولانا اس طرح جیوری سے مخاطب ہوتے :-

حضرات جیوری !

میں نے ابھی جج سے کہا تھا کہ وہ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ حضرات کے چہروں پر نظر کر سکوں۔ اس لئے کہ میں نے اب تک سوائے ایک صاحب کے آپ میں سے کسی کی صورت نہیں دیکھی تھی، اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں جیوری کو اغوا کرنا چاہتا ہوں۔

اس خواہش کی تہ میں ایک اور ارادہ بھی تھا۔ اس کو اصلی ارادہ تو نہیں کہا جا سکتا (اصلی ارادہ تو وہی ہے کہ آپ کو اغوا کروں) مگر ضمنی غرض یہ کہی جا سکتی ہے کہ میں چاہتا تھا کہ آپ صاحبان میرے اور خواتین کے درمیان (جو آپ کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہیں) حائل ہو جائیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ وکیل سرکار میری فرد قرار داد جرم میں اغوا کے ایک تازہ الزام کا اضافہ نہ کر دیں۔ (قہقہہ)

بہر حال اس اقدام کا یہ اثر تو ہوا کہ میں نے آج جج کا رُخ بھی اپنی طرف پھیر لیا۔
(قہقہہ)

حضرات! شاید میں آج اپنی تقریر میں آپ کا جس قدر وقت بھی لے سکوں گا، لوں گا۔ اس لئے پہلے ہی یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اگر میرا مقصد یہ ہو کہ میں خود اپنی اور اپنے دوستوں کی صفائی پیش کروں اور اس طرح سب کو حبسِ دوام، عبور دریائے شور، یا پھانسی یا جیل سے (خبر نہیں جج نے ہمارے لئے کیا تجویز کر رکھا ہے) بچانے کی کوشش کروں، تو میرا اتنی طویل تقریر کرنا ناقابلِ معافی ہوگا۔ نہیں، حضرات! اس غرض کیلئے (اپنے کو سزا سے بچانے کے لئے) میں آپ کا یا اپنا لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔

مجھے کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔ میں کوئی صفائی پیش کرنے کے لئے نہیں آیا۔ نہ کسی صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ یہ مقدمہ ہم پر نہیں چل رہا ہے، بلکہ درحقیقت یہ تو گورنمنٹ نے خود اپنا چالان کیا ہے، یہ تو خود جج کا مقدمہ پیش ہے۔ اگر مقدمہ چل رہا ہے تو اس عدالت گستری (دستورِ سماعتِ مقدمات) اور تمام اختیاراتِ قانونی پر چل رہا ہے، میری صفائی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہایت صاف تنقیح ہمارے سامنے ہے اور میں نے تو عدالت ماتحت میں گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا تھا کہ اس نے پہلی دفعہ کھلے میدان میں آ کر ہم کو موقع دیا ہے کہ اس نہایت کھلی ہوئی اور قطعی تنقیح پر فیصلہ حاصل کریں۔ وہ نہایت قطعی اور صاف تنقیح یہ ہے کہ کیا اس شخص کے لئے جو برطانوی رعایا ہو، خدا کا قانون زیادہ اہم ہوگا یا بادشاہ کا، ایک انسان کا، خواہ وُہ ہز میجسٹی کہلایا جائے یا ہز امپیریل میجسٹی، جتنا چاہے اس کے مناصب بڑھا دیجئے، ہر طرح اس کی اطاعت کیجئے، اس کے ساتھ جس قدر وفاداری ہو سکے ظاہر کیجئے، اس کی جس قدر اطاعت ہو سکے کیجئے، اس کے متعلق اپنی عجائب پرستی جس قدر چاہیئے کام میں لایئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ تمام عزت جو آپ بادشاہ کی کرتے ہیں، اور کیا آپ کی تمام عقیدتمندی ایک لمحہ کے لئے بھی اس وفاداری میں حارج ہو سکتی ہے جو ہر انسان کو اپنے خدا کے ساتھ کرنی چاہیئے؟

حضرات! میں اپنے یا دوسرے ملزمین کے مفاد کے خیال سے نہیں کہتا، مگر خود آپ کے خیال سے کہتا ہوں کہ آپ کی جماعت میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ آپ میں تین عیسائی ہیں اور دو ہندو ہیں۔ مگر ہمیں اس کی پروا نہیں۔ اس لئے کہ میں انسانوں سے خطاب کر رہا ہوں۔ میں زیادہ تر ہندوستانیوں سے مخاطب ہوں (خواہ وہ عیسائی ہو یا ہندو) مجھے معلوم نہیں کہ آپ سب ہندوستانی ہیں یا نہیں۔ غالباً آپ میں سے ایک صاحب ہندوستانی نہیں ہیں مگر انہوں نے بھی ہندوستان میں اقامت اختیار کر لی ہو، اور باوجود انگریز ہونے کے وہ بھی ہندوستان کو اپنا وطن سمجھنے لگے ہوں اور اس حیثیت سے ہندوستانی سمجھے جا سکتے ہوں۔ بس آپ کی جماعت میں سے غالب تعداد سے مخاطب ہوں جو ایک ایسے ملک کے باشندے ہیں جن کے اندر ہمیشہ سے مذہبی احساس سرایت کئے ہوئے ہے۔ اور جو باعتبار روایاتِ قدیمہ ایک روحانیت پرست ملک ہے اور جس نے صدیوں تک مادے کے خلاف رُوح کی عظمت کو قائم کرنے کیلئے کوششیں کی ہیں۔

حضرات! ہم اس مہذب عہد میں رواداری کا نام بہت سُنتے ہیں، اور میرا خیال ہے کہ وکیلِ سرکار بھی میری تردید نہ کریں گے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ہم سب رواداری چاہتے ہیں۔ برطانوی گورنمنٹ بھی اپنی رواداری کا ذکر کرنے سے کبھی نہیں تھکتی، اور اس کا دعویٰ ہے کہ برطانوی حکومت رواداری پر مبنی ہے۔ میں نہیں سمجھتا، کہ اس بیسویں صدی عیسوی میں کسی مہذب ملک کی حکومت یہ کہنے کی جرأت کر سکتی ہے کہ وہ رواداری کے خلاف ہے۔ مگر رواداری ہے کیا چیز؟ وہ یہ ہے کہ جیسے ایک مشہور شخص نے کسی دوسرے سے کہا تھا کہ "جناب جو کچھ آپ نے کہا۔ میں اس کے ہر لفظ سے نہایت شدت سے اختلاف کرتا ہوں لیکن لعنت ہے اس اختلاف پر اگر اس بات کے کہنے کا حق کوئی تم سے چھینے۔ میں اُس سے لڑنے میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر دوں گا۔

اس کا نام ہے رواداری۔ یعنی رواداری کی ضرورت تو اُسی وقت ہوتی ہے جب اختلاف رائے ہو۔ جہاں لوگ ایک رائے نہ رکھتے ہوں اور مختلف الرائے ہوں۔ جہاں بہت سے اختلاف ہوں۔ دراصل وہیں۔ واداری کی ضرورت ہے۔ ورنہ پھر رواداری

کی ضرورت کیا ہے۔ لیکن اصول رواداری پر عملی کوشش کرنے والا شخص اس اُصول کے قائم رکھنے کے لئے ہر بات کو برداشت کرتا ہے، اور تمام قربانیوں کیلئے تیار رہتا ہے۔

اب آپ شاید یہ کہیں کہ اگر کوئی شخص نہایت احمقانہ رائے رکھتا ہو تو کیا کیا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ ایسے لوگ بہت ہیں جو احمقانہ رائے رکھتے ہیں۔ ایک تو خود وکیل سرکار ہے جس کی بعض رائیں بہت احمقانہ ہیں، اور ابھی دیکھنا ہے کہ جج صاحب کی کیسی رائے ہوگی مگر وہ تو اس وقت معلوم ہوگی جب میرے لب بند ہو چکیں گے۔ مگر سوال یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کا فیصلہ صحیح ہے غلط۔ لوگوں کے فیصلے بہت غلط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ سوال تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص یا کوئی جماعت ہم سے اس امر کا عہد کرے یا ہم کو اس امر کی آزادی دے، کہ ہم اپنی قوتِ تمیزی کے مطابق جو رائے چاہیں رکھیں اور پھر اس پر عمل بھی کر سکیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر اس جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہے۔

حضرات! ذرا دیکھئے کہ ہمارے خلاف مقدمہ کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام دنیا اس کو سمجھ لے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں جو کچھ فیصلہ ہوگا اس کے نتائج صرف اُنہی لوگوں تک محدود نہ ہوں گے جو اس ہال میں موجود ہیں، نہ ان چند ہزار تک محدود رہیں گے جو شہر کراچی میں سکونت رکھتے ہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ جو ریزولیوشن کراچی میں پاس ہوا تھا صرف ان چند علماء اور چند ہزار حاضرینِ جلسہ ہی کے لئے نہ تھا بلکہ وہ باہر کی ایک بہت بڑی جماعت کے لئے شائع کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ مقدمہ بھی صرف ان حاضرین کے لئے نہیں ہے جو اس ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نہ میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس مقدمہ کی اشاعت محض آپ پانچ صاحبوں پر محدود ہے۔ فی الواقعہ یہ مقدمہ تو ساری دنیا کے لئے ہے۔ ہم اپنے مذہبی عقائد اور مراسم کا اعتراف کرانے کے لئے قانون کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ معذرت کرے اور کہے کہ ہم اپنی غلط روی سے واقف ہو گئے۔ (اس موقع پر مولانا مسٹر راس السٹن کی طرف مخاطب ہوئے) یہی الفاظ ہیں جو میرے دوست سر راس السٹن چاہتے تھے کہ میں اپنی تقریر کے آخر میں کہوں اور یہی میرے آخری الفاظ ہوں گے۔ مگر ان کا تعلق گورنمنٹ سے یہ ہوگا کہ میری رائے میں ان الفاظ کا ادا کرنا گورنمنٹ کیلئے

بہت مناسب ہوگا (قہقہہ) لیکن کیا گورنمنٹ ایسا کہے گی؟ کیا وہ اس عہد پر قائم رہے گی جو اُس نے ہماری آزادیِ مذہب کے لئے کیا تھا؟ گورنمنٹ یوں کہے گی کہ "نہیں ہم طاقتور ہیں، ہم مضبوط ہیں، ہمارے پاس آہن پوشش جہاز ہیں، ہمارے پاس آلاتِ ہوائی ہیں، ہمارے پاس اس قدر سپاہ ہے، ہم کلدار توپیں رکھتے ہیں، ہم یہ تمام سامانِ ہلاکت رکھتے ہیں، ہماری طاقت کے ذرائع بہت ہیں، ہم نے یورپ کی سب سے زیادہ طاقتور فوج کو شکست دی ہے، گو یہ سچ ہے کہ ہم نے ۲۶ اتحادیوں کی مدد سے یہ شکست دی ہے (قہقہہ) اور نہ صرف اتحادیوں کی مدد سے بلکہ ہندوستانیوں کی فوج اور دوسرے ذرائع کی امداد سے بھی۔ مگر یہ دوسری داستان ہے۔ (قہقہہ)

"ہم تمہارے مذہبی عقائد اور اعمال کو روا نہیں رکھ سکتے"۔ اگر حکومت یہ کہے تو یہ بات صاف ہے اور ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ پس میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے کو سزا سے بچانے کے لئے نہیں کہہ رہا بلکہ اس تنقیح کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ ایک قومی سوال ہے، نہیں اس سے بھی زیادہ۔ یہ ایک سوال ہے جس پر بڑی حد تک دنیا کی تاریخ کا انحصار ہے، اور وہ تنقیح یہ ہے کہ آیا تہذیب و تمدن کی اس صدی میں انسان کا حکم خدا کے حکم سے بالاتر رہے گا؟

اس مقدمہ کا عنوان "محمد علی اور چھ دیگر اشخاص بنام سرکار" نہیں بلکہ خدا بنام انسان ہے۔ اس لئے کہ یہ مقدمہ خدا اور انسان کے درمیان میں ہے۔ یہی بنائے مقدمہ ہے۔ سارا سوال ہی یہ ہے کہ خدا انسان پر حکومت کریگا یا انسان خدا پر۔

حضرات! آپ یہاں موجود تھے گو آپ کا یہاں موجود ہونا محض اتفاقی تھا جب ہم سے جج نے کھڑے ہونے کے لئے کہا اور ہم نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ ہم نے ہمیشہ اس خیال سے پرہیز کیا ہے اور اس کی تکذیب کی ہے کہ ہم کسی طرح جج کی توہین کریں۔ ہم ایسے احمق نہیں ہیں کہ بے کار بدمزگی پیدا کریں یا جج کو دق کریں یا بدمزاج کریں۔ ہمیں جج سے بیر نہیں ہے۔ مگر سارا سوال تو وہی ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ہم انسان کی عزت کریں یا نہ کریں۔ جیسا کہ ماتحت عدالت میں میرے بھائی نے کہا تھا، میں اب آپ کے سامنے کہتا ہوں

کہ ہم اب اس امر کا اعتراف نہیں کرتے کہ (برطانوی) بادشاہ ہمارا بادشاہ ہے۔ ہم کسی ایسے شخص کی وفاداری پر مجبور نہیں جو خدا کی وفاداری کے حق سے ہمیں محروم کرتا ہو۔ مَیں ایک لفظ بھی بادشاہ کے خلاف نہیں کہتا۔ مَیں ایک لفظ بھی شاہی خاندان کے خلاف نہیں کہتا لیکن جب خدا کا سوال پیدا ہوتا ہے بمقابلہ گورنمنٹ، تو مَیں کسی ایسی گورنمنٹ کی عزّت نہیں کر سکتا جو مجھ سے اس امر کا مطالبہ کرے کہ مَیں سب سے پہلے خدا اور اس کے قانون کی عزّت نہ کروں۔ پس جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا کہ سارا سوال درحقیقت یہی ہے۔ "خدا بڑا یا آدمی"۔

وکیل سرکار نے بڑی ہوشیاری سے ہمارے معاملے کو بیان کیا اور جب دورانِ تقریر میں وہ ہمارے مذہبی عقائد اور خدا کے احکام تک پہنچے تو وہ بہت گھبراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ جس قدر تیزی سے ہو سکے، اس بحث سے گذر جائیں۔

وہ دراصل برف کی بہت ہی پتلی چادر پر چل رہے تھے جس کے نیچے پانی تھا۔ انہوں نے سرسری ذکر کر کے اس ساری بحث سے قطع نظر کر لی۔ مَیں اب اس دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں اور جج سے بھی دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس بحث پر فیصلہ دیں۔

حضرات جیوری! یہ واقعات کا سوال نہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہے۔ اگر جج اپنی آخری تقریر میں قانون کی بحث پیش کریں اور ہم کو سزا دیں، اگر جیوری کا فیصلہ اس مقدمہ میں جسمیں آپ بحیثیت اراکین جیوری کے کام کر رہے ہیں، ہمارے خلاف ہو اور اگر اس مقدمہ میں جس میں آپ محض اسیسروں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، آپ کی رائے لینے کے بعد جج اپنے اختیارات کو استعمال کرے اور واقعات و قانون کے متعلق اپنا فیصلہ دے کر ہم کو ہمارے مذہبی فرائض سے قطع نظر کر کے سزا دے دے، تو اس حالت میں راستہ صاف ہوگا۔

ہمیں اس کی پرواہ نہیں کہ ہمیں کیا سزا دی جائے گی اور تعزیراتِ ہند کی کس دفعہ کے تحت میں دی جائے گی۔ اس لئے کہ دفعات تو بہت ہیں۔ دفعہ ۱۲۰ اب، ۱۳۱، ۱۰۹، ۵۰۵، ۱۱۷ وغیرہ وغیرہ۔ ان دفعات اور مختلف الزامات کی نسبت تو جہاں تک میرا

تعلق ہے، میرا دماغ تو انتشار کی حالت میں ہے اور مَیں تو ابھی یہی حساب لگا رہا ہوں کہ سب سزائیں مل کر کتنے برس ہو جائیں گے (قہقہہ)۔ مجھے بس ایک ہی مرتبہ دنیا میں زندہ رہنا ہے اور معلوم نہیں یہ میعاد اس طویل سزا کے لئے کافی ہو گی یا نہیں جس کا مَیں مستحق ہوں (قہقہہ) مگر میرے لئے تو یہ سب باتیں بے نتیجہ ہیں۔

اصل بات تو یہ ہے کہ مَیں عدالت سے بحیثیت قائم مقام گورنمنٹ اس بحث کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی عدالتیں کسی ایسے شخص کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتیں جو وہ افعال کرے جو مَیں نے کئے ہیں، چاہے وہ اس امر کا اعتراف ہی کیوں نہ کرتا ہو کہ جو کچھ اس نے کیا وہی بالکل اس کے مذہب کا اقتضا ہے اور اس کا خدا بھی اس سے ایسے عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ خدا مکانوں کی چھت پر چڑھ کر نہیں پکارتا۔ وہ اپنے لازوال، تختِ ارفع سے آواز دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ "اے انسان تجھ کو مَیں نے خون کے محض ایک قطرے سے پیدا کیا۔ تجھ کو مَیں نے اس منصب اور شان تک پہنچایا جو اب تیری ہے، اور جو کچھ تُو ہے، مَیں نے یہ سب تجھ کو دیا اور تیرے لئے بنایا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تُو میری تابعداری کرے نہ کہ کسی دوسرے جاندار کی جس کو مَیں نے بنایا"۔ جو کچھ بھی عزت مَیں بادشاہ کی کروں مَیں اس کے سامنے نہیں جُھک سکتا۔ اگر وہ مجھے خدا اور اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے منع کرے۔

جج نے بعض فرقوں کے عقائد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ فرض کرو، ہندوؤں کا ایک فرقہ انسانوں کی قربانی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہندوستان میں کوئی مذہب انسانوں کی قربانی کرنے کا طالب ہو۔ ہمارے مقدمہ میں ذاتی اور انفرادی عقائد کا سوال زیرِ بحث نہیں۔ وکیل سرکار نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے مذہب میں مختلف فرقے ہیں اور ہم آپس ہی میں (بعض عقائد کے متعلق) جھگڑتے ہیں کہ یہ غلط ہے اور یہ صحیح ہے۔ مگر سوال یہ نہیں ہے کہ کونسا فرقہ کس بات کو صحیح اور درست مانتا ہے۔ کیا ہم بتا سکتے ہیں کہ کونسا مذہب صحیح ہے اور کونسا غلط؟

اس بحث میں سوال صرف ذاتی عقائد کا نہیں ہے۔ یہ سوال تو ہر مسلمان (تمام

مسلمانوں کے متفقہ) کے عقیدے کا ہے ۔لیکن اگر کسی ایک فرقے کے عقائد کی بحث بھی پیشِ نظر ہوتی تب بھی کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ملکہ کا ۱۸۵۸ء کا اعلان اس وقت اس بات کو بھی ضروری قرار دیتا تھا کہ ہندوستان کے ۳۰ کروڑ انسانوں میں سے ہر فردِ واحد ایک ہی عقیدے پر متفق ہو ۔تمام آسمان اور تمام زمین اور تمام سیارے اور چاند کی بڑھیا، اور زہرہ، مشتری اور عطارد میں رہنے والی سب مخلوق اور سب ان میں سے ہر ایک اس بات پر متفق ہوں کہ سچا اور صحیح مذہب صرف یہ ہے یا وہ ہے ۔اور جب ایسا ہو تب ملکہ کا اعلان ہمارے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہے ۔ایسے مذہب کے لئے کسی حفاظت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔خود تعزیراتِ ہند کس کام کے لئے ہے ؟ اس کا مقصد بھی تو آخر یہی ہے کہ تمہارے ان حقوق کو اسی طرح محفوظ کرے جس طرح میں اپنے حقوق کی حفاظت چاہتا ہوں ۔تاکہ میں تمہارے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچا سکوں ۔

آج کے اخبار "نیو ٹائمز" میں ،ہم نے پڑھا کہ کلکتہ میں چند شخصوں کا جو خدامِ خلافت ہیں، اس بنا پر چالان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک پولیس والے کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچایا ۔ (قہقہہ)

مجھے ذرا شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو سزا دی جائے گی ۔مگر آپ نے دیکھا کہ ایک پولیس والے کے مذہبی جذبات کے تحفظ کے لئے بھی قانون میں ایک دفعہ موجود ہے ۔

ایک دوسری مثال لیجئے ۔ایک شخص پتھر کے ایک ٹکڑے کی غایت عقیدت و شدت کے ساتھ پرستش کرتا ہے ۔اس کی عقیدت و شدت ایسی ہے جیسی کہ میری عقیدت و شدت ہوتی ہے جب میں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ ۔ آپ اس پرستش کو پسند نہیں کرتے ۔آپ اس کو بے حد ناپسند کرتے ہیں اور اس طریقہ کو مسترد کرنا چاہتے ہیں ۔مگر کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں ؟ (ظاہر ہے کہ) آپ نہیں کر سکتے ۔

جو شخص پتھر کی پرستش کرتا ہے قانون اس کے حق کا محافظ ہے ۔ قانون کیوں محافظ ہے ؟ اس لئے نہیں کہ وہ مذہب اچھا ہے بلکہ اس شخص کے جذبات کی خاطر، اس لئے کہ قانون بنانے والے کہتے ہیں کہ ہم صرف اچھے مذہب کی حفاظت نہیں کرنا چاہتے،

بلکہ انسان کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا چاہتے ہیں۔ محض اصولی مذہب نہیں، بلکہ اس کے اثر سے جو محسوسات پیدا ہوتے ہیں، ان کی حفاظت ضروری ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو لارڈ میکالے اور دوسرے لوگوں نے، از روئے قانون محفوظ کرنا چاہا۔ یعنی یہ ایک دوسرے کے مذہبی محسوسات، خواہ وہ کتنے ہی احمقانہ اور ضعیف الاعتقادی اور توہمات پر مبنی اور غلط ہوں۔ یہی چیز ہے جس کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے اور قانون اس فرض کی انجام دہی کا کفیل ہے۔ مگر میں اپنے معاملے کو ملکہ اور بادشاہ کے اعلانات پر مبنی کرتا ہوں۔ اس لئے جج کو صاف طور پر یہ بتانا ہے کہ آیا یہ اعلانات قانونی عدالتوں میں کوئی قیمت رکھتے ہیں یا نہیں۔ یہ تصویر (شاہ ایڈورڈ کی تصویر کی جانب اشارہ کر کے) یہاں اسی لئے آویزاں ہے کہ وہ جج کو یاد دلائے کہ ہم کو بادشاہ کے قانون کی رُو سے ہمارا حق دینا اس کا فرض ہے۔ آپ کو قانون کے معنی اس سے سمجھنے پڑیں گے اس لئے کہ نہ میں سمجھانے کا حق رکھتا ہوں نہ میرے یہ دوست (وکیل سرکار کی طرف اشارہ کر کے)۔ اگر آپ ان سے قانون سمجھیں گے تو آپ ایک خطرے کی حالت میں پڑ جائیں گے، جو واقعی نہایت افسوسناک ہوگی (قہقہہ) لیکن اس مقدمہ میں کسی فرد واحد کی رائے یا تھوڑے سے مسلمانوں کی رائے کا سوال نہیں ہے۔ گو آپ چند مسلمانوں کے مذہبی محسوسات کو بھی صدمہ پہنچانے کا حق نہیں رکھتے۔ یہاں کسی فرقے کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ ایک مذہب کا سوال ہے کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہو، اس کتاب کے (قرآن مجید کی طرف اشارہ کر کے) حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔ اس انگریزی کے ترجمے کو دیکھئے، اس کتاب میں ایک ہی بات بار بار کہی گئی ہے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کس قدر چھوٹی سی کتاب ہے۔ باوجودیکہ اس میں بہت سی باتیں بار بار بیان کی گئی ہیں۔ کُل ۵۰۰ صفحے کی کتاب ہے۔ یہی کتاب ہے جو ہمارے مذہبی قانون کا خاص مخرج ہے۔

میں اس بات کی تشریح اس لئے کرتا ہوں کہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے مذہبی احکام کہاں مل سکتے ہیں۔ میں ان احکام کو فردِ واحد کے معتقدات سے اخذ نہیں کرتا۔ میرا مذہب اوّل تو اس قدر اسی کتاب کے اندر موجود ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی احادیث و روایات میں۔ لیکن اس اصلی مخرج کے متعلق (قرآن کی طرف اشارہ کرکے) مسلمانوں کا کوئی ایک فرقہ بھی نہیں ہے جو اس کے آدھے لفظ سے بھی متفق نہ ہو۔ لہٰذا آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے مذہب کی یہ (قرآن کریم) ایک بنیادی چٹان ہے۔ جس کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

احادیثِ نبوی کے متعلق یہ حالت ہے کہ اگر کوئی صحابی یہ کہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا، یا کوئی حدیث صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہو، مگر وہ اس کتاب (قرآن کریم) کے خلاف ہو تو کوئی مسلمان اس حدیث کو نہ مانے گا۔ ہم کسی بات کو نہ مانیں گے چاہے وہ رسولِ کریم ہی سے کیوں نہ منسوب کی جائے اگر وہ قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کوئی بیان محض قرآن کے احکام کی تشریح کرتا ہے یا ان احکام کا ضمیمہ ہے تو ہم اس کو قبول کر سکتے ہیں۔

مَیں اس امر کی کوئی غیر خوش گوار مثالیں دینا نہیں چاہتا (جس سے کسی مذہب والے کو تکلیف ہو)۔ مگر جو بات مَیں بتانا چاہتا ہوں صرف یہ ہے کہ اگر عیسائیوں کے چاروں گاسپل کو ہم دیکھیں اور ان کی قیمت کا امتحان کرنا چاہیں (اس موقعہ پر عدالت نے روکا)۔

عدالت : مَیں آپ کو اس انداز سے گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ طرزِ گفتگو واقعتاً مقدمہ کی بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتا (دُور از کار ہے)۔ آپ بیان صفائی دے رہے ہیں یا نہیں؟ اصلی بحث کیا ہے؟

مولانا محمد علی صاحب : میری بحث یہ ہے کہ گو کہ خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی صحت بھی نہایت احتیاط کے ساتھ حاصل کی گئی ہے مگر ان کی شہادت بھی قرآن کے احکام سے بالاتر نہیں ہو سکتی جس پر اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ہیں مگر مَیں تو کسی ایک چیز پر اپنی بحث کو مبنی نہیں کرتا جو فرقوں کے اختلاف کے ماتحت ہو۔ مَیں تو اپنے معاملہ کو قرآن کے غیر متزلزل اور بنیادی چٹان پر مبنی کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اس کا موقعہ دیں گے کہ مَیں جیوری کو وہ باتیں سمجھا سکوں، جن سے وکیل سرکار نے اپنی تقریر میں قطع نظر کرلی تھی۔

عدالت : مَیں اس مقدمہ کو ایک مذہبی مباحثہ میں منتقل نہیں کر سکتا۔ یہ سب

خارج از بحث ہے۔ آپ ان آیات کو یہاں بیان نہیں کر سکتے۔

مولانا محمد علی صاحب: یہ آیات میرے اس بیان میں موجود ہیں جو میں نے عدالت ماتحت میں دیا تھا۔ یہ مثل مقدمہ میں موجود ہیں۔ میں جیوری کو صرف یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ان احکام مذہبی کا اس معاملہ سے کیا تعلق ہے۔ خیر مجھے اپنے معاملہ کی تشریح نہ کرنے دی جائے گی تو میں اپنا بیان ختم کر دوں گا۔

عدالت: آپ اس مذہبی معاملہ کو کیوں زیر بحث لاتے ہیں جس کا کوئی تعلق مجھ سے نہیں۔ میں آپ پر غیر ضروری پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔ مگر آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی گفتگو کو صرف ان الزامات تک محدود رکھیں جو آپ پر لگائے گئے ہیں۔

مولانا محمد علی صاحب: میں اس بات میں عدالت سے بالکل اختلاف کرتا ہوں مجھے حق حاصل ہے کہ میں اس امر کی تشریح کروں کہ وہ کون سے اُمور ہیں جو میرے مذہب میں بلا اختلاف عقائد مسلمہ ہیں اور یہ ثابت کروں کہ قانون دراصل مذہب کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ مجھ سے صاف کہہ دیجئے کہ قانون میرے مذہب کی حفاظت نہیں کرتا میں مطمئن ہو جاؤں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔

مجھے نہیں معلوم کہ آپ جیوری کے سامنے اس مقدمہ پر کس طرح بحث کرنے والے ہیں۔ اس لئے پہلے اس سے کہ آپ جیوری سے خطاب کریں اور جیوری اپنا فیصلہ دے ان باتوں کو جیوری کے سامنے پیش کرنا میرے لئے ضروری ہے۔

عدالت: میں جیوری سے یہی کہوں گا کہ اگر آپ یہ دلیل پیش کریں گے تو یہ کوئی دلیل آپ کے حق میں نہیں ہے جبکہ آپ نے ایک فوجداری کا جرم کیا ہو۔ میں کہوں گا کہ مذہب، فوجداری کے جُرم کی سزا سے بچنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔

مولانا محمد علی صاحب: تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ جیوری سے کہنا ہے وہ بھی پہلے ہی سے طے کر لیا ہے۔ پہلے اس سے کہ میں جیوری سے خطاب کر چکوں اس مقدمہ میں کتنی ہی باتیں پہلے سے طے کر لی گئی ہیں۔

عدالت: مُلک کے قانون کے مطابق طے تو یہ کرنا ہے کہ آپ نے جُرم کا ارتکاب کیا

ہے یا نہیں کیا ہے؟

مولانا محمد علی صاحب: کوئی عمل جو کسی شخص کے مذہب کی رُو سے اس کا فرض ہو برطانوی ہندوستان میں جُرم قرار نہیں دیا جا سکتا جبتک کہ شاہی اعلان برقرار ہے آپ اس ملک کے کسی ہندو کو گائے کے مارنے کا حکم نہیں دے سکتے۔

فوج میں بھرتی کرنے سے پہلے آپ لوگوں کے جوابات تحریر کرتے ہیں اوران کو حلف کا پابند بناتے ہیں۔ یہ وہ مطبوعہ کاغذ ہے (بھرتی کا فارم دکھا کر) جس پر فوج کے آدمی بھرتی کئے جاتے ہیں۔ لوگ حلف اُٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے حلف کے پابند رہیں گے۔ تاہم کوئی ایک ہندو سپاہی بھی جو حلف اٹھاتا ہے، باوجود اس عہد اطاعت و وفاداری کے، جو وہ بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے، گائے کو نہ مارے گا۔ مثلاً اگر اس کا افسر اس کو گائے کے مارنے کا حکم دے اور وہ اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرے تو کیا عدالت کے سامنے اس کا چالان کیا جائے گا؟

اگر کمانڈر کسی ہندو یا مسلمان کو گائے یا سور کی چربی لگے ہوئے کارتوسوں کو استعمال کرنے کا حکم دے جس کو ہندو مسلمان چھُو بھی نہیں سکتے، اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کریں تو کیا ایسے سپاہی قانونی عدالت میں لائے جا سکتے ہیں؟

ملکہ کا قانون اس کے حقوق کی حفاظت کرے گا چاہے تعزیراتِ ہند کچھ ہی کہے جبتک کہ مَیں کوئی ایسا کام کرتا ہوں جس کا کرنا ازروئے قانون میرے لئے فرض ہے، اُس وقت تک تعزیراتِ ہند یا کوئی قانون فوجداری مجھے انگلی نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ وہ شاہی اعلان موجود ہے۔ جب تک کہ ملکہ کا وارث حکمران ہے، جب تک کہ بادشاہ کی تصویر یہاں دیوار پر آویزاں ہے آپ کو بحیثیت جج اپنے احکام اسی شاہی اعلان سے اخذ کرنے ہوں گے ورنہ میں سمجھوں گا وہ سب بھی محض ایک لفظی دھوکا تھا اور یہ جو کچھ رواداری کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ ہماری حکومت رواداری کے اُصول پر ہے) یہ سب باتیں بناوٹی ہیں اور فریب ہے۔

اس بھرتی کے کاغذ میں آپ دیکھئے کہ ایک سوال یہ ہے کہ کیا تم اس کے لئے تیار

ہو کہ خشکی یا سمندر پار جہاں کہیں بھیجے جاؤ، وہاں جاؤ گے اور اپنی ذات پات کے کسی رسم و رواج کو فوجی فرائض کی ادائیگی میں حارج نہ ہونے دو گے؟ تو گویا بھرتی کے وقت ہر سپاہی کو اس سوال کا جواب اثبات میں دینا ہوتا ہے اور پھر اس کاغذ پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ خود اس کاغذ کے دفعات سے فوج کا کمانڈر یہ سمجھ لینے کا حق نہیں رکھتا کہ اب کوئی مذہبی حکم سپاہی کے لئے قابلِ پابندی نہیں رہا۔ فرض کیجئے کہ سپاہی سے کہا کہ گائے کو مارو تاکہ اس کا گوشت افسر کے کھانے میں آئے اور سپاہی اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی مذہبی کتاب اور شاستر کا حوالہ دیتا ہے آپ کی تعزیرات کی کوئی دفعہ نہیں ہے جس کی مدد سے جج یا جیوری یہ کہہ سکیں کہ اس شخص کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کرتا ہے اگر آپ یہ کہہ دیں کہ ایسے شخص کو سزا دی جا سکتی ہے تو میں فوراً بیٹھ جاؤں گا۔ نہیں حضرات! آپ کو تعزیرات اور ہر دوسرے قانون کی ہر دفعہ پر قانون پیشہ اصحاب کی اصطلاح میں اس شرط کا اضافہ کرنا ہوگا کہ

Without prejudice to a man's religion.

"کہ شخص کے مذہب کے تعرض کے بغیر"

آپ کہتے ہیں کہ بعض مذموم کام اس میں ایسے ہیں مثلاً ستی وغیرہ، جن کو ہم روا نہیں رکھ سکتے۔ ایسی حالت میں آپ کو اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہم فلاں فلاں رسم و رواج کی اجازت دیتے ہیں اور فلاں شرائط کے ساتھ ہم اندھی رواداری برتیں گے قتلِ عمد بھی قتل نہیں ہے جب کسی شخص کا مذہب اس کا مطالبہ کرتا ہو، اور ملکہ نے اپنے اعلان کے ذریعے سے ایسے مذہب کو بھی قانون کی حفاظت میں لے لیا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ اس ملک میں بہت سے مذاہب اور فرقے ہیں۔ ہاں تو پھر آپ کو اس کا اعلان کر دینا چاہیئے تھا کہ فلاں فلاں مذہب قانون کی حفاظت میں لئے جائیں گے آپ کو صاف طور پر کہہ دینا چاہیئے تھا کہ صرف ان شرطوں پر جو کوئی ہماری سلطنت میں رہنا چاہے اس کو رہنے دیا جائے گا اور وفادار رعایا میں شمار کیا جائے گا پھر جو شخص

وفاداری کے اس محدود حلقہ میں رہنا پسند نہ کرتا وہ یا تو اس سلطنت سے چلا جاتا، یا آپ کو ہی ٹھوکر مار کر نکال دیتا۔

میرے دوست (وکیل سرکار) نے آپ سے کہا ہے کہ ہم دل کے بہت سچے ہیں اور صاف اور بے لاگ لوگ ہیں۔ میں اس تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن انہوں نے یہ تعریف ایک خاص غرض کے لئے کی تھی اور میں اس کو اپنے اغراض کیلئے استعمال کرتا ہوں۔

حضرات! یہ تو آپ نے اب سمجھ لیا ہوگا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کو آسانی کے ساتھ دھمکا کر سزا سے بچنے کی غرض سے جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ اگر ہم واقعی اس شہادت کی بنا پر جو آپ کے سامنے ہے، سزا کے مستوجب سمجھے جائیں، اس مقدمہ میں جو کچھ ثبوت ہے وہ بہت ہی کمزور ہے، اور میں ان خفیف باتوں کے متعلق آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ میں خود بھی اس قسم کے مباحث کے متعلق اپنے دماغ کو پراگندہ کرنا نہیں چاہتا۔ جیسے کہ یہ سوال کہ تم کس وقت قیام گاہ سے گئے اور کس وقت واپس آئے یا سبجیکٹ کمیٹی کے متعلق وہ باتیں جن سے ہمارا باہمی تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تعلق کس سے؟ اپنے بھائی سے میرا تعلق، ایسا ہی تعلق ثابت کرنا تھا تو پھر وکیل سرکار اسی طرح ہماری ساری سوانح عمری پیش کر دیتے اور تاریخ وار اس شہادت کو آپ کے سامنے رکھتے کہ میرے بھائی میری ولادت کے وقت موجود تھے، یہ کہ ہم ایک ہی گھر میں رہتے تھے، یہ کہ جب ہم سکول میں تھے تو میرے بھائی میرے جیب خرچ کو چھین لیا کرتے تھے اور جب میں وہ روپیہ ان سے طلب کرتا تو مجھے مارتے مارتے نیلا کر دیتے تھے (قہقہہ) اس کا نام باہمی تعلق و سازش ہے۔

حضرات جیوری! یہ سب بہت ہی کمزور اور خفیف شہادت و ثبوت ہے۔ اصل بحث صرف یہ ہے کہ ملکہ کا اعلان مسلمانوں کے مذہب کی حفاظت کرتا ہے یا نہیں؟

میرا پورا جواب یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان سپاہیوں سے کہتے ہیں کہ وہ برطانوی فوج کی ملازمت ترک کر دیں اور دوسرے لوگوں سے کہتے ہیں کہ وہ بھرتی نہ ہوں اور یہ ثابت

کرتے ہیں کہ یہ سب احکام قرآن میں موجود ہیں تو پھر ہم قانون کی گرفت سے محفوظ ہیں آپ ہم کو سزا نہیں دے سکتے۔ جس بات میں تعزیرات ہند قرآن کے خلاف نہیں، اس بات کے متعلق اس کے احکام قابلِ نفاذ ہیں مگر جب وہ قرآن کے خلاف ہے تو اس کے احکام ناقابلِ نفاذ ہیں اور ان کو خارج کرنا پڑے گا، ساری بحث یہ ہے! اگر میں اس بحث میں غلط ہوں تو جج فیصلہ کر دیں، میں اسی پر قناعت کروں گا۔

حضرات! آپ انفرادی رائے کے متعلق جس کا اثر مقدمہ پر پڑتا ہے، جو کچھ وکیل سرکار کہتا ہے اس پر یقین نہ کیجئے۔ گو اس صورت میں بھی (یعنی اگر یہ ہماری ذاتی رائے ہے) آپ کو شخصی محسوساتِ مذہبی کا خیال کرنا ہوگا۔ میں نے آپ کے سامنے ۴۴ حدیثوں میں سے ۱۷ یا ۱۸ اور چھ ۶ آیاتِ قرآنی پیش کر دی ہیں جن کا مولانا حسین احمد صاحب نے حوالہ دیا تھا۔ ان حوالوں سے اراکین جیوری اور جج نہایت صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ (از روئے مذہب) ایک مسلمان کو (کیا کرنا اور) کیا نہ کرنا چاہئے وکیل سرکار نے یہ بھی فرمایا کہ آیات سلسلہ عبارت و متن سے جدا کر کے بیان کی گئیں ہیں۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے میں نے خود قرآن کریم سے بہت طویل حوالے دیئے ہیں تاکہ آپ سلسلہ عبارت اچھی طرح سمجھ سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کسی مسلمان سے دریافت کریں۔ کسی آدمی کو بلا لیجئے۔ حتیٰ کہ عدالت کے چپراسی سے، جو کچھ میں کہتا ہوں قرآن میں لکھا ہے یا نہیں؟ اگر وہ قرآن پڑھ سکتا ہے تو با آسانی آپ کو وہ مقام بتا دے گا، اور اگر عربی جانتا ہے تو وہ آپ کو اس کے معنے بھی سمجھا دیگا۔ اس باب میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا۔

میں گورنمنٹ اور "استغاثہ" سے دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ کسی آدمی کو پیش کریں، کوئی عالمانہ رائے یا فتویٰ پیش کریں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں غلط ہے۔ یہ ممکن ہے کہ شیعہ اور سنیوں کے درمیان کوئی اختلاف ہو، بلکہ مسئلہ خلافت کے متعلق اختلاف ضرور ہے۔ شیعہ سلطان کی خلافت کو نہیں مانتے اور کسی دوسرے مسئلہ کے متعلق بھی ممکن ہے کہ کچھ اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ کے متعلق

تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عام طور پر عدمِ اشتراکِ عمل (نان کو اپریشن) کے متعلق بھی ممکن ہے کہ اختلاف رائے ہو۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگ ہوں جو خطابات یا ملازمت یا اس کو ان کی سرکاری امداد کو ترک کرنے کے خلاف ہوں۔ ممکن ہے ایسے لوگ کہتے ہوں کہ یہ معاملہ تو لین دین کا ہے، دوستی یا اشتراکِ عمل کا نہیں ہے۔ اسکولوں کی سرکاری امداد کو خواہ ہم لیں یا نہ لیں، بہر حال وہ تو ایک قلیل التعداد جماعت ہے جو ایسا کہتی ہے اور اس میں سے بھی بہت سے وہ ہیں جنہوں نے اپنے کو حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے لیکن جہانتک مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنے کا مسئلہ ہے، کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ یہی اصل بحث ہے۔

حضرات! اب میں فرد قرار دادِ جرم کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں حضرات! یہ آپ کا کام ہے نہ میرا کہ فرد قرار دادِ جرم میں الزامات کے غلط تعین پر اعتراض کریں۔ مگر مجھے اس معاملہ میں کسی سے خطاب کرنا ہوگا تو میں جج سے خطاب کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایسا کروں تو یہ میرے حقوق کی حدود کے اندر ہے۔ جہاں تک آپ حضرات کا تعلق ہے میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ انتشار پیدا کرنے کیلئے تعزیرات ہند کی بہت سی دفعات کو ایک ہی جگہ اکٹھا کیا گیا ہے۔ مثلاً دفعات ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۲۰ اب، ۱۳۱، ۵۰۵۔ باوجودیکہ دفعہ ۲۳۳ ضابطہ فوجداری کا صاف مفہوم کلیہ یہ ہے کہ مختلف دفعات کو ایک ہی فرد قرار دادِ جرم میں اکٹھا نہیں کیا جا سکتا، دفعہ ۲۳۳ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"لازم ہے کہ ہر جرم جداگانہ کی بابت جس کا کسی شخص پر الزام لگایا جائے فرد قرار دادِ جرم علیحدہ اور ویسے ہی ہر الزام کی تجویز بھی جداگانہ ہونی چاہیئے، بجز ان صورتوں کے جو دفعات ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۹ میں مذکور ہیں"۔

دفعہ ۲۳۴۔ "جب ایک شخص کی نسبت ایک ہی قسم کے ایک سے زیادہ جرائم لگائے گئے ہیں جو جرمِ اوّل سے لے کر جرمِ آخر تک عرصہ ۱۲ ماہ

کے اندر سرزد ہوئے ہوں تو جائز ہے کہ اس پر ایک ہی وقت میں چند جرائم کا الزام جو تین سے زیادہ نہ ہوں، عائد ہو۔

عدالت: میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں کہ آپ جیوری کو یہ سب پڑھ کر سُنانے کی تکلیف کریں۔ اب مقدمہ کی اس منزل پر فرد قرار داد جرم کو بدل کر دوبارہ مرتب نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا محمد علی صاحب: عام قاعدہ یہ ہے کہ اشخاص پر الگ الگ مقدمہ چلایا جائے اور الزامات پر الگ الگ کارروائی ہو۔ اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو ملزم کو اشتراکِ الزامات سے نقصان پہنچے گا، اور اس کا اثر حضرات جیوری پر پھر ملزم کے خلاف پڑیگا میں نہیں جانتا یہ تمام دفعات کیوں جمع کر دی گئی ہیں۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گویا استغاثہ کے تمام نمائندوں نے ایک سازش مجرمانہ کی ہے (قہقہہ) اور قانون کی اتنی دفعات کو جمع کر دیا ہے کہ ہر شخص کا دماغ منتشر ہو جائے۔

مجھے نہیں معلوم کہ آپ حضرات میں سے بھی کسی نے ان دفعات کو صاف طور پر سمجھا ہے، مَیں تو کچھ بھی نہیں سمجھا کہ فرد قرار دادِ جرم کی پہلی دفعہ کیا ہے اور دوسری کیا ہے، اور آپ کے سامنے بحیثیت جیوری کے کونسا حصہ پیش ہوگا اور بحیثیت اسیسروں کے کونسا حصہ پیش کیا جائے گا۔

آج کے دن تک یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔ جب میں والیئر سے یہاں لایا جارہا تھا تو ٹرین میں جو پولیس کے آدمی میری نگرانی کے لئے ساتھ تھے ان میں سے ایک نے دریافت کیا کہ مجھ پر کس جرم کا الزام لگایا گیا ہے۔ مجھے خود معلوم نہ تھا مگر میں نے کہا کہ وارنٹ میں تو دفعات ۱۲۰، ۱۳۰، ۵۰۵، ۱۱۷ کا حوالہ دیا ہے وہ بہت ہی سوکھے منہ سے کہنے لگا کہ "اجی گھر کی ہی تو ہیں جتنی چاہیں لگا دیں"۔ (قہقہہ)۔

معلوم نہیں آپ میں سے کسی صاحب نے کبھی بلیرڈ بھی کھیلا ہے یا نہیں بلیرڈ بلیرڈ کے کھیل میں تین گیندیں ہوتی ہیں اور اس طرح ایک گیند کو لکڑی سے مارنا ہوتا ہے کہ وہ یا تو باقی دونوں گیندوں سے ٹکرائے یا کسی ایک سے ٹکرا کر میز کے کونے میں

تھیلیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں، ان میں سے کسی میں جا پڑے۔ مگر بعض اوقات یہ گیندیں میز پر کچھ اس طرح رکھی ہوتی ہیں کہ کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ کیونکر ان کو ٹکرایا جائے اور نئے کھیلنے والے کو اکثر یہ مشکل پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں تجربہ کار کھلاڑی آپ کو یہ مشورہ دے گا کہ زور سے مارو اور قسمت پر بھروسہ کرو (قہقہہ) اس طرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نمبر مل جاتے ہیں۔ اس کو "فلوک" کہتے ہیں۔ فریق مخالف تو اس کو "فلوک" کہتا ہے۔ مگر نئے کھیلنے والے کے لئے یہ بھی ایک بڑا مشکل ہاتھ ہوتا ہے (قہقہہ)۔

حضرات! بس بالکل یہی صورت استغاثہ نے فرد قرار داد جرم کے متعلق اختیار کی ہے۔ اس نے زور کا ایک ہاتھ مار دیا ہے اور اب آپ کے اور جج کے فیصلہ پر بھروسہ یا آخر بہت سی دفعات سے کوئی نہ کوئی تو چسپاں ہو ہی جائے گی، یا سارا معاملہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ خاص خاص جرائم جن کے ارتکاب کا الزام ہم پر لگایا گیا ہے، دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم نے آپس میں ایک سمجھوتہ کیا جو سازشِ مجرمانہ کا مترادف ہے اور دوسرے یہ کہ ہم نے ایک جرم کا اقدام کیا (اس موقعہ پر عدالت نے کچھ کہا) یعنی ہم نے آپس میں ایک فوجداری کے جرم کے ارتکاب کا سمجھوتہ سازشِ مجرمانہ ہے اور دوسرے یہ کہ اس سازش کے مطابق ہم سے کوئی فعل سرزد ہوا۔ شروع کے یہ دو الزامات ہیں۔ ان کے بعد یہ بحث ہے کہ میں نے ایک ایسی تقریر کی جو فوج کے سپاہیوں کو ان کی وفاداری سے روگرداں کر سکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے ملزمین کی اعانت ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جو بحث آپ کے سامنے بحیثیت جیوری کے پیش ہوگی وہ مفروضہ سازش کے سلسلہ میں اقدامِ جرم ہے۔ میں اوّل پہلے الزام کو لیتا ہوں یعنی ملزموں کا باہمی سمجھوتہ۔ مجھے شبہ ہے کہ آیا آپ صاحبان میں سے کسی کو یہ معلوم ہے کہ تعزیراتِ ہند میں ان دفعات ۱۲۰ الف ۱۲۰ ب کا اضافہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کیا گیا تھا اور میں خود کونسل کے اس جلسہ میں موجود تھا جس میں کہ قانونِ سازش پاس کیا گیا تھا۔ میں دوپہر کے وقت جب کونسل کا اجلاس تھوڑی دیر کے لئے ملتوی تھا۔ اخبار نویسوں کی گیلری میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت جب میرے پرانے دوست سر ولیم ونسنٹ اس طرف آئے تو میں ایک مشہور اخبار نویس

کے پاس جواب اعتدال پسند طبقے کے لیڈر اور حکومت کے بہت ہی خاص احباب میں سے بیٹھا ہوا تھا۔ سر ولیم ونسنٹ نے از راہِ مذاق پوچھا کیا آپ دونوں صاحب سازش کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ سازش کرنے کے لئے باہم اتفاق رائے ضروری ہے مگر جیسا کہ آپ کو معلوم خُوب معلوم ہے کہ میں کبھی کسی کے ساتھ متفق الرائے نہیں ہوتا۔

(قہقہہ)

حضرات جیوری! اس معاملہ میں بھی کوئی اتفاق رائے نہ تھا۔ اتفاق رائے کے متعلق کوئی شہادت نہ یہاں پیش ہوئی نہ عدالت ماتحت میں۔ وکیل سرکار فرماتے ہیں کہ "یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ ہم کو (بر بنائے حالات سمجھ لینا چاہیئے) فرض کر لینا چاہیئے" تو گویا محض "فرضیات" کی بنا پر مجھ کو حبسِ دوام وعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی اپنے اہل وعیال سے جُدا کیا جائے گا، میری لڑکیوں سے جُدا کیا جائے گا، میری بی بی اور بوڑھی ماں سے جُدا کیا جائے گا اور مُلک سے کہ یہ جُدائی میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے اور پھر یہ سب کچھ محض ایک مفروضہ جُرم کی بِنا پر! ایک بھی گواہ ایسا نہ آیا جس نے یہ کہا ہو کہ اس معاملہ کے متعلق ہماری آپس میں کوئی بحث ہوئی تھی۔

مجھے یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ جج صاحب ہم سے جو سوال کرتے تھے تو کیا اُن کا منشا یہ تھا کہ ثبوت کی شہادتوں میں جو خلا رہ گیا ہے اُس کو پر کر دیں۔ بہر حال میں نے تو ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ فوج کے متعلق ہم نے کبھی آپس میں مشورے نہیں کئے۔ ثبوت کی طرف سے کہا گیا ہے کہ ہم سے زیادہ ملزم واقفِ حال ہیں۔ میرے خیال میں یہ بالکل سچ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ استغاثہ کی معلومات بہت ہی قلیل ہیں (قہقہہ) ۔ مگر وہ عدالت نواز پولیس کی مدد سے یا اعانت سے اس کی معلومات میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہے (قہقہہ) ۔ بیشک ملزمین وہ جانتے ہیں جو استغاثہ نہیں جانتا۔ لیکن کیا انہوں نے اپنے سارے دلائل عدالت ماتحت کی میز پر نہیں رکھ دیئے تھے۔

حضرات! عدالت ماتحت میں جو بیان میں نے دیا تھا، اس کو عدالت کے پیش کار نے آپ کے سامنے پڑھا ہے۔ اس بیان میں میں نے اس استغاثہ کی حقیقتِ واقعی کو

اچھی طرح واضح کر دیا تھا اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ نے اس کو بہت غور کے ساتھ سُنا ہوگا۔ سارے مقدمہ کی اصلیت اس بیان میں موجود ہے۔ مجھے بہت صاف گو سمجھا گیا ہے۔ ہم سب بہت صاف لوگ ہیں۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ کی رائے میں ہم لوگ راست گو بھی ہوں گے۔ جہاں تک کہ فوج سے کچھ کہنے کے متعلق باہمی قرارداد کا سوال ہے، سوائے اس ریزولیوشن کے جو آپ کے سامنے ہے کسی بات کے کہنے کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ اتنا بھی نہیں کہ فوج کو یہ بتا دیا جائے کہ قانون اسلام کیا ہے۔ لیکن جس دن کسی شخص نے یہ کہا کہ میں مسلمان ہوں، معاً اس کا یہ فرض ہو گیا کہ جو کچھ قرآن میں ہے اس کی تعمیل کرے۔ اگر میں قرآن کے آدھے لفظ کو بھی قبول نہ کروں تو میں مسلمان نہیں۔ چاہے میں کیسا ہی بڑا گناہ گار ہوں، کتنے ہی زیادہ گناہ کرتا ہوں، میں پھر بھی مسلمان رہوں گا بشرطیکہ اس قرآن کی ہر بات کو قبول کرتا ہوں۔ لیکن جس وقت میں اس کی کسی بات کو قبول نہ کروں تو میں کتنا ہی نیکوکار اور متقی و پرہیزگار ہوں، مسلمان کسی طرح نہیں رہ سکتا چونکہ قرآن میں ہے۔ اس کو ہر شخص کو بتانا اور غیر مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرنا اسی قانونِ قرآنی کے تحت مجھ پر فرض ہے۔

میرے محترم دوست مولانا حسین احمد صاحب کو دیکھئے۔ مدینہ میں درس دیتے تھے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مغفور کے شاگرد ہیں۔ ان کو حجاز میں گرفتار کیا گیا اور وہاں سے مصر و مالٹا لے گئے۔ اس سے پہلے دس برس تک صاحب موصوف مدینہ میں درس دیتے رہے تھے۔ وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے تھے۔ فرض کیجئے کہ وہ اپنے گھر کے باہر بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کریں اور ان ہی آیات کو پڑھیں:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○	جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے وہ اس کا بدلہ جہنم میں پائے گا، اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ خدا اس پر غصہ کرے گا اور لعنت بھیجے گا اور خدا نے اس کے لئے ایک سخت عذاب

(سورہ نساء آیۃ ۹۳) رکھا ہے۔

اب فرض کیجئے کہ دورانِ تلاوت میں ایک مسلمان سپاہی ان کے پاس سے گزرتا ہے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ مولانا حسین احمد صاحب دفعہ ۵۰۵ تعزیراتِ ہند کے تحت میں کسی جرم کا ارتکاب کیا؟ اگر ایسا ہے تو پھر رواداری کے یہ لمبے چوڑے دعوے کیوں ہیں؟

یا یوں فرض کیجئے کہ ایک سپاہی مسجد میں آتا ہے تو کیا مولانا مجرم ہوں گے اگر وہ نماز میں ان آیات کو پڑھیں، جبکہ سپاہی بھی وہاں موجود ہو؟ ایک دوسری صورت لیجئے۔ ایک سپاہی آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ مولانا میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، کہ شریعتِ اسلامی کا حکم کیا ہے۔ مجھے عراق عرب بھیجا جاتا ہے اور وہاں خلیفۃ المسلمین کے خلاف لڑنا پڑیگا۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں وہاں جاؤں اور مسلمانوں سے لڑوں؟

مولانا جواب دیتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ یہ فرمائیں کہ جائز ہے تو وہ خود کافر ہوئے جاتے ہیں اور اگر وہ خاموش رہیں تو خدا ان پر لعنت کرے گا، اور ساری دنیا ان پر لعنت کرے گی۔ پس ان کو تو یہی کہنا ہوگا کہ نہیں، یہ عمل جائز نہیں ہے ایک مذہبی درس دینے والے کی حیثیت سے ان کا یہ فرض ہے کہ جو کوئی شخص آئے، اور ان سے سوال کرے کہ قانونِ شریعت کیا ہے؟ تو وہ اس کو قانونِ اسلام صحیح طور پر سمجھائیں لیکن اگر وہ تعزیراتِ ہند کے خوف سے کلمۂ حق نہیں کہتے، تو پھر خدا کی لعنت کا سوال آتا ہے۔

اور ایک مثال بھی لیجئے۔ فرض کیجئے کہ مولانا ریلوے ٹرین میں سفر کر رہے ہیں اور ان کے ہمسفر کچھ مسلمان ہیں۔ جو دوسرے مسلمانوں سے یا خلیفۃ المسلمین سے یا ایسے لوگوں کے خلاف جو جہاد کر رہے ہیں، لڑنے کی غرض سے عراق عرب جا رہے ہیں۔ مولانا ان سے کہتے ہیں کہ یہ عمل ناجائز ہے اس کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔" اب سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں آپ مولانا کو قانون کی

حفاظت سے محروم کر دیں گے؟ شاید آپ کہیں کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اگر وہ اس قسم کے احکام نماز میں پڑھیں یا جب کوئی شخص آئے اور ان سے شریعتِ اسلامی کے متعلق سوال کرے تو وہ بحیثیت ایک مبلغ کے اس کو جواب دے دیں لیکن ان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر باآوازِ بلند اس قسم کے احکام کا اعلان کریں۔ ایسی حالت میں تو اغوا کا جرم عائد ہو گا اور ان کا یہ فعل دفعات ۵۰۵، ۱۱۶ اور ساتھ ہی ۱۲۱ الف اور ۱۲۱ ب کے تحت میں آجائے گا۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ اگر آپ ایسا کہیں تو یہ بھی خلافِ رواداری ہے۔ اس لئے کہ قرآن نے صاف طور پر طے کر دیا ہے کہ کس کی نجات ہو گی اور کس کی نہ ہو گی۔ اس موقعہ پر مولانا نے قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی۔

میں قرآن کی اس چھوٹی سی سورت کا حوالہ دیتا ہوں جس میں خدا نے تاریخِ عالم کی قسم کھائی ہے۔ رب العالمین فرماتا ہے :۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝	عصر کی قسم کہ (سارے) آدمی گھاٹے میں ہیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے اور ایک دوسرے کو حق کی پیروی کی ہدایت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو مصیبت میں صبر کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔

قرآن کی اس سب سے چھوٹی سورت نے ایک مسلمان کی نجات کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں، اس کی نجات منحصر ہے ان شرطوں پر۔ اوّل یہ کہ وہ ایمان رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ اس ایمان کے مطابق عمل کرتا ہو۔ اگر ایک شخص ایمان رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو، خیرات دیتا ہو، رمضان میں روزہ رکھتا ہو، حج کرتا ہو، کسی شخص کو نقصان نہ پہنچاتا ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بس اس پر اس کی نجات ہو جائے گی؟ نہیں، اس لئے کہ قرآن کا حکم ہے (یہ تیسری شرط ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہو گا) کہ ہم کو باہر جا کر ہر شخص کو ان نیک باتوں کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان احکام کی تبلیغ و اشاعت کریں۔ ہم صرف اس لئے

پیدا نہیں کئے گئے ہیں کہ محض اپنے کو عذاب آخرت سے محفوظ کرلیں بلکہ ہمارا فرض تو یہی ہے کہ اپنے پڑوسیوں کی نجات کی فکر کریں۔ پس وہ تین چیزیں جن پر عمل کرنا ایک مسلمان کا فرض ہے یہ ہیں کہ وہ ایمان رکھے، اپنے ایمان کے مطابق عمل کرے اور اپنے عقائد کی اشاعت و تبلیغ کرے۔ اگر ایک مسلمان یہ کہے کہ میرا ایمان یہ ہے کہ ایک مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے مگر پھر بھی جائے اور مسلمان کو قتل کرے تو شاید اس کو عذاب سے نجات تو نہ ملے گی مگر وہ مسلمان ضرور ہے اگر وہ واقعی یہ سمجھتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس فعل کے حرام ہونے سے انکار کرے تو وہ قرآن کا منکر ہے اور اس حالت میں کافر ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ وہ اس فعل کو حرام سمجھتا ہے اور دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کرتا، پھر بھی اس کا عذاب سے بچنا مشکل ہے۔ اگر وہ خاموش بیٹھا رہے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کو قتل ہونے دے، پھر اگر خاموش بھی نہیں ہے اور دوسرے لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے، تب بھی اس کی نجات آسان نہیں تاوقتیکہ وہ تبلیغ و اشاعت کے کام کو باوجود اپنی کوششوں کی ناکامی کے مسلسل جاری نہ رکھے۔ اگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہتا ہے اور دفعات ۵۰۵ اور ۲۰۷ کے تحت میں اس کو سزا دی جاتی ہے اور جیل خانہ جاتا ہے تو پھر وہ کیا کرے؟ اس کو صبر کرنا چاہیئے، چاہے پھانسی پر چڑھا دیا جائے چاہے اس کی کھال کھینچ لی جائے، اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں، مگر اس کا فرض ہے کہ صبر کرے اور اپنے کام میں مستقل رہے۔ اسی وقت اور صرف اسی وقت اس کو نجات حاصل ہوگی اور وہ عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اس کو ہرگز یہ کوشش نہ کرنی چاہیئے کہ خدا کے قانون کا آدھا لفظ بھی بدل دے۔ اس کو اس قانون پر قائم رہنا چاہیئے اور تمام نتائج کے لئے تیار۔

حضرات! جنّت میں جانا اور حوروں کی ہم آغوشی کی اُمید کرنا کوئی ایسی آسان چیز نہیں ہے۔ ایک اردو شاعر نے کہا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

محض مونچھوں کو کٹوا لینے، لمبی داڑھی بڑھا لینے اور وظیفہ پڑھنے سے کوئی شخص

مسلمان نہیں ہوتا۔ یہ باتیں بھی ان کے لئے فرض ہیں مگر اور دوسری باتیں بھی لازمی ہیں اس لئے کہ از روئے حدیث یہ تمام چیزیں ہمارے اُوپر فرض کی گئی ہیں۔ صرف یہی کافی نہیں ہے کہ میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک نہ ہوں، میرا تو یہ بھی فرض ہے، کہ میں جاؤں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے مذہبی بھائیوں کے خلاف جنگ کرنے سے احتراز کرنے پر آمادہ کروں۔ میں ان کو آمادہ کرنے کا ہر امکانی طریقہ اختیار کروں۔ میرا فرض ہو گا کہ رائفل اس کے ہاتھ سے لے لوں مگر زبردستی اور جبراً نہیں بلکہ اس کو صاف طور پر مذہبی قانون سمجھا کر۔ ہماری نجات اس وقت ہو گی جب ہم ان لوگوں کو دوسرے مسلمانوں کو قتل کرنے اور لڑنے سے باز رکھ کر نجات دلوا دیں۔

حضرات! کرنل گوہر کی طرح ایک دوسرے صاحب بمبئی گئے تھے، ان کا نام کرنل ڈریج ہے۔ پائنیر کے ایک تار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ اکتوبر کو اس بہادر افسر نے جو شملہ سے فوجی محکمہ کی طرف سے تشریف لا کر میرے ہم پیشہ صاحب سے ملاقات کی۔ شاید اس غرض سے ملاقات کی ہو کہ ان کو بھی اغوا کریں اور اپنے فرض کی انجام دہی سے باز رکھیں۔ غرض تمام مقامی اخبارات کے ایڈیٹر اور خبر رساں ایجنٹوں کو ایک کانفرنس میں مدعو کیا گیا اور اس موقع پر منجملہ اور باتوں کے اس فوجی افسر نے ہماری گرفتاری کے متعلق حسب ذیل خیالات ظاہر کئے۔ ہمارا مقدمہ ہنوز عدالت میں زیر تجویز ہے اور معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ شملہ میں وائسرائے سے لے کر اس فوجی افسر تک سب کو یہ حق حاصل ہے کہ مقدمہ زیر تجویز کے متعلق جو چاہیں کہیں (قہقہہ)۔

(اس موقعہ پر مولانا محمد علی صاحب نے ایک اخبار سے حسب ذیل الفاظ پڑھ کر سُنائے)

"علی برادران کی گرفتاری کا ذکر کرتے ہوئے کرنل ڈریج نے کہا کہ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جو لوگ فوج کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان سے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ کیا ان کے خیال میں ایک ایسا سپاہی جو فوج سے بھاگ جائے وہ کسی دوسرے مقصد کے ساتھ جس میں اس کو شریک ہونے پر آمادہ کر لیا گیا ہو، وفاداری کر سکتا ہے"۔

یہ کرنل نیچ صاحب ہیں جو بقول اپنے بحیثیت ایک سپاہی کے یہ رائے ظاہر فرما رہے ہیں۔ شاباش کرنل نیچ! (قہقہہ) ایک سپاہی کی زبان سے یہ اصول کس قدر صحیح اور یہ منطق کس قدر معقول معلوم ہوتی ہے (قہقہہ) لیکن میں ایک سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلم کے نقطہ نظر سے پوچھتا ہوں کہ اغوا کرنے والا کون ہے؟

ہر بچہ جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے خدا کا سپاہی ہے اور کرنل نیچ اور کرنل گیور جیسے لوگ وہ ہیں جو اس کو اس کے اوّلین فرائض سے اور خدا کے ساتھ اس کی وفاداری سے اغوا کرتے ہیں۔ کیا ہم بھی اسی طرح ان نیچ اور گیور قسم کے لوگوں سے دریافت نہیں کر سکتے کہ کیا خدا کے سپاہی جو خدا کی فوج سے بھاگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ اور اس مقصد کے ساتھ وفاداری کر سکتے ہیں جس میں ان کو کامیابی کے ساتھ اغوا کر کے شریک ہونے پر رضامند کیا گیا ہو؟

انسان کا پہلا فرض بجا آوری احکام خدا ہے۔ قرآن ہم کو بتاتا ہے کہ انسانوں کی رُوحوں کو اجسام کے اندر داخل کرنے سے پہلے خدا نے ان سے سوال کیا کہ اَلَستُ بِرَبِّکُم (کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟) اور انہوں نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا تھا کہ قَالُوا بَلٰی (بیشک)۔

خیر حضرات! ان سب رُوحوں پر تو خاک ڈالئے۔ دفعات ۱۲۰ الف ۱۲۰ ب کے تحت میں مجرمانہ سازش کا جرم قائم کرنے کے لئے جس قدر "باہمی قرار داد" کا ثبوت کرنا ضروری ہے وہ موجود ہے (قہقہہ)۔ مگر حضرات! سپاہی کو اس کے اصلی فرض سے اغوا کرنے والے تو اسی قسم کے لوگ ہیں جیسے کہ شملہ کے محکمہ فوج کے نیچ اور مغربی فوج کے سپہ سالار گیور۔

اگر آپ کوئی مذہب رکھتے ہیں، آپ ایمان رکھتے ہیں تو آپ کا پہلا فرض، اور اوّلین وفاداری تو وہی ہے جو خدا کے متعلق آپ پر عائد ہوتی ہے۔ کیا یہی فرض ان عیسائیوں کا نہیں ہے جو مسیح علیہ السّلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہی فرض ہندوؤں کا نہیں ہے۔ کیا ایک ہندو کا پہلا فرض یہ نہیں ہے کہ سب سے پہلے سری کرشن جی

کے احکام کی تعمیل کرے؟ پھر بھی ہم بادشاہوں کے ساتھ وفاداری کا راگ گائے جاتے ہیں۔ مسلمان نے نہیں بلکہ ایک انگریز نے، ایک عیسائی نے یعنی ایچ۔ جی ویلز نے جنگ کے بعد ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ ساری برطانوی قوم پر ایک تبصرہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ میں سے کسی صاحب نے کسی کتاب کو پڑھا ہے یا نہیں۔ اس کا نام Mr Brittling Sees it through ہے اور وہ کہتا ہے (اس کتاب کو پڑھا تو معلوم ہوا) کہ مسٹر برٹلنگ کی چشمِ بصیرت جو ایک اوسط درجہ کے انگریز سے مُراد ہے گذشتہ خوفناک جنگ کے واقعات میں کیا دیکھتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب سب سے پہلی چیز ہے اور سب سے آخری چیز ہے۔ جو شخص مذہب سے اپنی زندگی شروع نہیں کرتا اور اسی پر زندگی ختم نہیں کرتا، اُس نے سچّی زندگی بسر نہیں کی۔ وُہ زندگی کے حقیقی معنی سے ناآشنا ہے۔ اس کی اطاعت اور وفاداری کا پہلا فرض خدا سے متعلّق ہے۔ ممکن ہے کہ وہ عزّتِ نفس کے چند پُرزے اور اس قسم کے چند پارہ ہائے وفاداری رکھتا ہو۔ مگر جب خدا کے ساتھ اُس کی وفاداری کے امتحان کا وقت آتا ہے تو یہ پارہ ہائے وفاداری اور عزّتِ نفس کے یہ پُرزے سب کاغذ کے اُن پُرزوں کی طرح ثابت ہوتے ہیں جن کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ جل کر بھسم ہو گئے اور اُنکی خاک ہوا میں اُڑ گئی اور اس کا کوئی نشان سوائے اِس کے باقی نہ رہا کہ کسی شخص کی اُنگلیاں اُس راکھ سے کالی ہو گئیں۔ یہ ذراسی راکھ اس قسم کی وفاداری کی حقیقت ہے۔

ایک اوسط درجہ کا انگریز (بقول ویلز) گذشتہ جنگ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے محسوسات عام طور پر شائع ہوتے ہیں۔ اس جنگ کے بعد بھی ہندوستان میں خدا کے قانون کو کوڑے کی طرح پھینکا جاتا ہے۔ اس بیان پر کہ انسانی قانون (یعنی دفعات ۱۲۰ب، ۱۳۱، ۵۰۵ اور ۱۷۱) کو خدا کے قانون پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جب میں سوراج حاصل کر لوں گا تو سب سے پہلے اس امر کا انتظام کروں گا کہ کوئی شخص میرے ہم وطنوں کو ان کی اصلی وفاداری سے اغوا نہ کر سکے۔ لیکن جبتک میں برطانوی ہندوستان میں رہنا چاہتا ہوں اس وقت تک میں مطالبہ کرتا ہوں کہ ملکہ کے

اعلان کی بنا پر میرے مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے۔ اگر میں ہندو ہوتا تب بھی بحیثیت ایک ہندو کے یہی کہتا جو اب کہہ رہا ہوں۔ یہ مسیح علیہ السلام سے کیا کیا اقوال منسوب کئے جاتے ہیں۔

(عدالت نے اس موقع پر قطع کلام کیا اور یہ فقرہ بھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ عدالت نے اجلاس ختم کر دیا)۔

مولانا محمد علی صاحب: حضرات! عدالت نے میری تقریر کو اس وقت روکا جب میں مسیح علیہ السلام کا نام لے رہا تھا۔ میں کل آپ سے کہوں گا کہ وہ کیا بات ہے جو مسیح علیہ السلام سے منسوب کی جاتی ہے۔

اجلاس عدالت منعقدہ ۲۷ اکتوبر سنہ ۲۱

سلسلۂ تقریر مولانا محمد علی صاحب

عدالت کا اجلاس حسبِ معمول ۱۱ بجے شروع ہوا۔ مولانا محمد علی صاحب نے اپنا سلسلۂ کلام جاری کرتے ہوئے جیوری سے یوں خطاب کیا۔

حضرات جیوری میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتا رہا تھا کہ ملکہ نے جو اعلان ۱۸۵۸ء میں شائع کیا تھا، ۵۰ برس بعد اس کی توثیق شاہ ایڈورڈ نے اپنے اعلان کے ذریعہ سے کی اور نیز شاہ جارج پنجم نے بھی اپنی تخت نشینی کے وقت رؤسا اور اہلِ ہند کے نام ایک خط شائع کیا تھا جسمیں اسی اعلان کی توثیق تھی جس نے ملکِ معظم کے ہندوستانی رعایا کے معتقدات و مراسم مذہبی کو قانون کی حفاظت میں لیا ہے۔ میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے مقدمہ کا انحصار تمام تر اسی بحث پر ہے۔ اگر کوئی شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی، کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس کا کرنا مذہباً اس کے لئے فرض ہو تو چاہے وہ کام مجموعہ تعزیراتِ ہند یا کسی دوسرے قانون کے تحت میں جو برطانوی ہندوستان میں نافذ ہو، جُرم ہی کیوں نہ سمجھا جائے لیکن کوئی قانون اِس شخص کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا اور اُس کو کسی قانون کے تحت میں بھی سزا نہیں دی جا سکتی جیسا کہ اِن شاہی اعلانات میں کہہ دیا گیا ہے ہر ایسا شخص قانون کی حفاظت کا مستحق ہے لیکن محض اس کے بیان پر آپ یقین نہیں کر سکتے۔ بیشک اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ اُس کے مذہب کا حکم یہی ہے جو اُس نے کیا۔ اُس کو واضح طور پر بتانا ہوگا جیسا کہ میں نے کل آپ سے کہا تھا۔ یہ مقدمہ درحقیقت ایک نہایت اہم مقدمہ ہے۔ اس لئے کہ بہر حال اس مقدمہ کی اصل تنقیح تو یہی ہے کہ آیا خدا کا قانون بالاتر رہے گا یا انسان کا بنایا ہوا قانون خدا کے قانون

پر حاوی ہوگا - یہ کہ ملکہ کا شاہی اعلان کوئی قیمت رکھتا ہے یا نہیں - یہ کہ بادشاہ کا عہد کوئی قیمت رکھتا ہے یا نہیں - یہ کہ جج اس عہد کا پابند ہے یا نہیں - جج کی آخری تقریر کے بعد اُس معاملہ کی تشریح کرنا اور آپ کو سمجھانا میرے لئے ممکن نہ ہوگا مجھے معلوم نہیں کہ جج اپنی آخری تقریر میں کیا کہیں گے - مگر یہی ایک بحث ہے جس پر جج کی رائے نہایت اہم ہوگی۔

آپ کو (حضرات جیوری) قانون کا منشا نہ میں سمجھانے کا حق رکھتا ہوں اور نہ وکیل سرکار - بلکہ جج آپ کو قانون کی نوعیت بتائیں گے - مگر حضرات جیوری میں آپ کو ساتھ ہی ساتھ یہ سمجھا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ آج ایک ہندو یا مسلمان یا عیسائی کو خدا کے احکام کی بجا آوری کے حق سے محروم کرتے ہیں، اگر آپ اس فرض کے ادا کرنے سے اس کو روکتے ہیں جس کا ادا کرنا ہی اس پر لازم ہے، اور جس کے نہ کرنے کی حالت میں اس کے لئے تعزیر اور سزا، اِس دُنیا میں نہ سہی دوسری دُنیا میں مقرر ہو چکی ہے اور اگر آپ اُس کو وہ کام نہیں کرنے دیتے جس کا مذہب اُس سے مطالبہ کرتا ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ آپ خود اُس مذہبی آزادی کے تباہ کرنے میں حصّہ لیں گے جو ہم اس مُلک میں رکھتے ہیں اور از روئے اعلان شاہی دی گئی ہے - یہ کسی خاص مذہب کا سوال نہیں ہے بلکہ ہر مذہب حتیٰ کہ خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں کے مذہب کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی ضرور ہے - اگر اِن سب مذہبوں کی آزادی سلب کر لی گئی - تو کیا آپ اس کام میں شرکت کرنا پسند کریں گے۔

کل میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ مسٹر ایچ - جی ویلز نے اپنی کتاب God the invisible King (خدا یعنی وہ بادشاہ جو نظر نہیں آتا) اور نیز اپنی ایک دوسری کتاب میں جو ناول ہے The sole of the Bishop میں ایک دلچسپ باب لکھا ہے - مسیح علیہ السّلام سے یہ مقولہ منسوب کیا جاتا ہے کہ "قیصر کو دو جو کچھ اُس کا ہو، اور خُدا کو دو جو کچھ خدا کا ہو"

ویلز اس مقولہ کو لکھنے کے بعد سوال کرتا ہے کہ یہ "قیصر" کون ہے جو اس دنیا کی ملکیت میں خدا کا حصّہ دار بنتا ہے؟ ایسی کونسی چیز ہے جو "قیصر" کی ہو اور خُدا کی نہ ہو؟ دنیا دو حصّوں میں تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ اس طرح کہ ایک حصّہ خُدا کا ہو اور ایک "قیصر" کا۔ نہیں! برنٹ فورڈ کے دو بادشاہ نہیں ہیں۔ خدا ہی تنہا ایک حاکم ہے! پھر اگر بادشاہ یا کوئی دوسرا انسان، چاہے وہ کسی جمہوریہ کا صدر یا جج یا اراکینِ جیوری ہی میں سے کیوں نہ ہو، تم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اس کا مطالبہ خدا سے کرے اور خدا کے ذریعہ سے کرے۔ اگر قوم سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو خدا کے خلاف ہے تو اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا۔ صرف خدا ہی کا مطالبہ پورا کیا جا سکتا ہے اور بس۔

مسٹر ویلز لکھتے ہیں کہ یہی دنیا کا جدید مذہب قرار پانے والا ہے۔ دنیا کا یہ عام مذہب ہو سکے یا نہ ہو سکے مگر ہر مسلمان کا تو یقیناً یہی مذہب ہے۔ یہ سوال مجھے میرے ذاتی عقائد یا میرے ذاتی تخیّلات و توہمات کا نہیں ہے۔ مَیں گورنمنٹ سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں۔ وکیل سرکار سے کہتا ہوں کہ وہ اس مقدمہ میں کوئی ایک شخص مسلمان ایسا پیش کر دیں جو یہ کہہ دے کہ اگر باوجود احکامِ مذہب کے حکومت کہے کہ تم فلاں بات نہیں کر سکتے تو فرض یہ ہے کہ ہم کہیں کہ "بہتر ہے" اس حالت میں ہم کو حکومت کا اتباع کرنا چاہیئے"۔ اور اگر کوئی مسلمان ایسا کہہ دے تو مَیں صاف کہتا ہوں کہ وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے، اور مجھے یقین ہے، کہ ہندو، عیسائی، یہودی سب کی حالت یہی ہے۔ بلکہ ہر شخص کی یہی حالت ہے جو خدا پر ایمان رکھتا ہو۔

پس آپ کا فرض ہے کہ آپ ہر مسلمان کے حقوق کو جو ہندوستان میں رہتا ہو یا جہاں کہیں بھی رہتا ہو، شاہی اعلان کے تحت میں محفوظ رکھیں۔ بے شک ہر مسلمان کو ملکی قانون کی اطاعت کرنی چاہیئے مگر وہیں تک جہاں تک کہ اس کے ایمان میں رخنہ نہ پڑے۔

جب ہم نظر بند کئے گئے تھے تو اُس وقت بھی ہم نے یہی بات وائسرائے سے کہہ دی تھی جواب آپ سے کہہ رہے ہیں۔ جب گورنمنٹ ہم کو آزاد کرنا چاہتی تھی، مگر چند شرائط کے ساتھ یعنی کہ فلاں کام کریں فلاں نہ کریں تو ہم نے اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ ہم تمام شرائط کو مان لیں گے مگر اسی حد تک جس حد تک کہ وہ شرائط ہمارے مذہب میں مداخلت نہ کریں۔

آج سے بہت پہلے یعنی جولائی ۱۹۱۹ئہ کو ہم نے بیتول جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے ذریعہ سے جہاں ہم بند تھے، ایک خط وائسرائے کو بھیجا تھا۔ اس خط میں ہم نے لکھا تھا کہ :۔

"چونکہ بظاہر حکومت واقف نہیں کہ کس طرح ہمارا مذہب ہمارے تمام اُن اعمال پر اپنا رنگ چڑھاتا ہے اور (کس حد تک اس کا یہ اقتضا ہے) جس کے اندر ایسے اعمال بھی شامل ہیں جن کو بہ نظر آسانی اکثر احمقانہ —— Mundane کہا جاتا ہے۔ ایک چیز صاف طور پر بیان کر دینی چاہیئے اور وُہ یہ ہے کہ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ کوئی ایمان والا جبر کافی یقین دلانے والی شہادت کے دوسرے ایمان والے کے خلاف فیصلہ کرے اور یہ کہ صاف ظاہر ہے کہ ہم کو جب تک اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ ہمارے دوسرے اسلامی بھائیوں نے بے وجہ پیش قدمی کی اور انہوں نے اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے ہتھیار نہیں اُٹھائے ہیں، ہم اُن کے خلاف نہیں لڑ سکتے (یہ الفاظ اُس جنگ کے متعلق تھے جو ۱۹۱۹ئہ میں برطانیہ اور افغانوں کے درمیان چھڑی تھی) اب ہماری حالت یہ ہے کہ جب تک امیر کا بغض یا جنوں ہم پر ثابت نہ ہو جائے۔ ہم یقیناً یہ نہیں چاہتے کہ ہندوستانی سپاہی جن میں مسلمان سپاہی بھی شامل ہیں، افغانستان پر حملہ کریں۔ پھر مزید پریشانیوں اور تردداث کا شکار ہوں (یہ خاص مسٹر مانٹیگو کے الفاظ تھے) اور بعد ازاں یہ بھی ہمارا ہی کام ہو کہ ہم اسلامی ممالک کے تخلیہ کے لئے بہت سی معروضات

میں جو بے حد بیتابی کے ساتھ مگر قطعاً بے سود کی جا چکی ہیں، ایک کا اور اضافہ کریں اور (افغانستان پر قبضہ ہو جانے کے بعد) پھر کوشش کریں کہ کسی طرح اسلام کی دنیاوی طاقت تباہی سے محفوظ رہے"۔

ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ "ان الفاظ میں اُسی بات کا مختصراً اعادہ ہے جو ہم نہایت صاف طور پر اور بہت تفصیل کے ساتھ اپنی عرضداشت مرقومہ ۲۴ اپریل میں کر چکے ہیں جو آپ کو بھیجی تھی اور اس مسئلہ کی کافی سند ہمارے مذہب میں موجود ہے"۔

اس کے بعد (مَیں اُس تحریر کے بعض مضمون سے قطع نظر کر کے، پھر آپ کو اس کے چند فقرے سُناتا ہوں)۔

"ہم اکثر جمعہ کی نماز میں جب کہ مجسٹریٹ اور پولیس کے افسران بھی موجود ہوتے تھے۔ اس صورتِ حالات کو صاف صاف بیان کرتے رہے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ یہی کہا کہ اگر ہز میجسٹی امیر ہمارے مُلک پر جو اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا، قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کرنا چاہتے ہیں اور اُس کی آبادی کو جس نے کبھی اُن کا بُرا نہیں چاہا، اپنی رعایا بنانا چاہتے ہیں تو ہم ہرگز نہیں کہتے کہ مسلمانانِ ہندوستان کی طرف سے ان کی مدد کی جائے۔ بلکہ ہم نہایت جوش کے ساتھ ان کی اس بے وجہ اور مفسدانہ پیش قدمی کی سخت مخالفت کریں گے اور کرائیں گے"۔

بالکل یہی بات ہم نے ستمبر ۱۹۱۷ء آنریبل راجہ صاحب محمود آباد سے کہی تھی جو ہمارے پاس چندواڑہ آئے تھے اور جنہوں نے دورانِ گفتگو میں کسی ملکِ غیر کی طرف سے اس قسم کی پیش قدمی کے امکان کا ذکر کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے شملہ کو آنریبل مسٹر جناح کے نام فوراً تار دے دیا تھا (جو حکومت کو مطلع کرنے کے لئے دیا گیا تھا) کہ وہ ہمارے سیاسی طرزِ عمل کے متعلق کلیتہً مطمئن ہیں۔ ہم ایک آقا کے بدلے کسی دوسرے کو اپنا آقا بنانا نہیں چاہتے

مگر ہم یقیناً ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جو اہلِ ہند کی متحدہ خواہشات کے تابع ہو اور ہمیں یہ امید تھی کہ ہم نے معاملہ کو اس قدر صاف اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ کسی شبہ یا غلط فہمی کا امکان باقی نہیں۔ لیکن اگر برخلاف اس کے ہز میجسٹی امیر، ہندوستان اور اہلِ ہند سے کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے اور اگر ان کی کارروائی کا باعث اصلی یہ ماننا پڑے جیسا کہ خود وزیرِ ہند نے علانیہ کہا تھا کہ وہ بھی اس بے چینی سے متاثر ہیں جو تمام اسلامی دنیا میں پیدا ہو گئی ہے (اور یہ ایک ایسی بے چینی ہے جس سے وزیرِ ہند نے بھی کھلے طور پر اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تھا) یعنی اگر امیر صاحب اُسی مذہبی مقصد سے متاثر ہو کر جس نے ہمیں ہجرت کا خیال کرنے پر مجبور کیا تھا (جو ضعیفوں اور کمزوروں کے محدود ذرائع ہیں، ایک ہی صورت ہے جو وہ اختیار کر سکتے ہیں) جہاد کرنے پر مجبور ہوں (جو ان لوگوں کے لئے عمل کی ایک ہی صورت ہے، جن کی طاقت نسبتاً زیادہ ہو اور جو اس کو اپنے امکانی ذرائع کے حدود میں قابلِ عمل پاتے ہوں) تو اگر اُنہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان لوگوں کے دعوے کا جواب دیں جو سوائے مادی طاقت اور گوناگوں مادی طاقت کے کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتے، اور اگر وہ اُن لوگوں سے لڑ کر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں جو ناجائز طور پر جزیرۃ العرب اور اماکنِ مقدسہ پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں جن کا مقصد اسلام کو کمزور کرنا ہے، جو اسلام کے خلاف کام کرتے ہیں اور ہم کو مفادِ اسلامی کے متعلق تحریک کرنے کی کامل آزادی سے محروم کرتے ہیں تو اسلام کا واضح قانون ہم سے اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اوّل تو کسی حال میں کوئی مسلمان امیر صاحب کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے اور دوسرے یہ کہ جہاد کا سلسلہ جس حصۂ ملک تک جہاد پہنچے وہاں کے مسلمانوں کا فرض ہو گا کہ مجاہدین کے شریک ہوں اور

ہر عورت و مرد اپنی بساط کے موافق اُن کی مدد کرے۔
یہ ہے اسلام کا صاف اور مسلّمہ قانون اور جب کہ سرحد پر کسی بد امنی کے پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہ تھا اور مرحوم امیر زندہ تھے، اُس وقت بھی اس کمیٹی نے جو ہمارے معاملہ کی تحقیقات کر رہی تھی، ہم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر ایک غیر اسلامی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان ہو جائے۔ تو اُس کی مسلمان رعایا کے مذہبی فرائض کیا ہوں گے تو ہم نے یہی قانون اُن کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

ایک بات کو زیادہ واضح کر دینے کی ضرورت ہے اس لئے کہ ہمیں اب یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ عقیدہ جس کا اب ہم ذکر کریں گے غیر اسلامی اور خصوصاً سرکاری حلقوں میں ایسی اچھی طرح سے نہیں سمجھا گیا ہے جیسا کہ سمجھا جانا چاہیئے تھا۔ ایک مسلمان کا مذہب محض چند عقائد رکھنے اور اُن پر اپنی ذات تک عمل کرنے پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے، بغیر جبر و اکراہ کے اس کی کوشش کرے کہ دوسرے لوگ بھی (مذہب کے) مقرّرہ اصول و عقائد پر عمل کریں۔ قرآن کریم میں اسی کو "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" کہا گیا ہے اور اسلام کے اس نہایت ضروری اصول کے متعلق احادیثِ نبوی کے چند باب مخصوص ہیں۔ ایک مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے بھائی کا نگران (یا صلاح کار) نہیں ہوں۔ اس لئے کہ ایک معنی میں وہ نگران ہے اور خود اس کی نجات یقینی نہیں کہی جا سکتی تا وقتیکہ وہ دوسروں سے بھی نیک عمل کرنے پر اور بُرائیوں سے ان کو روکنے پر اصرار نہ کرے۔ پس اگر کسی مسلمان کو مجاہدینِ اسلام کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا فرض نہ صرف یہ ہو گا کہ خود بر بنائے احکامِ شریعت تعمیل کرنے سے انکار کرے بلکہ یہ بھی ہو گا، کہ اگر وہ اپنی نجات کا طالب ہے، تو خواہ کچھ ہی خطرہ کیوں نہ ہو، دوسروں کو بھی

عذر کرنے کی ترغیب دے۔ بغیر اس کے اور اس سے پہلے وہ نجات کی اُمید نہیں رکھ سکتا۔

"یہ ہے ہمارا عقیدہ اور اسی طرح ہر مسلمان کا عقیدہ، اور ہم اس پر عامل ہونا چاہتے ہیں۔ پھر اگر ہم کو اس اصولِ مذہب کی تبلیغ کرنے کی آزادی سے محروم کیا جاتا ہے تو ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم سمجھ لیں کہ جس ملک میں یہ آزادی نصیب نہیں وہاں اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

پہلا الزام جو ہم نے گورنمنٹ پر لگایا یہی تھا کہ دورانِ جنگ میں مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض کے خلاف (حضرات ان الفاظ کو بغور سُن لیجئے) مجبور کیا گیا کہ وہ خلیفہ اور مجاہدین کے خلاف لڑنے میں حکومت کی اعانت کریں۔ اور اس تحریک کے بعد وائسرائے نے کیا کیا؟ انہوں نے دفعہ ۱۲۱ کے تحت میں (جس کا منشا بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا ہے) ہم کو پھانسی پر نہیں چڑھایا۔ انہوں نے دفعہ ۱۳۱ کے تحت میں ہم کو عمر بھر کے لئے جلاوطن نہیں کیا انہوں نے کیا تو صرف یہ کیا کہ ہم کو نظر بندی سے آزاد کر کے یہ انتظام کیا کہ میں انگلستان جاؤں اور وہاں جا کے یہی قانون اسلامی وزیر اعظم اور دیگر اراکینِ مجلسِ وزراء کو سمجھاؤں۔ لیکن آج اسی جُرم کی پاداش میں ہم پر سازشِ مجرمانہ کا مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ ہمارا خاص جُرم کیا؟ اُن لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں اور کروڑوں کا کیا ہوگا جو آج یہی بات کہہ رہے ہیں۔ وہ کیوں (اس کٹہرے میں) ہمارے ساتھ نہیں ہیں؟

میں نے فرد قرار دادِ جُرم میں مختلف الزامات کے یکجا کرنے کی شکایت کی ہے اس لئے کہ بہت سے ملزمین کا بہت سے مختلف الزامات کی بنا پر چالان کیا گیا ہے۔ لیکن اس مکان میں اور کسی مکان میں بھی اتنی جگہ نہیں کہ آپ ان سب پر یکجا مقدمہ چلا سکیں جن میں سے ہر شخص یہی کہتا ہے کہ میرا مذہب بھی یہی ہے، میرا دھرم بھی یہی ہے! جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں یہ کسی شخص کے ذاتی عقائد کا سوال نہیں ہے، یہ محض میرے ذاتی عقیدے کی

بحث نہیں ہے، مَیں تو وہ ہوں کہ میں نے انگریزوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ میں تو آکسفورڈ میں تعلیم پانے کے لئے انگلستان بھیجا گیا تھا۔ مَیں انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اب مجھ جیسا آدمی بھی یہی کہنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ یہ مسلمان کا فرضِ مذہبی ہے۔ مجھ جیسے آدمی کو یہی کہنا پڑا کہ کسی مسلمان کو برطانوی فوج میں ملازمت نہ کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ اس فوج میں رہ کر اس کو باطل کی ترقی کے لئے اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرنا پڑتا ہے مَیں نے جب بھی کہا یہی کہا اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ (فوج کی ملازمت) مذہبًا حرام ہے۔ مَیں نے پہلے بھی یہی کہا اور اب بھی یہی کہتا ہوں اور ہمیشہ یہی کہتا رہوں گا۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں اگر ایسا کہنے کی وجہ سے مجھے پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ مرنے کے بعد بھی میری لاش یہی پکارے گی کہ مسلمانوں کا مذہب صرف یہ ہے (اس موقع پر عدالت نے روکا)۔

عدالت : کچھ ایسا کہا جس کے معنے یہ تھے کہ وہ اس جگہ مذہبی معاملات پر تقریر کرنے کی اجازت نہ دے گی۔

مولانا محمد علی صاحب : کیا آپ شریعتِ قرآنی کا حوالہ دینے کی بھی اجازت نہ دیں گے؟ میرا قرآن تو کہتا ہے کہ قانون یہ ہے۔ کیا آپ بطور سند مجھ سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان کے لئے اس کا قرآن قانون نہیں ہے؟

عدالت : قرآن کا قانون ملک کا قانون نہیں ہے۔

مولانا محمد علی صاحب : مَیں کہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں نے کہا، صحیح کہا۔ میں صرف یہ بیان کر رہا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے کرنے کا حکم مجھے قرآن دیتا ہے۔

عدالت : وہ ملکی قانون نہیں ہے۔

مولانا محمد علی صاحب : مجھے تو صرف اس امر سے تعلق ہے کہ سب سے پہلے میرا قانون مجھ پر پابندی عائد کرتا ہے، اور میرا دعویٰ ہے کہ یہ تینوں شاہی اعلانات میرے حقوق کو محفوظ کرتے ہیں۔

عدالت : میں اس مسئلہ کو خارج از بحث قرار دیتا ہوں۔

مولانا محمد علی صاحب : مَیں بہت خوش ہوں کہ اس بحث کے متعلّق میرے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ نہ صرف جج نے بادشاہ کے خلاف فیصلہ دیا ہے بلکہ حال میں لیجسلیٹو اسمبلی میں بھی ایک مسلمان ممبر نے ایک ایسی تجویز پیش کرنی چاہی تھی جس میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ حکومت کے کسی ملازم اور خصوصًا مسلمان سپاہی سے مذہبی قانون کی خلاف ورزی کرنے کو نہ کہا جائے۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ وائسرائے نے کیا کہا؟ انہوں نے اس تجویز کے پیش ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

بہرحال اب مَیں پہلے الزام سے بحث کرتا ہوں جو ہم پر لگایا گیا ہے اور جس کے متعلّق آپ بحیثیت اسیسر کے اپنی رائے دیں گے۔ بہرصورت اس کے متعلّق بھی مَیں آپ سے بحیثیت اسیسر خطاب کرتا ہوں۔ آپ سے کہا جا چکا ہے، کہ آپ نے دیکھ لیا کہ کوئی گواہ اس امر کے ثبوت میں پیش نہیں ہوا کہ ہم نے کبھی متفق الرائے ہو کر سازش کی تھی۔

میرے دوست (وکیل سرکار) نے آپ سے خواہش کی ہے کہ اس امر کی صحت کو (بعد شہادت کے) آپ خود ہی پہلے سے فرض کر لیں یعنی ایسا ہوا۔ کیا خوب فرض کر لینا ہے! کیا آپ محض اس طرح ایک واقعہ کو پہلے سے فرض کر کے جس کے متعلق ذرا سی شہادت بھی پیش نہیں ہوئی، قطعًا کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی، ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے؟

کسی شخص نے، ایک گواہ نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس نے کبھی ہم کو سازش کرتے اور آپس میں ارتکابِ جُرم کا مشورہ کرتے دیکھا یا سُنا، یا کبھی اُس کو اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا ہوا؟

مَیں ماہ فروری ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں تھا اور غالبًا اُسی دن جبکہ کلکتہ میں وہ کانفرنس ہو رہی تھی جس میں وہ تجویز منظور ہوئی تھی۔ مَیں قائم مقام وزیر ہند سے ملاقات کر رہا تھا۔ میرے خلاف اور کچھ نہیں، اگر (سازش کی) شہادت ہوگی تو شاید یہ ہوگی! مگر مجھے اس طرح کی باتوں کی پرواہ نہیں۔ بیشک وکیلِ سرکار نے قانونِ شہادت

کی دفعہ: آپ کو پڑھ کر سُنائی تھی اور آپ کو بتایا تھا کہ اس قسم کی شہادت میرے خلاف قابلِ قبول ہیں۔ مگر یہ میرے نہایت وسیع الاخلاق دوست (وکیل سرکار کی طرف اشارہ کر کے) جو اس طرف بیٹھے ہیں، آپ سے کچھ اور بھی چاہتے ہیں۔ میرے دوست بہت ہی ہوشیار آدمی ہیں مگر میں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ ان کا اصلی مقصد کیا ہے۔ کہا تو انہوں نے یہ کہ (پیش کردہ) شہادت میرے خلاف سُنی جا سکتی ہے مگر در اصل مطلب یہ تھا کہ شہادت سُنی ہی نہ جائے بلکہ آپ ہر بات کو قطعاً صحیح اور سچ مان لیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ شہادت کو تمام و کمال صحیح مانیں اور اُس سے زیادہ یہ کہ اس کے سوا مجرمانہ سازش کے اثبات میں اور جس بات کی ضرورت ہو اس کو خود ہی فرض کر لیں۔ گویا جہاں ثبوت نہ ہو، وہاں فرضیات سے کام لے لیا جائے اور ہمیں عمر بھر کے لئے جلا وطن کرنے کے لئے جو کچھ شہادت بھی ہو اس کو کافی سمجھا جائے۔

حضرات! میں آپ سے کہہ دوں کہ مجھے کسی سازش کی خبر نہیں۔ جب میرے بھائی آسام گئے تھے تو اُس وقت مجھے ان کے جانے کی خبر بھی نہ تھی۔ مجھے تو اُس وقت تک بھی خبر نہ تھی جب وکیل سرکار نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے شہادت پیش کروں گا۔ اس وقت سب سے پہلے مجھے معلوم ہوا کہ میرے بھائی آسام گئے تھے۔ دیکھئے تو یہ کس قدر شرارت ہے۔ خود تو مجھے اطلاع کئے بغیر آسام پہنچ گئے اور اب (ان کی اس حرکت کی پاداش میں) میں عبور دریائے شور کی سزا پاؤں! چھوٹا بھائی ہونا بھی بڑی مصیبت ہے (قہقہہ) مگر محض چھوٹا بھائی ہونا بھی سازشِ مجرمانہ کے مشورے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ آپ ایسی باتوں کو فرض نہیں کر سکتے۔ پورا ثبوت ہونا چاہیئے جس میں شبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ رہا کراچی کانفرنس کا معاملہ، اُس سے تو میرے بھائی کیلئے مفر پانا بالکل آسان تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے تقریر نہیں کی تھی، مگر وکیل سرکار نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

آسٹریلیا میں ایک کاشت کار تھا جس کے ایک لڑکا تھا۔ لوگ اس لڑکے کو احمق کہتے تھے اور جہاں کہیں اُس کا باپ اُس کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا تو اس سے کوئی نہ کوئی

حماقت سرزد ہوتی تھی جس کے باعث بے چارے باپ کو شرمندگی اور ذلّت اُٹھانی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ باپ کسی جگہ ضیافت میں مدعو ہوا اور بیٹا بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا مگر باپ نے ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔ اُس کو ڈر یہ تھا کہ بیٹے نے اگر ذرا زبان کھولی تو لوگ فوراً سمجھ جائیں گے کہ وہ نہایت احمق ہے اور پھر اس کو (باپ کو) ذلیل ہونا پڑے گا۔ مگر بیٹے نے وعدہ کیا کہ آدھا لفظ بھی زبان سے نہ نکالے گا آخرکار باپ اس کو ضیافت میں لے جانے پر راضی ہو گیا۔ غرض باپ کے ساتھ بیٹا بھی وہاں پہنچا اور ایک کونے میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ بہت آدمیوں نے اُس سے سوالات کئے مگر چونکہ وہ باپ سے وعدہ کر چکا تھا اس لئے وہ جواب میں ایک بھی حرف زبان پر نہ لایا اور خاموش بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ جب (حاضرین میں سے) اور ایک شخص اس سے سوال کرنے لگا تو مہمانوں میں سے کسی دوسرے نے کہا کہ "اس شخص سے سوال کرنا فضول ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ یہ تو بالکل احمق سا ہے"۔ اس پر بیٹے نے چلا کر باپ سے کہا جو میز کے دوسرے کونے پر بہت دُور تھا کہ "ابّا، ابّا دیکھئے ان سب کو میرا حال معلوم ہو گیا مگر میں نہیں بولا"۔ (قہقہہ)۔ اسی طرح ہمارے وکیل سرکار صاحب کو بھی پتہ چل گیا کہ میرا بھائی سازش میں شریک تھا حالانکہ وہ بولے نہ تھے (قہقہہ)۔ وکیل سرکار نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں دل سے اور پورے جوش کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضرات! یہی اشارہ اس طرف ہے کہ ہم راستی گو ہیں اور گو کہ میں گواہ نہیں ہوں اور حلفیہ بیان نہیں دے رہا ہوں مگر آپ اور جج میری بات کا یقین کریں کہ برطانوی فوج کے مسلمان سپاہیوں کے متعلق شریعتِ اسلامی کے احکام کا اعلان کرنے کی نسبت ہمارے آپس میں پہلے سے کوئی مشورہ نہیں ہوا تھا۔ جج نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا اور میں نے اُن سے کہہ دیا ہے کہ کسی وقت اس قسم کا کوئی مشورہ نہیں ہوا۔ اور اس معاملہ میں مشورہ کیا ہوتا؟ فرض کیجئے کہ کسی دن ہم کراچی میں مسلمانوں کی ایک کانفرنس کریں اور اس میں یہ اعلان کریں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پیغمبر ہیں۔

کیا آپ کے خیال میں ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس اعلان کے متعلق پہلے سے بیٹھ کر آپس میں بحث کریں؟ جس وقت مَیں نے یہ کہہ دیا کہ مَیں مسلمان ہوں گویا اُسی لمحہ مَیں نے وہ اقرار بھی کر لیا۔ اس کے لئے کسی خاص زمانہ کا تعیّن بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا اقرار یا مشورہ ضرور نہیں کہ صرف فروری ۲۰ء اور ستمبر ۲۱ء کے درمیان میں ہوا ہو۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرد قرارداد جرم میں میعاد کا اضافہ میرے ان چھوٹے سے دوست کا تحفہ ہے (اس موقع پر مولانا نے مسٹر راس السٹن کی طرف اشارہ کیا) عدالت ماتحت کے سامنے ۱۹۲۰ء کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ وہ "چھوٹی سی" ترمیم ہے جو میرے چھوٹے سے دوست نے فردِ جرم میں کی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ گویا جس زمانہ میں سازش کرنے کا الزام لگایا گیا ہے اس میں صرف بارہ ۱۲ مہینوں کا اضافہ ہو گیا۔ بہر حال یقین کیجئے کہ کوئی باہمی قرارداد نہ تھی، سوائے اس کے کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہر مسلمان جس وقت یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت و روایات کو قبول کرتا ہوں، معاً اُسی کے ساتھ وہ گویا اس امر کا بھی اقرار کرتا ہے، کہ ایسی فوج میں بھرتی ہونا اور ملازم رہنا حرام ہے جو بغیر معقول وجہ کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اور ان کو قتل کرنے پر مجبور ہو۔ پس جو رزولیوشن جمعیۃ علماء کی کانفرنس میں پاس کیا گیا اس میں کوئی تجویز نہ تھی جس کی تحریک یا جس کا اعلان کیا جاتا علماء کے لئے مسلمانوں کو قتل کرنے کے خلاف اسلام کے اس قانون کا اعلان کرنے میں جس سے ہر شخص واقف ہے یا کسی ایسے فتوے یا اعلانِ شرعی پر دستخط کرنے میں بحث اور مشورہ کی کیا حاجت تھی۔ اسی طرح ان دو مسلمانوں کو جن کا ہمارے ساتھ چالان کیا گیا ہے اس رزولیوشن پر تقریر کرنے کے لئے کسی مشورے اور باہمی قرارداد کی ضرورت نہ تھی۔ ان سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ احکامِ شریعت بتا دیں اور انہوں نے بتا دیئے۔ فوج کے متعلق جو کچھ کہا گیا وہ رزولیوشن نہ تھا بلکہ (فی نفسہٖ) ایک قانون کا اعلان تھا۔ ہاں مگر ایک رزولیوشن بھی تھا۔ اور وہ ایک نہایت سنجیدہ قرارداد اور غیر متزلزل عزم کا اعلان تھا کہ اگر برطانوی حکومت بلاواسطہ یا بالواسطہ

خفیہ یا علانیہ حکومت انگورہ کے خلاف کوئی کارروائی کرے گی تو مسلمانانِ ہندوستان کانگریس کے ساتھ شریک ہو کر نافرمانیٔ قوانین اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے اور احمد آباد میں آئندہ کانگریس کے موقعہ پر ہندوستان کی آزادی اور ایک جمہوریہ کے قیام کا اعلان کر دیں گے۔

حضرات! ہم نے انگورہ کے خلاف نہ صرف علانیہ کارروائی کیے جانے کا خیال رکھا تھا بلکہ خفیہ کارروائی کو بھی مدنظر رکھا تھا۔ نہ صرف بلاواسطہ کارروائی پیش نظر تھی بلکہ (رزولیوشن کا تعلق) یونانیوں کے ذریعہ سے بالواسطہ مخالفت سے بھی تھا۔ بیشک ہم انگریزوں کے سیاسی تدبّر کو خوب جانتے ہیں۔

آکسفورڈ میں لوگ فٹ بال کے دو مختلف کھیلوں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "سیکر" ایک ایسا کھیل ہے جس میں تم اگر گیند کو ٹھوکر نہ مار سکو تو آدمی کے ٹھوکر مارو۔ اور "رگر" وہ کھیل ہے کہ اگر آدمی کے ٹھوکر نہ مار سکو تو خیر پھر گیند کو ٹھوکر مار دو۔ (قہقہہ)

انگلستان میں خواہش یہ ہے کہ ہر قوم کو نیچا دکھایا جائے اور خصوصاً ترکوں کو۔ مگر "رگر" کی طرح۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا ان کی طرف سے نہ لڑ سکے تو پھر اس حالت میں وہ خود ہی لڑنے لگتے ہیں۔ (قہقہہ)

حضرات! ہم نے کہہ دیا تھا کہ انگورہ کے خلاف پھر مخاصمانہ کارروائی شروع ہوئی تو ہمارا فرض ہوگا کہ انڈین نیشنل کانگریس اور اپنے اہلِ وطن کے ساتھ مل کر ہم نافرمانیٔ قوانین شروع کر دیں اور یہ کہ اگر اسی طرح حرکتیں جاری رہیں تو پھر ہمارا فرض ہوگا، ایک ایسا فرض ہوگا جس کی ذمّہ داریاں بہت وزنی ہیں (ہم نے اس کو کوئی معمولی معاملہ نہیں سمجھا تھا، وہ ایک اہم ذمہ داری ہے جس کا بار ہم اٹھانے پر تیار ہو گئے ہیں، یعنی یہ کہ) ہم ہندوستان کی قطعی آزادی کا اعلان اور ایک ہندوستان میں ایک آزاد جمہوریہ قائم کر دیں۔ یہ بات محض بادِ ہوائی نہ تھی، نہ اس میں کوئی کوئی مذاق تھا نہ محض دھمکی۔ ہم خوب سمجھتے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم جانتے تھے

کہ ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر ماں کا بیٹا اس سلسلہ میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس عدالت میں لائے گئے اور مقدمہ کی سماعت کا یہ سارا تماشہ کیا گیا۔ بہت ممکن تھا کہ ہم گولی سے مار دیئے جاتے۔ اس طویل اور پیچ در پیچ راستہ کے سوا ایک سیدھا راستہ بھی تھا جس میں نہ چالان ہوتا، نہ کوئی جج ہوتا، نہ جیوری ہوتے بلکہ صبح دم بندوق والے سپاہیوں کی جماعت ہوتی، جس کے افسر کرنل گویر یا کرنل نیبچ ہوتے۔ رائفلوں کے چلنے کی آواز ہوتی اور وہیں ہمارا معاملہ ختم ہو جاتا۔!

خیر ہم نے اعلان کیا اور معاملہ کی اہمیت کا اندازہ کر کے ہم نے عزم بالجزم کر لیا کہ اپنے اہلِ وطن کے ساتھ مل کر ہم یا تو دونوں میں سے ایک کام یا دونوں کارروائیاں کریں گے۔ مگر ہم پر یہ مقدمہ اس سلسلہ میں نہیں چلایا گیا ہے بلکہ مقدمہ رزولیوشن کے پہلے حصّہ کے متعلق ہے جو گورنمنٹ کے اس حکم میں بھی نقل کیا گیا ہے جس کی رُو سے اس مقدمہ کے چلانے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر رزولیوشن کا پہلا حصّہ تمام وکمال نقل نہیں کیا گیا۔ رزولیوشن کے الفاظ یہ ہیں کہ:

> "یہ جلسہ اس امر کا بھی صاف طور پر اعلان کرتا ہے کہ شریعتِ اسلامی کے مطابق برطانوی فوج میں شریک رہنا اور بھرتی ہونا اور دوسروں کو بھرتی کرانا سب سختی کے ساتھ حرام ہے۔"

پس الزام یہ ہے کہ ہم نے قانونِ اسلام کا اعلان کیا۔ اگر محض قانونِ اسلامی کا اعلان کوئی جرم ہے تو حضرات آپ بھی کہہ دیجئے۔ اس حالت میں اگر آپ عیسائیت کے قانون کا اعلان کریں تو وہ بھی ایک جُرم ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ ہندوستانی سپاہیوں سے اس امر کا مطالبہ کریں کہ وہ گائے کو ہرگز نہ ماریں تو گویا ایسے لوگ بھی ایک فوجداری جرم کے ارتکاب کے لئے باہمی سازش کرتے ہیں، یعنی وہ بھی سازشِ مجرمانہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پس حضرات! میں کہتا ہوں کہ اگر محض اعلان، سازش کا مشورہ ہے کہ اگر قانون اسلام کا اعلان جُرم ہے اور ہم اس لئے مجرم قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر صاف کہہ دیجئے۔

مگر اس سوال کا فیصلہ تو جج ہی کریں گے۔آپ تو صرف بحیثیت اسیسر کے اپنی رائے دیں گے اور یہ جج ہی اُن کو اختیار ہے کہ آپ کی رائے لیں یا نہ لیں۔

عربی کی ایک مثل ہے کہ "ہمیشہ اپنی جورو سے مشورہ کر لو، مگر کرو وہی جو تمہاری رائے میں بہتر ہو۔ (قہقہہ)۔

میرے خیال میں اسیسروں کے متعلق بھی یہی قاعدہ ہے کہ ہمیشہ اپنی جورو یعنی اسیسروں سے مشورہ کر لو مگر کرو وہی جو تمہارے (جج کی) رائے میں بہتر ہو۔ حضرات! تعدد ازدواج، انگریز یا عیسائی کے لئے جرم ہے اور مسلمان بھی صرف چار بیبیاں رکھ سکتا ہے۔ مگر اس وقت تو جج کے پانچ بیبیاں ہیں، جن سے اُس کو مشورہ کرنا ہے (قہقہہ) لیکن جج کریں گے وہی جو اُن کی رائے میں بہتر ہوگا۔

مَیں پھر بھی جج ہی سے اپیل کروں گا۔ اس لئے کہ وہ بھی ہماری طرح رُوح رکھتے ہیں جس کو نجات کی ضرورت ہے۔مَیں اپنی خاطر کوئی اپیل نہیں کرتا۔ نہ مَیں جیوری سے اپنے لئے کوئی اپیل کرتا ہوں۔مَیں اُن سے اُنہی کی خاطر اپیل کرتا ہوں، اور مجھے جو کچھ اس معاملہ میں کہنا تھا اُن سے کہہ دیا۔آپ تو اُنہیں واقعات کی بنا پر فیصلہ کریں گے جو آپ کے سامنے ہیں اور کوئی شخص نہ کہہ سکے گا کہ آپ کے فیصلہ پر کسی قسم کا خارجی اثر ڈالا گیا۔

اب مَیں اُن الزامات کا ذکر کرتا ہوں جو آپ کے سامنے بحیثیت جیوری کے رکھے گئے ہیں۔ اس باب میں آپ "کوٹھے کُھٹلے" کے بالکل مالک ہیں۔مَیں اس کو پسند نہ کروں گا کہ آپ کا فیصلہ متفقہ نہ ہو۔مجھے امید ہے کہ آپ کا فیصلہ جو کچھ بھی ہو، ہمارے خلاف ہو یا موافق، متفقہ ہوگا۔ یعنی آپ سب متفق الرائے ہوں۔ یہ نہ کہا جائے کہ ہندو اراکینِ جیوری ایک رائے رکھتے تھے اور عیسائی بالکل دوسری۔ یہ نہ کہا جائے کہ جو صاحب ریلی برادرس کے ملازم ہیں اُنہوں نے تو یہ فیصلہ دیا اور جن کا فوربس اور کیمبل کے فر[م] میں تعلق ہے انہوں نے یہ فیصلہ دیا۔مَیں تو اسی کو بہتر سمجھتا ہوں کہ اس جیسے [اہم] معاملہ میں آپ سب متفق الرائے ہوں۔آپ اپنے ضمیر کو اپنا رہنما بنائیں۔اس لئے

کہ آخر کار ضمیر ہی ہر مذہب کا بنیادی قانون ہے۔ آپ وہ کریں جو حق ہو۔ آپ کے لئے اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنا ضرور ہے۔ میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں آپ کو اختیار کلی حاصل ہے اور جس الزام کے متعلق آپ کو فیصلہ دینا ہے وہ اس جرم کے اقدام کا الزام ہے جو دفعہ ۱۳۱ کے تحت میں آتا ہے یعنی :-

"جو کوئی شخص بغاوت کے ارتکاب میں جو ملکہ معظمہ کی فوج بری یا بحری کے کسی افسر یا سپاہی یا خلاصی جہازی کی جانب سے ہو، اعانت کرے یا (ہمارے اوپر الزام یہ ہے) اُس افسر یا سپاہی یا خلاصی جہاز کو (میں "اطاعت" سے قطع نظر کرتا ہوں اس لئے کہ ہم پر یہ الزام قائم نہیں کیا گیا ہے) خدمتِ منصبی نہ کرنے کے اغوا کا اقدام کرے تو شخص مذکور کو وغیرہ وغیرہ (حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا)"

عدالت : آپ پر الزام یہ ہے کہ آپ فوج کو اغوا کرنے کے لئے ایک سازش میں شریک تھے۔

مولانا محمد علی صاحب : ہم پر ایک سازش میں شرکت کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ایک جرم کے ارتکاب کرنے کے لئے باہم شریک ہوئے اور اس سازش کے سلسلہ میں کسی شخص نے جو اس سازش میں شریک تھا، ہمارے شرکاء میں سے کسی نے ان کارروائیوں کا اقدام کیا۔ اس سے بحث نہیں کہ ہم نے خود ایسا کیا یا اس سازش کے شرکاء میں سے کسی دوسرے نے اقدام کیا۔ بالکل بجا و درست! (فرض کیجئے) کہ الہ آباد کے مسٹر راس السٹن (یعنی صوبجات متحدہ کے ایڈووکیٹ جنرل جو وکیل سرکار کو مدد دے رہے ہیں) نے کسی شخص کے ذریعہ سے الہ آباد میں کسی جگہ کوئی کاغذ چھپوایا، اور شخص مذکور سے اُس کاغذ میں علماء کے فتوے کا کوئی جزو بھی لکھوا دیا۔ حالانکہ وہ شخص قرآن سے محض نابلد ہے۔ یہ سب کارروائی بہت احتیاط کے ساتھ ہونی چاہیئے

پھر فرض کیجئے کہ اُس شخص نے ایک مولوی سے اُس کاغذ کی نقل کرائی (اگر قرآن سے کچھ نقل کرنا ہو تو ہر مسلمان ڈرتا ہے اور کانپتا ہے کہ کہیں کوئی غلط بات نہ لکھ جائے، اور کسی غلط بات کو خدا سے منسوب نہ کر دے) خیر مولوی صاحب اُس کو نقل کرتے ہیں۔ مسٹر السٹن کے لئے وہی اس کو شائع بھی کرا دیتے ہیں۔ وہ الہ آباد یا لاہور میں چھپتا ہے اور ایک ہی قسم کے لفافوں میں ملفوف کیا جاتا ہے۔ پھر وہ لفافے مختلف مقامات سے اور زیادہ تر الہ آباد سے جہاں مسٹر راس السٹن رہتے ہیں (قہقہہ) ڈاک میں ڈالے جاتے ہیں۔ اب اس جرم کے پاداش (جو کسی دوسرے نے کیا ہے) آپ مجھ کو حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا دیتے ہیں! بس یہی جرم ہے جس کے ہم مرتکب سمجھے گئے ہیں۔ آخر ثبوت کیا ہے۔ وکیل سرکار کہتے ہیں کہ ثبوت یہ ہے ایک شاعر نے کہا تھا کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"۔ چنانچہ اس مقدمہ میں بھی کسی مزید ثبوت کی کیا حاجت ہے؟

خیر الزام یہ ہے کہ یہ اشتہارات مسلمان سپاہیوں کے پاس بھیجے گئے وہ زیادہ تر الہ آباد سے ڈاک میں ڈالے گئے۔ کچھ کانپور سے ڈالے گئے جہاں مولانا نثار احمد صاحب (جو ملزمین میں شامل ہیں) رہتے ہیں۔ پس وکیل سرکار نے اُن اشتہارات کو ان کی اور ہماری طرف منسوب کر دیا۔ مگر الہ آباد میں تو مسٹر راس السٹن بھی رہتے ہیں۔ اُن کے علاوہ وہاں سے دو سی دائی۔ ڈی کے افسر بھی آئے ہیں۔ جنہوں نے ہمارے خلاف شہادت دی ہے۔ تو پھر اب کیا آپ یہ فرض نہیں کر سکتے کہ یہ کارروائی دراصل مسٹر راس السٹن نے کی ہے؟ (قہقہہ)

(اب بتائیے کہ) اگر یہ اشتہارات (ایک اشتہار کو دکھایا) بھیجے جاتے ہیں تو کیا یہ واقعہ فی نفسہ آپ کے لئے کافی ہے۔ اگر آپ کچھ بھی فہم رکھتے ہیں۔ آپ سب تجارتی اور معاملہ فہم لوگ ہیں، کیا آپ مجھے عبور دریائے شور کی دوامی سزا دینے کے لئے مجھے اپنے بچوں سے الگ اور اپنی بی بی سے جُدا کرنے کے لئے میرے ملک سے جو مجھے بہت عزیز ہے، نکالنے کے لئے مجھ سے خدا کا کام ترک کرانے کے لئے (اتنی سی بات)

کہ یہ اشتہارات الہ آباد سے ڈاک میں ڈالے گئے، آپ کے نزدیک بالکل کافی ہے؟ اب بتایئے کہ سارا جرم یہی ہے یا کچھ اور ہے؟

مقدمہ کی کل مِثل اور تمام شہادتوں کو پڑھئے اور ان میں (اس سوال کا جواب) تلاش کیجئے۔ اگر آپ اپنے ضمیر سے کام لیتے ہیں تو آپ کا فیصلہ یقیناً درست ہوگا۔ آپ سب ضمیر رکھتے ہیں، آپ کسی مچھر کو بھی بے وجہ نہیں مار سکتے۔ آپ ہم چھ ۶ شخصوں کو عمر بھر کے لئے جلاوطن کر دیں گے۔ چھ ۶ کو نہیں بلکہ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم سب سات ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے محترم دوست جگت گرو شری شنکر اچاریہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جائیں گے (عدالت نے جیوری کی رائے سے متفق ہو کر ان کو بے قصور مانا اور رہا کر دیا)۔

گو کہ ان کے خلاف شہادت نہ تھی مگر صلح پسند وکیل سرکار کے غصّہ نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا۔ مگر وہ غصّہ کوئی طوفان نہ تھا، اور بھلا ایسے حلیم الطبع کو اتنا غصّہ کیسے آسکتا تھا کہ طوفان ہو جاتا۔ مگر نقلی طوفان تو تھا ایک اداکاری prosunium غرض کچھ ایسا تھا کہ اتنا تو ہم بھی سمجھے کہ بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج اور اولے اور ہوا کے ساتھ ایک طوفان آیا۔ مگر دیکھئے، یہ طوفان کس قدر صلح پسند اور با اخلاق شخص کی طرف سے اٹھا تھا۔ (قہقہہ)

کیا ہم سب کو صرف اس بنا پر سزا دیں گے کہ کچھ لفافے بعض فوجی افسران کے پاس پہنچے تھے۔ اس سے زیادہ کیا ہے؟

ہاں، وہ فوجی افسر جو لڑائی کے وقت جرأتِ مردانہ رکھتے ہیں جنہوں نے عرصہ تک سرکاری ملازمت کی ہے۔ جو بہت تمغے رکھتے ہیں، اور وہ اصلی تمغے چاندی کے نہیں جو سینہ پر لٹکتے ہیں بلکہ لوہے اور فولاد کی گولیوں کے نشانات جنہوں نے ان کے جسموں میں جگہ پائی، وہ لوگ جو واقعی افسر ہیں، جو واقعی ہزاروں معرکوں کے سورما ہیں، وہ سب ایک گورے رنگ کے معمولی افسر کو سلام کرتے ہیں۔ وہ ایک کچی عمر کے نوجوان کو جس کے اوپر کے ہونٹ پر مشکل سے بالوں کا شبہ ہوتا ہے، سوائے

اس کے ایک دوشیزہ کے رنگ کی سُرخی جھلکتی ہے۔ سلام کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ ان کا رنگ بھورا یا کالا ہے۔ یہ افسر آپ کے سامنے آتے ہیں۔ وہ آتے ہیں اور آپ کے سامنے ان خبروں کو پیش کرتے ہیں اور بتے ہیں کہ "بڑا خوفناک واقعہ پیش آیا ہے" یعنی قرآن کی ایک ذرا سی آیت، وہ بھی بالکل غلط نقل کی ہوئی، ہمارے پاس پہنچی ہے اور لفافوں کو کھولنے سے پہلے ہم کو ان میں سے بارود کی بُو بلکہ ۵۷ء کی بُو آگئی تھی۔ ہم فوراً اپنے کمان افسر کے پاس بھاگے ہوئے گئے اور ہم نے کہا۔ "حضور! ہمیں اسلام سے بچایئے۔ ہمارے محسوسات کو صدمہ پہنچا ہے۔ ہمارے مذہبی جذبات مجروح ہو گئے۔ ہم کو مذہب یاد دلایا جاتا ہے، ہمیں خدا یاد دلایا جاتا ہے، خدا کے لئے ہمیں خدا سے بچایئے، ہمیں خدا کے پنجہ سے محفوظ کیجئے، کیا ملکہ کا اعلان ہماری حفاظت نہیں کر سکتا۔ ہم پر قرآن کی آیتوں سے گولہ باری کی جا رہی ہے۔ ہم اور سب گولہ باریوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں مگر اس کا نہیں کر سکتے"۔ کیا یہی وہ شہادت ہے جس کی بنا پر ہمیں حبسِ دوام کی سزا دی جانے والی ہے؟

حضرات جیوری! میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ مجھے بچالیں۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ خود اپنے کو (گناہ سے) بچالیں۔ ساری شہادت بس یہ ہے اس کے سوا ایک لفظ بھی نہیں۔ اگر ذرا بھی کوئی اور شکایت ہوتی تو ہمارے دوست وکیل سرکار آپ کو بتا دیتے۔ ان کو تو سات آدمیوں کو حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا دلوانی ہے۔ بیشک بہت بڑی طویل سزا ہے! اُنہوں نے آپ سے خطاب کرنے میں چار گھنٹے صرف کئے۔ گویا ایک پورا دن، اور اس طرح اپنی ایک دن کی فیس حلال کرلی۔ حالانکہ شاید ان کی ایک دن کی تنخواہ آپ سب کی ماہواری تنخواہوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ (اس موقعہ پر عدالت نے روکا)۔

عدالت: آپ کو کسی کی ذات کے متعلق کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں ہے ایسا کرنا بداخلاقی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا منشا یہ نہیں ہے (کہ کسی کی ذات کے ساتھ بداخلاقی کریں)

مولانا محمد علی صاحب : مجھے افسوس ہے۔ مگر آپ کس بات پر اعتراض کرتے ہیں یعنی میں نے جو اصحابِ جیوری کی قلیل تنخواہوں کا ذکر کیا ہے اس پر یا وکیل سرکار اور ان کے چھوٹے سے دوست (مسٹر راس السٹن) کے گراں قدر مشاہروں کا جو حوالہ دیا ہے اس پر؟

عدالت : کسی کی ذات کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے اُس پر مجھے اعتراض ہے۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے۔ ہے یا نہیں؟

مولانا محمد علی صاحب : اب میں اس بات کا ذکر نہ کروں گا۔ مگر میں نے تو یہ خیال کیا تھا کہ اگر میں نے آپ کی تعزیراتِ ہند کے خلاف اتنے بہت سے جرائم کا ارتکاب کیا ہے تو پھر صرف ایک اخلاقی جرم کا بھی مرتکب ہو جاؤں! (قہقہہ)

(اس موقعہ پر عدالت نے کچھ کہا جو سمجھ میں نہ آیا)

مولانا محمد علی صاحب نے اپنا سلسلۂ کلام اس طرح جاری رکھا:

الغرض حضرات! اصل چیز یہ ہے جس پر فیصلہ دینے کے لئے آپ کو حلف دلوایا گیا اور آپ پانچوں کو اپنے مشاغل سے جُدا کر کے بُلایا گیا ہے۔ آپ جہاں کہیں سے بھی آئے ہیں، خواہ ریلی برادرز کے دفتر سے یا فوربس کے یہاں سے یا کیمبل کی دوکان سے یا محاصل خانہ سے۔ غرض آپ اس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ ورنہ صرف ۲ دو حضرات کا بحیثیت اسیسر (بحیثیت جج کی جورو کے) یہاں بُلانا کافی ہوتا (قہقہہ) مگر موجودہ حالت میں آپ شوہر بھی ہیں اور جورو بھی! (قہقہہ)۔ آپ سب کچھ ہیں۔ جیوری کی حیثیت سے آپ بلا شرکت غیرے خود جج ہیں۔ گو کہ بعض دوسرے الزامات بھی ہیں۔ اتنی دفعات لگا دی گئی ہیں کہ یاد بھی نہیں رہتیں۔ ۱۲۰ اب بھی ہے ۱۱۷ بھی ہے، ۵۰۵ بھی ہے۔ ان سب کے متعلق آپ سب محض اسیسر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تو آپ کو یاد ہو گا کہ جب میں کراچی لایا جا رہا تھا اور راستہ میں ایک پولیس کے سپاہی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ الزام کیا ہے اور میں نے اُسے الزام بتلائے بھی تھے، تو اُس نے کہا تھا کہ سب گھر کی دفعات ہیں جتنی چاہیں لگا دیں (قہقہہ)۔

نو بس. جیوری کے متعلق صرف اتنا ہی الزام ہے یعنی دفعہ ۱۲۰ اب بشمول دفعہ ۱۳۱ صرف وہ جس کا تعلق اُس اشتہار سے ہے جس میں فتوے کا تھوڑا سا اقتباس منقول ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہم بہت صاف گو لوگ ہیں۔ ہم نے عدالت ماتحت میں بھی کہہ دیا تھا اور یہاں بھی کہہ چکے کہ ہمارے لئے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ آخر کار جمعیۃ علما اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔ گویا جمعیۃ علما بھی اس سازش میں ایک فریق ہے۔ مگر گورنمنٹ کس قدر اعتدال پسند ہے، اُس نے صرف تین علماء کو مقدمہ چلانے کے لئے چُن لیا۔ گورنمنٹ کو اپنی اعتدال پسندی پر خود حیرت ہے، جس طرح لارڈ کلایو کو اپنے لوٹ کے متعلق حیرت ہوئی تھی اور اُس نے کہا تھا کہ "میں خود اپنی اعتدال پسندی پر حیران ہوں"۔ پانچ سو علماء میں سے جنہوں نے فتوے پر دستخط کئے تھے صرف دو یا تین عدالت میں لائے گئے ہیں مگر باقی سب پر کیوں مقدمہ نہیں چلایا گیا؟ میرا خیال تھا کہ جتنے علماء نے دستخط کئے ہیں وہ سب یہاں موجود ہوں گے۔ میں نے اپنی عمر میں پہلی دفعہ اس اشتہار کو یہاں آکر دیکھا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف چند ہی روز ہوئے کہ مجھے پہلی دفعہ جمعیۃ علماء کے اس فتوے کا علم ہوا۔ گو کہ میں دہلی کانفرنس میں جو رزولیوشن پاس ہوا تھا اُس سے تو باخبر تھا۔ مگر اس کی تو ضرورت بھی نہیں کہ میں اُن لوگوں میں سے کسی سے واقف بھی ہوتا جو میرے ساتھ سازش میں شریک تھے مگر یہ عدمِ واقفیت مجھے کب محفوظ کر سکتی تھی۔ لیکن مجھے تو حفاظت کی ضرورت بھی نہیں تاہم اس اقدامِ سازش کے معاملہ میں میرا خیال یہ تھا کہ جمعیۃ علماء کھلے طور پر سازش کی مرتکب ہوئی ہے۔ سازش کی نوعیت کچھ بھی ہو، جمعیۃ علماء ایک فریق ضرور ہے، اور میں نے اسی لئے کہا تھا کہ اب جمعیۃ علماء اپنے مذہبی فرض کو انجام دے رہی ہے۔ مگر فوراً ہی میرے دوست بہنوئی اور مشیرِ قانونی مسٹر معظم علی نے مجھے ٹوکا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جمعیۃ علماء بھی ان اشتہاروں کے چھاپنے اور تقسیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت عدالت ماتحت میں کہہ دیا تھا کہ "اس وقت تو میں نے صحیح نہیں کہا مگر میں امید کرتا ہوں کہ علماء جلد اس جعل کو واقعیت میں تبدیل کر دیں گے۔ مگر حضرات

یہ واقعہ ہے کہ آپ کو بجائے اس جعل کے اصل فتویٰ سے بحث کرنی ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ جو کوئی ایسا کرے وہ سازش میں شریک ہے؟ یہ بات فرض کر لی گئی ہے، واقعہ نہیں ہے۔

پس حضرات! اپنے دماغ کو اس مکڑی کے جالے سے پاک کر لیجئے جو وکیل سرکار نے پورا ہے۔ انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہیں کیا کہ آپ کی آنکھوں میں خاک ــــ اور وہ بھی کراچی کی نفیس خاک جھونکی ہے، بس اور کچھ نہیں!

اب دفعہ ۵۰۵ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں "اعانت" کرنے کے متعلق مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ مجھے اب صرف دفعہ ۵۰۵ کے متعلق صرف اپنی ذات سے بحث کرنی ہے۔ اس لئے کہ اس معاملہ میں سب سے بڑا ملزم میں ہی ہوں اور دوسرے تو صرف دفعہ ۱۰۹ کے تحت میرے معاون قرار دیئے گئے ہیں۔

"جو شخص کوئی بیان یا افواہ یا خبر شائع کرے یا مشتہر کرے یا پھیلائے،
(۱) اس نیت سے کہ ملکہ معظمہ کی فوج برّی یا بحری یا صیغہ رائل انڈین میرین سروس ٹروپس کے کسی افسر یا سپاہی یا خلاصی جہازی سے غدر کرائے، یا اور طور پر ویسی حیثیت سے اس کی نوکری میں بے اعتنائی یا قصور کرائے
.......اُس کو سزائے قید دی جائے گی......" وغیرہ وغیرہ۔

یہ دفعہ ۱۳۱ سے وسیع تر ہے۔ اس لئے کہ اس کی رُو سے میں خود اپنے وطن ریاست رامپور کے امپریل سروس ٹروپس کو بھی تلقین نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں میرے دادا جن کی نسبت خود گورنمنٹ نے کہا تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء میں نواب صاحب رامپور کے "دستِ راست" تھے اور جنہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر سینکڑوں انگریز مرد اور عورتوں کی جان بچائی تھی اور صوبجات متحدہ کی حکومت کو بچا لیا تھا، اب اپنے پوتے پر اس الزام میں مقدمہ چلتے ہوئے دیکھ کر کیا کہتے کہ اُس نے رامپور کے پٹھانوں سے کہا، کہ مسلمانوں کو نہ مارو۔ مگر یہ تو ایک اور ہی قصہ ہے۔

حضرات! کرنل بیچ متعلقہ دفتر فوج شملہ اور لارڈ میکالے کا اشارہ میرے لئے

کافی ہے یعنی " اس نیت سے کہ (سپاہی کی) نوکری میں بے اعتنائی یا قصور کرائے یا کسی افسر وغیرہ مذکور کے غدر کرانے یا اور طور پر ویسی حیثیت سے اس کی نوکری میں بے اعتنائی کرانے کا احتمال ہو"۔ مگر اُس کی نوکری یعنی اس کا فرض منصبی کیا ہے؟ ان سپاہیوں کا وہ پہلا فرض کیا ہے جس کے انجام دینے سے وہ انکار یا بے اعتنائی نہیں کر سکتے ہ؟

جب کسی گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور اگر اُس خاندان میں ایمان ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ دایہ یوں نہ کہے کہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہوئی، بلکہ یوں کہے کہ خدا کی فوج کے لئے ایک اور رنگروٹ پیدا ہوا۔ (سب سے پہلے) وہ بچہ خدا کا سپاہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم رُوحوں سے خدا نے سوال کیا تھا کہ " اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ "؟ اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ " بَلٰی "۔ اس موقعہ پر میرا جی چاہتا ہے کہ ایک شعر پڑھوں جو میرا ہے۔ بہت ہی معمولی شعر ہے، مگر ہے میرا۔ جس طرح وہ قصّہ ہے کہ سیزر کے قتل کی سازش کرنے والے سنیا نامی کی بجائے اسی نام کا دوسرا شخص جو شاعر بھی تھا، مارا گیا۔ جب سیزر قتل کیا گیا اور عامۃ الناس کا مجمع مارک اینٹونی کی پُرجوش تقریر سے متاثر ہو کر پاگل ہو رہا تھا تو اُس نے سنیا شاعر کو، قتل کی سازش کرنے والا سنیا سمجھ کر مار ڈالا۔ شاعر بہت چلّایا کہ "نہیں مَیں وہ سنیا نہیں ہوں مَیں سازش کرنے والا سنیا نہیں ہوں مگر مَیں تو سنیا نامی شاعر ہوں مگر لوگوں نے کہا۔ " خیر اگر یہ وہ نہیں بلکہ شاعر سنیا ہے تب بھی مارو کیونکہ یہ بہت بُرے اشعار لکھتا تھا۔ (قہقہہ)

حضرات! کہیں مجھے بھی میرے بُرے اشعار کی پاداش میں عبور دریائے شور کی سزا نہ دی جائے! مَیں نے اپنے اہلِ وطن اور اپنے دینی مذہبی بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ تمہیں تمہارا فرض یاد دلایا جاتا ہے تمہیں (حکومت کے ساتھ) وفاداری یاد دلائی جاتی ہے اور تم سے کہا جاتا ہے کہ وفادار رہو ؎

عہدِ اوّل کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

(اپنے عہد اوّلیں کو بھی مہربانی کر کے پورا کرو۔ وہ عہد جو تم نے خدا سے کیا تھا۔ اگر وفاداری ہی کا ذکر ہے اور تم وفادار لوگ ہو تو پھر تھوڑی سی وفا (خدا کے ساتھ) اور سہی)۔

کیا میں اسی طرح جیوری اور جج سے نہیں کہہ سکتا کہ اگر یہ لوگ اپنے خدا کے ساتھ سچے نہیں تو وہ کیونکر بادشاہ کے ساتھ پکّے رہ سکتے ہیں؟ (اس وقت عدالت میں کامل خاموشی کا عالم تھا۔ ایسی خاموشی کہ سوئی کے زمین پہ گرنے کی آواز بھی سُنی جا سکتی تھی) اگر اُس خدا کے ساتھ سچے نہیں جس نے ان کو ہر چیز عطا کی، زندگی، عزّت، ایمان، خود وفاداری۔ وہ خدا جس نے آپ کو ایک بادشاہ دیا۔ اگر یہ لوگ خدا کے ساتھ وفاداری نہیں کرتے تو یقیناً بادشاہ کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں، خدا (کی بندگی) سب سے زیادہ مقدّم ہے، (حکومت کی) وفاداری سے خدا مقدم ہے، بادشاہ کے مقابلہ میں خدا مقدّم ہے، وطن پرستی سے زیادہ خدا مقدّم ہے، میرے ملک، میرے باپ ماں اور بچوں سب پر خدا مقدم ہے۔ یہ میرا ایمان ہے۔ آپ کا جی چاہے پھانسی پر لٹکا دیجئے۔ مگر حضرات! مجھے پھانسی پر لٹکانے کے بعد آپ بھی خودکشی کریں گے۔ یعنی آپ اپنی روحانیت کا خون کر دیں گے۔ آپ چلیں پھریں، بیٹھیں اُٹھیں (دنیا کے) کام کریں لیکن آپ کے جسم متحرک لاشیں ہوں گی جن میں رُوح نہ ہو گی، اور جو محض کوّے کے کھانے کے قابل گوشت ہو گا۔!

حضرات! اِزراہِ اصل حکومت خدا کے سپاہیوں کو اغوا کر رہی ہے۔ ہم اُن کو اُن کی اصل وفاداری کی جانب لانا چاہتے ہیں۔ قانون کہتا ہے کہ ہر معاملہ میں مستثنیات ہوتے ہیں۔ مثلاً اس دفعہ کے ساتھ بھی۔

"حسبِ منشاء دفعہ ہٰذا یہ بمنزلہ جرم نہیں ہے جب کہ وہ شخص جو کوئی ایسا بیان یا افواہ یا خبر کرتا، یا مشتہر کرتا یا پھیلاتا ہے، اس بات کے باور کرنے کے وجوہ معقول رکھتا ہو کہ ویسا بیان یا افواہ یا خبر راست ہے"۔

عدالت: مسٹر محمد علی پوری دفعہ کو پڑھ دیجئے۔

مولانا محمد علی صاحب: ہاں جناب! میں ایک لفظ یا شوشہ بھی نہ چھوڑونگا جانتا ہوں کہ حکومت تو اپنے حصّہ کا پاؤ بھر گوشت بے کم وکاست لے ہی لے گی۔ شائلاک کو تو صرف گوشت ہی لینے کی اجازت ملی تھی مگر ایک عیسائی کے خون کی ایک بوند بھی لینے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن آپ یہ بھی مجھ سے لے سکتے ہیں، پوری مقدار میں بلکہ اُس سے بھی زیادہ، اتنا کہ آپ کے برتن سے چھلک جائے۔ اس استثنار کا مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے بیان کی صداقت ثابت کر دیں، یا یہ ثابت کر دیں کہ اس بیان کو صحیح سمجھنے کی معقول وجوہ موجود نہیں اور یہ کہ "بدون کسی ایسی نیت کے جو اُوپر مذکور ہوئی" وہ بیان مشتہر کیا گیا تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ۔ کیا یہ صرف میرا ہی بیان ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ اس ایمان کا اعلان جرم نہیں قرار دیا جا سکتا، چاہے یہ قرین قیاس ہو کہ اس کا اعلان کرنے سے کوئی شخص بادشاہ کی وفاداری سے منحرف ہو جائے گا یا کوئی شخص ایک ایسی گورنمنٹ اور بادشاہ کی وفاداری سے منحرف ہو جائے گا جو ایسے معاملات میں اُس کی اطاعت چاہتی ہے جن میں اطاعت کرنے سے خدا کے خلاف سرتابی کرنا لازم آتا ہے۔ کیا ایسا اعلان جرم ہے؟ دوسرا جُرم یہ کہا جاتا ہے کہ دس یا زیادہ اشخاص کو اس قسم کے جُرم کے ارتکاب کی تحریک کرنا۔ مگر اس میں بھی وہی بیان و اعلان کا سوال پیدا ہوتا ہے کس کا بیان؟ یہ میرا بیان نہیں ہے خدا کا بیان ہے۔ یہ اعلان قانونِ قرآنی پر مبنی ہے۔ ہر مسلمان جو قرآن کو سمجھتا ہے اس سے بخوبی واقف ہے۔ یہ میری ذاتی رائے کا سوال نہیں ہے۔ پہلے اس سے کہ آپ مجھے عبور دریائے شور کی سزا دیں، لائیے میں آپ کو (تھوڑے دنوں کے لئے) سمندر پار کسی ایسے ملک بھیج دوں جہاں باشندے عربی زبان سمجھتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ عدن جائیں۔ وہاں ایک شمالی یا عربی سپاہی جو زبان عربی میں قرآن کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، مولانا حسین احمد صاحب کو جو ملک عرب میں درس دیتے تھے قرآن پڑھتے ہوئے سُنے اور اُن آیات کو سُنے جن میں مسلمانوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے یا جیسا کہ میں نے کل کہا تھا، مولانا کے پاس

کوئی شخص آئے اور کہے کہ مجھے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے عراق عرب میں جانا ہے، مجھے مذہبی قانون کا سچا حکم بتایئے، اور اگر مولانا اس کو جواب دیں کہ مذہباً ہر مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان سے جدال و قتال کرنا حرام ہے۔ تو کیا اُن کا یہ فعل قانون کے تحت میں آسکتا ہے؟ ہے تو یہ بھی ایک اور بیان، مگر ان کا اپنا بیان نہیں ہے خدا کا بیان ہے اور بالکل صحیح ہے۔

فرض کیجئے کہ حکومت کسی ہندو سے کہے کہ گائے کو مارو اور کوئی برہمن اس ہندو کو یہ بتائے کہ گائے ایک مقدس جانور ہے، اس کی حفاظت لازمی ہے۔ وہ کروڑوں یتیموں کی ماں ہے اور ہمارا پیٹ بھرتی ہے۔ وہ خدا کی مخلوق، معصومیت اور بیچارگی کی تصویر ہے جس کو ہماری ہمدردانہ حفاظت کی ضرورت ہے۔ تم پر اس کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ تو کیا وہ برہمن اس ہندو کو اس کے فرض سے اغوا کرنے کے جرم کا مرتکب ہوا، چاہے افسر کو فوج کے کھانے کے لئے گائے کی کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو؟

مَیں افسر اور افسرِ فوج کیا کمانڈر انچیف سے دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ وہ صاف کہہ دیں کہ مسلمان یا ہندو سپاہی کا یہ فرض ہے کہ (اگر حکم دیا جائے تو) اپنے مذہب کے خلاف کام کرے اور یوں تو خود وائسرائے نے لیجسلیٹو اسمبلی میں اس قسم کے ایک رزولیوشن کے پیش ہونے کی اجازت نہیں دی۔ یہ وہی کونسل ہے، جس میں مجھے بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اخبار پانیر نے لکھا تھا کہ "آپ لوگوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ عوام پر آپ کا عجیب و غریب اثر ہے، آپ ایسی اعلیٰ قابلیت رکھتے ہیں، آپ میں عجیب جوہر ہے جو عامۃ الناس کو آپ کی طرف کھینچتا ہے۔ کیا آپ کونسل میں شریک نہ ہوں گے"۔ مَیں نے اپنی تقریر میں اس کا یہ جواب دیا تھا (اُس تقریر کی بنا پر ایک دوسرا مقدمہ چلایا گیا ہے) کہ مَیں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جو کوئی اس کونسل میں جاتا ہے اُس کو پہلے اس سڑک سے پیٹ کے بل گھسٹنا پڑتا ہے جس پر (واقعاتِ پنجاب کے سلسلہ میں) لوگ پیٹ کے بل چلائے گئے تھے۔ اور اُن جانے والوں کے ساتھ ان نہنوں کا ایک اعزازی دستہ فوج ہوتا ہے جن کو جلیانوالہ میں

ایک بُزدلے برطانوی بدمعاش نے بے عزت کرنا چاہا تھا۔

عدالت : (پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا کیا کہا) آپ کس مبحث پر بحث کر رہے ہیں۔

مولانا محمد علی صاحب : مَیں اس کونسل میں بلایا جا رہا تھا جس میں کسی شخص کے ایک ایسے رزولیوشن کے پیش کرنے کی بھی اجازت نہیں جیسا کہ وُہ تھا جس کو وائسرائے نے مسترد کر دیا اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ کوئی شخص، کوئی مسلمان سرکاری ملازم خصوصاً فوجی ملازم اپنے مذہب کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے (اس موقعہ پر مولانا نے وہ فارم پڑھا، جس پر رنگروٹ کو فوج میں بھرتی ہوتے وقت دستخط کرنے پڑتے ہیں۔ مگر جج نے پھر قطع کلام کیا اور پوچھا کہ آپ کیا بات ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

مولانا محمد علی صاحب : میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی شخص فوج میں داخل ہوتا ہے تو اُس کو کیا کرنا پڑتا ہے۔ یعنی بحیثیت سپاہی کے اس کا فرض کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔ (پھر اُس فارم کو پڑھا)۔

حضرات! خُوب غور سے دیکھئے" (اس فارم میں) سوال یہ ہے کہ "کیا تم اس پر رضامند ہو کہ سمندر اور خشکی کے راستے جہاں کہیں بھیجے جاؤ گے وہاں جاؤ گے اور ذات پات کی کسی رسم کو اپنے فوجی فرائض میں حارج نہ ہونے دو گے"؟ یہ سوال نہیں کیا گیا کہ "کیا تم اپنے مذہب کے خلاف بھی کام کرنے پر رضامند ہو یا نہیں"۔ یا یہ کہ "کیا تمہیں اعتراض ہو گا اگر تم سے کسی گناہ کے کرنے کے لئے کہا جائے"؟ یا یہ کہ کیا تم سمندر یا خشکی کے راستے سے دوزخ میں جانے پر رضامند ہو"؟ (قہقہہ)

فارم میں اس طرح کا کوئی سوال نہیں ہے۔ وکیل سرکار نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی شخص جو انسانوں کی قربانی پر ایمان رکھتا ہو، تمہارے بچے کو قربانی کیلئے طلب کرے تو تم سب سے پہلے قانون کی حفاظت کے خواستگار ہو گے۔ ہمیں تو آج کل بحیثیت تارکِ موالات کے بہر حال قانون کی حفاظت کا خواستگار ہونا نہیں چاہتا۔ نہ مجھے اس کا یقین ہے کہ کوئی ایسا فرقہ موجود ہے جو دوسرے لوگوں سے اس قسم کی قربانی کا مطالبہ کرے۔ اس وقت تو صرف ایک ہی فرقہ ہے جو انسانوں کی قربانی مانگتا

ہے، جو دوسرے لوگوں کے بچوں کو قربانی کے لئے طلب کرتا ہے اور وہ فرقہ فوج والوں کا ہے۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں، ان کی ہوس کا دیوتا یہ مطالبہ کرتا ہے، توسیعِ سلطنت کی خواہش یہ مطالبہ کرتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سمندروں میں، خدا کے ناپیدا کنار سمندروں میں، جب کسی غیر ملک کا جہاز اُن کے جہاز کے قریب ہو کر گزرے، تو وہ اپنے جھنڈے کو پانی میں جھکا کر گویا انگلستان کے اس فخریہ دعوے کو تسلیم کرے کہ انگلستان "سمندروں کی ملکہ" ہے۔ یہ لوگ ہیں جو انسانوں کی قربانی طلب کرتے ہیں۔

جج نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ "اور چوروں کا کیا انتظام کرو گے؟ کیا آپ کی منشا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں"؟ میں نے جواب دیا تھا کہ اگر حکومت اسلامی حکومت ہوتی تو میں یہی مطالبہ کرتا کہ ایسا ہو۔ میں زانی کو سنگسار کراتا تا آنکہ وہ مر جائے۔ گو کہ انگریزی قانون میں زناکاری کوئی جرم نہیں ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا معاملہ اسلامی حکومت سے اور ہوگا اور ایک غیر اسلامی حکومت سے اور۔ میں غیر مسلموں سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ میرے لئے کچھ کریں، سوائے اس کے کہ مجھ کو اپنی مذہبی رائے پر قائم رہنے دیں اور اسی رائے کے مطابق باطمینان عمل کرنے دیں۔ میرا مذہب، فرائض کو صرف میرے ہی اُوپر عائد کرتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں خدا کے کلمۂ حق کو صاف طور پر کہوں یعنی یہ کہ برطانوی فوج میں شریک ہونا اور بغیر معقول وجہ کے مسلمانوں سے لڑنا مذہباً حرام ہے اور یہ کہ کسی مسلمان بھائی کو حکومت کے حکم سے قتل کرنا خلاف انصاف اور کفر کے قریب ہے۔

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اور یہ ارشاد آخری تھا (حضور کے) حج کے موقع پر تمام لوگوں کو جمع کر کے جن کی تعداد ساڑھے سات لاکھ کے قریب تھی، مقام منیٰ پر تقریر فرمائی۔ آنحضرت نے سوال کیا کہ "آج کیا دن ہے ....

(عدالت نے روکا)

عدالت: میں اب کہوں گا کہ آپ خاموش ہو جائیں۔ اس سے کیا واسطہ کہ

رسول نے کیا کہا۔

مولانا محمد علی صاحب: (نہایت غصّہ سے) مجھے بے شک رسول سے واسطہ ہے میرے خیال میں آپ کو یہ الفاظ واپس لینے چاہئیں۔

مولانا شوکت علی صاحب: کفر اور نامعقولیت!

مولانا محمد علی صاحب: آپ کو یقیناً یہ الفاظ واپس لینے چاہئیں۔ آپ کو ضرور تلافی کرنی چاہیئے۔ میں بے شک رسول سے واسطہ رکھتا ہوں۔ مجھ پر اس شخص کی جان لینی فرض ہے جو رسول کی توہین کرے۔

عدالت: بس آپ کو خاموش رہنا ہوگا۔ اب آپ تقریر جاری نہیں رکھ سکتے۔

مولانا محمد علی صاحب: میں وہ کر رہا ہوں جس کی مجھے قانون اجازت دیتا ہے قانون کہتا ہے کہ میں فوج کو اس کے فرائض سے اغوا نہ کروں۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمان سپاہیوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ایک مسلمان بھائی کو قتل کریں اور مجھے حق حاصل ہے کہ اس پر ابدالاباد تک بحث کئے جاؤں، جب تک کہ میں اپنے طرزِ عمل کو صاف کرنا چاہوں، مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اس حق کو مجھ سے لے لیجئے اور اس تماشے کو ختم کر دیجئے۔ اس تماشے سے فائدہ کیا ہے۔ بندوقچیوں کی ایک جماعت کو لے چلئے، اور ہمیں ہاتھ کے ہاتھ گولی مار دی جائے...... یا اگر آپ مقدمہ کے اس تماشے کو جاری رکھتے ہیں تو ہمارے مرنے کے بعد مقدمہ کی سماعت کیجئے گا جیسا کہ ایک دفعہ لارڈ نلسن نے کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ کسی شخص کو اُس کے مذہب کے خلاف چلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا مگر فوجی فرائض میں یہ شرط شامل نہیں ہے۔

عدالت: یہ بحث دُور از بحث ہے۔

مولانا محمد علی صاحب: جو کچھ میرا مذہب ہے میں اُس کی تشریح کر رہا ہوں۔ میں نے عدالت ماتحت میں بھی اپنے بیان کے اندر یہی بحث پیش کی تھی۔ یہ قطعاً بحث کے اندر ہے۔

عدالت: بیٹھ جائیے۔

مولانا محمد علی صاحب: میں نے تو ابھی دفعہ ۵۰۵ کی بحث بھی نہیں کی ہے اور ۷ا کے تحت میں جو الزام لگایا گیا ہے اُس کا تو ابھی ذکر بھی نہیں آیا۔ اس کے متعلق تو میں نے ابھی ایک حرف بھی نہیں کہا۔ کیا مجھے سزا دے دی جائے گی پہلے اس سے کہ میں ان الزامات کے متعلق ایک حرف بھی نہ کہہ سکوں۔

عدالت: میں آپ کو تقریر کرنے کا حق نہ دوں گا۔

مولانا محمد علی صاحب: کیا آپ مجھے اپنی قانونی کتابوں میں ایک فقرہ بھی ایسا دکھا سکتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جج اس حق کو سلب کر سکتا ہے؟ آپ مجھے ایک حق سے تو محروم کر ہی چکے ہیں یعنی آپ نے ثبوت کی تقریر سے پہلے جیوری کے سامنے تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ خود آپ کی بمبئی کورٹ کا فیصلہ یہی ہے اور وکیل سرکار بھی اس سے متفق ہیں۔ مجھے معلوم نہیں شاید سندھ کے جوڈیشل کمشنر نے کوئی دوسرا قانون بنا لیا ہو۔ اب آپ پھر مجھے روک رہے ہیں کہ میں جیوری کو خطاب نہ کروں۔

آپ میری تقریر کے کسی مخصوص حصہ پر اعتراض کر سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں بات نہ کہو۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ مجھے تقریر کرنے سے بالکل کیونکر روک سکتے ہیں۔ صرف یہ کہہ کر آپ مجھے اب کچھ کہنے کی اجازت نہ دیں گے (عدالت یہی کہے گی کہ "بیٹھ جاؤ" میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا)

مولانا محمد علی صاحب: میں اس امر کی تشریح کر رہا ہوں کہ قانون یہ نہیں ہے کسی مسلمان کے فرائض میں یہ امر شامل نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف عمل کرے۔ کیا مجھے یہ ثابت نہ کرنا چاہیئے کہ یہ مضمون جو رزولیوشن کا ہے۔ یہ جملہ صحیح بیان ہے اور غلط بیان نہیں ہے۔ یہ امر بحث کے اندر آتا ہے یا نہیں) میں آپ سے پوچھتا ہوں۔

عدالت: قطعاً خارج از بحث۔

مولانا محمد علی صاحب: اگر قطعاً خارج از بحث ہے تو پھر مجھے اس کے متعلق

کوئی بحث نہ کرنی ہوگی۔

عدالت: میں نے آپ کو بحث کرنے کی اجازت دی ہے۔

مولانا محمد علی صاحب: مشکل یہ ہے کہ آپ میری تقریر میں بہت زیادہ دخل دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اوّل تو میں اس دفعہ کے تحت ہی میں نہیں آتا۔ مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ میرا مذہب کیا ہے اور پھر یہ کہ بحیثیت سپاہی کے کسی سپاہی کا فرض نہیں ہے کہ وہ مذہب کے خلاف کام کرے۔ مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ کیوں وہ اعلان کیا گیا تھا۔ اور مجھے ثابت کرنا ہے کہ یہ اعلان صحیح اعلان ہے۔

عدالت: اور......

مولانا محمد علی صاحب: "اور" کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں یہ بحث کر رہا ہوں کہ وہ بیان صحیح بیان ہے۔ میں ابھی نیت کی بحث نہیں کر رہا۔

عدالت: میں آپ کی تقریر نہیں سننا چاہتا۔

مولانا محمد علی صاحب: میری تقریر کم از کم اسیسروں کے سننے کے لئے ہے۔ آپ اسیسروں کے اس حق کو سلب نہیں کر سکتے۔ اُن کو اپنی رائے اس امر کے متعلق دینی ہوگی کہ آیا میں مجرم ہوں یا نہیں۔ یہ قانون کے مطابق ہے اور قانون کہتا ہے کہ (پھر پڑھنے لگے) میں آپ کے کہنے پر نہیں چل سکتا۔ حقیقۃً میں آپ کی رائے کا پابند نہیں ہیں قانون کی خاص شرط کے خلاف کسی شخص کی رائے کا پابند نہیں ہوں۔

عدالت: اپنے مقدمہ پر بحث کیجئے۔

مولانا محمد علی صاحب: جناب یہ آپ کا مقدمہ تو نہیں، جس پر میں بحث کر رہا ہوں (قہقہہ) حضرات جیوری! (پھر عدالت نے روکا)

عدالت: میں آپ کی تقریر نہیں سننا چاہتا۔

مولانا محمد علی صاحب: آپ نہ سنیں، جیسا کہ آپ نے پہلے بھی اکثر کیا ہے۔ جب شہادت سنائی جا رہی تھی تو آپ اکثر اوقات سوتے ہوتے تھے۔ آپ اب بھی سو رہے ہیں۔ مجھے تو جیوری سے خطاب کرنا ضروری ہے۔

عدالت : (غصّہ کے ساتھ) آپ بیٹھیں گے یا نہیں ؟

مولانا محمد علی صاحب : اگر میں نہ بیٹھوں ؟

عدالت : میں ابھی حوالات بھیج دوں گا۔

مولانا محمد علی صاحب : ضرور بھیج دیجئے۔

(اس موقعہ پر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلایا گیا کہ ملزم کو بٹھا دو۔ مگر وہ بھی بغیر اُن کے جسم کو مس کئے واپس چلا گیا اور ان کو ویسے ہی کھڑا چھوڑ گیا)۔

عدالت نے سررشتہ دار کو ہدایت کی کہ ملزم نمبر ۲ مولانا حسین احمد کو آواز دیں سررشتہ دار نے قریب آکر مولانا حسین احمد صاحب کو آواز دی۔ مگر انہوں نے نہ ایک حرف کہا نہ اپنی جگہ سے ایک انچ ہٹے۔

مولانا محمد علی صاحب : (اس مداخلت سے قطع نظر کرکے) ہاں، حضرات جیوری !.......

عدالت : عدالت کے کام میں دخل نہ دیجئے۔

مولانا محمد علی صاحب : میں عدالت کے کام میں دخل نہیں دے رہا ہوں بلکہ آپ میری بات میں دخل دے رہے ہیں۔ مجھے اس استثناء کے متعلق تقریر کرنا ضرور ہے۔ ۵۰۵ اور ۱۱۷ کے الزامات کو اگر آپ واپس لے سکیں تو واپس لے لیں۔ پھر میں خاموش ہو جاؤں گا۔ آپ کو فرد قرار داد جرم میں آخیر وقت تک ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

عدالت : میں آپ کو یہاں قانون مذہبی پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

مولانا محمد علی صاحب : محض مذہبی قانون کا کوئی سوال نہیں ہے میں ملکی قانون کے متعلق بحث کر رہا ہوں۔ مجھے اسیسروں کو بتانا ہے کہ یہ بیان جو رزولیوشن میں ہے صحیح ہے۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔

عدالت : اس کے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا محمد علی صاحب : اس کی ضرورت کو سمجھنا میرا کام ہے آپ کا نہیں ہے

آپ کو گواہانِ ثبوت کے روک دینے کا بھی کوئی حق حاصل نہ تھا۔ آپ ان کو رد کر نہیں سکتے تھے۔ سوائے اس حالت کے کہ آپ یہ کہہ دیتے کہ ان کی شہادت عدالت میں پیش ہونے کے قابل نہیں ہے۔ آپ نے وکیل سرکار کو نہیں روکا۔ انہوں نے بھی وہی ثابت کیا جس کا ثابت کرنا اپنے خیال میں ضروری سمجھا۔ مگر آپ مجھے اس چیز کے ثابت کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں یعنی یہ کہ قانونِ اسلامی کے متعلق یہ بیان صحیح بیان ہے کہ فوج میں نوکری کرنا حرام ہے۔ مجھے قرآن وحدیث سے اس چیز کو ثابت کرنا ہے (آپ کے خیال میں) یہ بات کوئی وزن رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو مگر مجھے اس کو ثابت کرنا ہے۔ میرا قانون قرآن ہے اور بادشاہ، شاہی اعلانات میں بادشاہ مجھے قانون قرآنی کے اتباع کا حق دیتا ہے۔ یہی بادشاہ کا قانون ہے اگر آپ ان اعلانوں کی تعمیل نہیں کرتے تو پھر بادشاہ کی یہ تصویر یہاں کیوں لگی ہوئی ہے (شاہ ایڈورڈ کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے جو دیوار پر لگی ہوئی تھی) میرے لئے قانون وہی ہے جو بادشاہ کی طرف سے ہو، اور آپ کے لئے بھی وہی ہے۔ میرا بیان بادشاہ کے اُسی قانون پر مبنی ہے۔ میں عدالت میں کوئی غیر خوش گوار صورت پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ میں اسی غرض سے یہاں نہیں ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی ہے۔ باوجودیکہ میں اس عدالت کا احترام نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ حکومت کا ایک جزو ہے۔ میں ضد نہیں کرنا چاہتا، میں گستاخ نہیں ہونا چاہتا مگر میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے حقوق سے بے پروائی کے ساتھ قطع نظر کرنے دوں۔

عدالت: مگر آپ وقت بہت صرف کرتے ہیں۔

مولانا محمد علی صاحب: کل آپ نے مجھے کہلا بھیجا تھا کہ آپ مجھے قانون مذہب پر بحث کرنے کے لئے آدھ گھنٹہ اور دیں گے جس کے بعد میں قانونی مباحث اور واقعات مقدمہ پر گفتگو کروں گا۔ وہ تو میں ختم کر چکا۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ ہر معاملہ میں مذہب مستثنیٰ ہوگا۔

اب ملکی قانون اور دفعہ ۵۰۵ پر بحث کرتے ہوئے مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ

رزولیوشن کا یہ مفہوم کہ فوج میں نوکری کرنا مذہباً حرام ہے۔ صحیح مفہوم ہے اور اس سے میں دفعہ ۵۰۵ کے استثناء کے تحت میں آتا ہوں۔

عدالت: فرض کیجئے کہ یہ مان لیا جائے کہ وہ بیان صحیح ہے؟

مولانا محمد علی صاحب: اچھا تو اسپیسر اس کو مان لیں۔ وہ مجھے ایک تحریر اس قسم کی دے دیں۔ کیا وہ لکھ دیں گے کہ یہ امر ان کی رائے میں ثابت ہے مجھ سے یہ کہہ دیجئے کہ میرا بیان صحیح ہے۔ اس کے بعد میں سلسلۂ تقریر جاری رکھوں گا۔ اس کے بعد میں اس معاملہ کے متعلق ایک حرف نہ کہوں گا۔ وکیل سرکار سے پوچھئے کہ مجھے حق حاصل ہے یا نہیں؟

وکیل سرکار: ہم مانتے ہیں کہ عدالت ماتحت کے روبرو ان کے بیان میں جن الفاظ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ قرآن میں موجود ہیں۔

مولانا محمد علی صاحب: میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سے کچھ زیادہ کا اعتراف کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ مان لیں کہ وہ بیان جس کے متعلق دفعہ ۵۰۵ کے تحت میں مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے

وکیل سرکار: ہم یہ نہیں مان سکتے۔

مولانا محمد علی صاحب: اگر آپ یہ نہیں مانتے تو پھر مجھے یہ ثابت کرنا ہے فرض کیجئے کہ ایک عیسائی پہ اس لئے مقدمہ چلایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے مذہب کا اعلان کیا اور "باپ، بیٹا، روح القدس" کے عقیدے کو بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "مجھے یہ امر ثابت کر دینا ہے کہ عیسائی عقائد کے متعلق یہ بیان صحیح بیان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں آپ کو انجیل میں دکھاؤں گا۔ میں آپ کو Epistles میں دکھاؤں گا۔ میں دعا کی کتاب میں دکھاؤں گا"۔ تو کیا اس کو ایسا کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا؟ کیا میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کے دعوے کے ساتھ انصاف کر سکوں گا؟ کیا آپ کے خیال میں قرینِ انصاف ہوگا، اگر میں اس کو اس امر کے ثابت کرنے کی اجازت نہ دوں کہ مذہب تثلیث کے متعلق اس کا بیان

صحیح بیان ہے ؟

عدالت : (ہاتھ کے اشارے سے) بیٹھ جائیے

مولانا محمد علی صاحب : مَیں نہیں بیٹھ سکتا تا وقتیکہ آپ اس امر کو مان لیں کہ میرا بیان صحیح ہے۔ مَیں ایک بات اور کہہ دوں۔ درحقیقت مَیں ضد نہیں کرنا چاہتا، نہ مَیں محض اس عدالت کے ساتھ عناد اور سختی کے خیال سے بے ضرورت بے صبر ہونا چاہتا ہوں۔ مَیں آپ کے ساتھ (ذاتی طور پر) کوئی بے ادبی کرنا نہیں چاہتا۔ بحیثیت ملزم اور بحیثیت تارک موالات ایسا کرنا کسی طرح میرے حال کے مناسب نہیں ہے۔ مگر ساتھ ہی مَیں اپنے حقوق پر اصرار کرنا چاہتا ہوں۔

عدالت : آپ عدالت کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

مولانا محمد علی صاحب : مَیں کسی کا وقت ضائع نہیں کرتا۔ مَیں صرف جیوری کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ وہ بیان صحیح بیان ہے۔

عدالت : اس سے کوئی بحث نہیں۔

مولانا محمد علی صاحب : مگر میرے نزدیک اس پر بہت زیادہ بحث کی ضرورت ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے یہ بحث بہت اہم ہے۔ حضرات جیوری پر اس امر کا ثابت کرنا بہت ہی اہم ہے کہ بیان قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور مَیں نے محض فرضی باتیں پیش نہیں کی ہیں۔ ممکن ہے کہ مَیں نے بیان ہی غلط دیا ہو (اور اب اس کو ازروئے قرآن ثابت کرنا چاہتا ہوں)۔

فرض کیجئے کہ مَیں زنا کا ارتکاب کرتا ہوں اور پھر عدالت کے سامنے آکر کہتا ہوں کہ "میرا مذہب مجھے اس کی اجازت دیتا ہے"۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ "تم مجھے اپنے مذہبی قانون میں دکھاؤ"۔ اس وقت آپ شخص میرے کہنے پر اعتبار نہ کریں گے بلکہ آپ کو مجھے اس کے ثابت کرنے کی اجازت دینا ہوگی۔ یہ سارا جھگڑا کس بات پر ہے ؟

مَیں یہ نہیں کہتا کہ اگر مَیں نے قتل کیا ہے تو قانون مسلم کی سزا سے مجھے بچا لے یا اگر مَیں نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس کی سزا سے مَیں بچ جاؤں۔ یا اگر مَیں نے کسی کو لوٹا ہے تو

مجھے سزا نہ دی جائے۔ لُوٹ ایک مقدّس فرض ہو جاتا ہے اگر فوج کا کمان افسر حکم دے۔ قتلِ عمد قتل نہیں رہتا جب کمان افسر اس کا حکم دے دے۔ اسی طرح میرے لئے بھی اگر قرآن حکم دے تو قتل، قتل نہیں۔ پس جب میں قرآن کا حوالہ دوں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ "ہمیں دکھاؤ"۔

عدالت : فرض کیجئے کہ ہم برسبیل تذکرہ تھوڑی دیر کے لئے اس کو مان لیں۔

مولانا محمد علی صاحب : میں چاہتا ہوں کہ آپ صرف مباحثہ کے لئے نہیں بلکہ قطعی طور پر اس کو مان لیں۔ مَیں نیّت کے متعلق ایک حرف بھی نہ کہوں مگر مجھے یہ تو ضرور ثابت کرنا ہے کہ یہ بیان صحیح بیان ہے۔ مجھے یہی دشواری اپنے دوست مسٹر مانٹیگو سے پیش آئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ "مسٹر محمد علی میں آپ کے مذہب کے متعلق آپ کی بحث میں مداخلت کروں، یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں" مَیں نے جواب دیا تھا کہ " نہیں، آپ ضرور مداخلت کریں۔ ہم کو بحث کرنے اور مجھ کو یہ ثابت کرنے کی اجازت دیجئے، میرا مذہب درحقیقت کیا ہے۔ میرے آنسو جاری تھے جب مَیں نے اُن سے کہا کہ دراصل میرے لئے ان کی گورنمنٹ کی مخالفت کرنا باعثِ مسرت نہیں ہے۔ چنانچہ مَیں نے خلافت اور جزیرۃ العرب کے متعلّق مذہبی قانون ان کو سمجھایا اور اُنہیں میری تقریر سُننی پڑی۔

مجھے مسٹر لائڈ جارج اور بعض ممبرانِ مجلس کو بھی اپنا مذہب سمجھانا پڑا۔ اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں اس سے کوئی تعلّق نہیں کہ قرآن کا حکم کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

مَیں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ یہی بیان صحیح بیان ہے اور آپ کو ہرگز نہ چاہئے کہ اس کے ثابت کرنے کا حق مجھے حاصل ہے، اُس کو آپ سلب کر لیں۔ کیا اب آپ مجھے اجازت دیں گے؟

عدالت : اگر آپ بہت مختصر طور پر کہیں (جج صاحب کے آخر کار راضی ہو جانے پر تمام عدالت قہقہوں سے گونج اُٹھی)۔

مولانا محمد علی صاحب : آپ نے پہلے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا۔ مَیں تو مختصر طور پر

بلکہ بہت ہی مختصر طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد مولانا نے تین چار آیاتِ قرآنی جن کا حوالہ عدالت ماتحت میں بھی انہوں نے دیا تھا، پڑھیں اور مختصر الفاظ میں یہ ثابت کیا کہ ان آیات کی رُو سے برطانوی فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لئے حرام ہے، اس لئے کہ برطانوی فوج بغیر معقول وجہ کے مسلمانوں کو قتل کرنے اور خلافت اور اسلام کے اقتدار دنیوی کو تباہ کرنے میں استعمال کی جاتی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث جن کا حوالہ عدالت ماتحت میں دیا جا چکا تھا، بیان فرمائیں اور عدالت کو سمجھایا کہ رزولیوشن جس اعلان پر مشتمل ہے اُس سے اُن احادیث کا کیا تعلق ہے۔

جن آیات و احادیث کا حوالہ دیا گیا وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً (النساء رکوع ۱۲)

اور کسی مسلمان کو روا نہیں کہ مسلمان کو مار ڈالے مگر نادانستہ۔

اور نادانستہ مار ڈالنے کی صورت میں بھی مسلمان کو بہت سخت کفارہ ادا کرنا ہے جو چند صورتوں میں مقرر کیا گیا ہے۔

(۲) وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ○

جس شخص نے کسی مسلمان کو اپنے ارادہ سے قتل کیا، پس سزا اس کی جہنم ہے۔ جس میں ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غصہ ہے اور اللہ کی لعنت ہے اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا

اے ایمان والو مت کھاؤ تم اپنے اموال کو آپس میں باطل طریق سے مگر یہ کہ ہو وے تجارت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور مت قتل کرو تم اپنی جانوں کو بیشک

أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (نساء)

اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے اور جو کوئی ایسا ظلم کرے گا ظلم اور تعدّی کے طور پر، پس عنقریب داخل کر دیں گے ہم اُس کو آگ میں، اور یہ باتیں اللہ پر آسان ہیں۔

(۴) قتلِ اوّل کا قصہ بیان کرتے ہوئے جس میں ایک بھائی نے دوسرے کو قتل کیا تھا قابیل کا وہ جرم جسکا اس نے باوجود ہابیل کے امن پسندی کے ارتکاب کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ایسی حالتوں میں امن پسندی کا وہی اُصول ہر مسلمان کے لئے قابلِ عمل ہے۔ ہابیل نے قابیل سے کہا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ (مائدہ۔ ع۵)

اور اسی لئے ہم نے حکم دیا تھا بنی اسرائیل کو کہ جو کوئی کسی شخص کو قتل کر دے بلا قصاص کے یا فساد پھیلائے مُلک میں وہ برابر ہوگا اس بات کے کہ اُس نے تمام انسانوں کو مار ڈالا اور جس کسی نے زندہ کیا (ایک شخص کو) وہ برابر ہوگا اس بات کے کہ اُس نے زندہ کیا تمام لوگوں کو۔

(۵) وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا (الفرقان)

اور جو خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ پکاریں اور ناحق ناروا کسی شخص کو جان سے نہ ماریں کہ اس کو خدا نے حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوں اور جو (شرک اور گناہ) مذکورہ بالا کرے گا وہ گناہ کا خمیازہ بھگتے گا کہ قیامت کے دن اُس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا (شرک کا الگ اور دوسرے گناہوں کا الگ) اور ذلیل و

خوار اسی حال میں ہمیشہ رہے گا۔

اس کے بعد مولانا نے احادیث کا حوالہ دیا۔ جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس وزنا بعد احصان والتارك لدینه المفارق للجماعة

کسی مسلمان کا خون سوا تین باتوں کے حلال نہیں۔ ۱: جان کے بدلے میں قصاص۔ ۲: نکاح کرنے کے بعد غیر عورت سے زنا۔ ۳: اپنے وطن کو چھوڑنا جماعت سے جدا ہونا۔

یہ حکم بہت سی کتابوں میں موجود ہے مثلاً بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ

(۲) المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

(۳) سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

مسلمان کو برا کہنا گناہ ہے اور اس کے خلاف لڑنا کفر۔

(۴) من حمل السلاح علینا فلیس منا (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں۔

(۵) لو ان اهل السموات و الارض اشتركوا فی قتل رجل مسلم لاكبهم الله فی النار

اگر آسمان و زمین کے تمام باشندے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو سب کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں دھکیل دے گا۔

(ابن ماجہ، بیہقی، اصبہانی، بخاری، مسلم، طبرانی، ابن عساکر)

(۶) من اعان فی قتل مسلم شطر كلمة لقی الله مكتوب بین عینیه آئس من رحمة

جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں آدھے لفظ سے بھی اعانت کی وہ خدا کے سامنے اس طرح حاضر کیا جائے گا

الله - (ابنِ ماجہ، بیہقی، اصبہانی)

کہ اُس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا کہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہے۔

(۷) من استطاع منکم ان لا یحول بینه وبین الجنة ملأ کف من دم امرءٍ مسلم ان یهریقه کما یذبح دجاجة کلما تعرض لباب من ابواب الجنة حال الله بینه بینها فلیفعل۔

جو دیکھ سکے دیکھے کہ اس کے اور خدا کے درمیان مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بھی ایک مرغی کے خون کی برابر، یعنی جو کھائی جاتی ہے حائل نہیں اس لئے کہ (اگر ایسا ہوا) تو وہ کوئی شخص موجب جنت کے کسی دروازہ کے سامنے جائیگا خدا اسکے اور جنت کے درمیان حائل ہو جائیگا۔

(۸) کل ذنب عسی الله ان یغفره الا من مات مشرکا او مومن قتل مؤمنا متعمدا۔

اُمید کی جاسکتی ہے کہ خدا ہر گناہ کو معاف کردے سوائے اس شخص کے جو کافر مرا، یا جس نے عمداً کسی مسلمان کو قتل کیا (ابوداؤد)

(۹) اذا تواجه المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار، قالوا یا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه اراد قتل صاحبه۔

جب دو مسلمان آپس میں جھگڑا کریں اور اپنی تلواریں استعمال کریں، تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے جب لوگوں نے پوچھا کہ اے پیغمبر خدا قاتل کے آگ میں ڈالے جانے کا سبب تو صاف ہے مگر مقتول کیوں؟ پیغمبر نے جواب دیا " اس لئے کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا" (بخاری)

حضرات میرا یہ بیان جیسا کہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کلیتاً قرآن اور حدیث پر مبنی ہے اور میرے بعد مولانا حسین احمد صاحب مزید ثبوت آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ علاوہ برایں علماء کے فتوے سے اُس کی صحت کی تصدیق ہو چکی ہے مگر اُس کو بجائے اس کے کہ ہماری بے گناہی کا ثبوت سمجھا جاتا، ہماری خطاداری کا

ثبوت سمجھا گیا۔

حضرات مجھے معلوم نہیں کہ فوج میں ذات پات کے رسم ورواج پر عمل کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس فارم میں تو صرف اس کے متعلق ایک سوال ہے، اور خبر نہیں کہ اگر کوئی رنگروٹ اپنی اس رسم ورواج کی پابندی کرنا چاہے تو کیا ہوتا ہے؟ مگر ہمارا معاملہ محض ذات پات کی رسم ورواج کا نہیں، یہ سوال تو قانونِ مذہب کے خلاف کرنے، نہ کرنے کا ہے۔ اور اگر کسی شخص کا فوجی فرض یہ ہو کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرے اور اگر فوج کے کمان افسر کا یہ خیال ہے تو اس کو یہ سوال بھی (رنگروٹ سے) کرنا چاہیئے۔ ان کو ہر مسلمان اور ہندو سے یہ سوال کرنا چاہیئے اور پھر وہ دیکھیں کہ کیا جواب ملتا ہے۔ ڈانٹے اپنی مشہور کتاب "انفرنو" میں لکھتا ہے اور ملٹن پیراڈائس لاسٹ میں اس کا حوالہ دیتا ہے، کہ دوزخ کے دروازوں پر یہ عبارت کندہ ہے "جو کوئی یہاں داخل ہو، تمام امیدوں کو باہر چھوڑ آئے"۔ اسی طرح ہندوستان کے برطانوی فوج کے دروازوں پر لکھ دیا جائے کہ "جو کوئی یہاں داخل ہو، ایمان کو باہر چھوڑ آئے"۔ ایک مشہور موقع پر جرمنی کے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ "ضرورت کسی قانون کی پابند نہیں۔ جو لوگ اس خلافِ قانون اُصول کی مخالفت کرتے ہیں اُن کو قانون کا توڑنے والا سمجھ کر سزا دی جاتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اس معاملہ میں ایمان داری اور صاف گوئی سے کام لے۔ موجودہ حالت میں تو لوگ اس فوج میں جاتے ہیں کہ بظاہر ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ اگر وہ اس طرح فوج میں شریک ہوں کہ اچھی طرح جانتے ہوں کہ ان کے مذہبی قانون اور اُن فرائض کا جو اس قانون کی رو سے عائد ہوتے ہیں احترام نہ کیا جائے گا، بلکہ سیاسی ضروریات کے دیوتا پر وہ (مذہبی قانون) قربان کر دیا جائے گا اور یہ کہ ایک بلکہ اور دو بادشاہوں کے اعلانات اُس کے مذہبی حقوق کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ تب کوئی شخص حکومت کو الزام نہیں دے سکتا۔ پھر تو گناہ اُن ہی لوگوں پر ہوگا جو یہ سب کچھ جان کر فوج میں شریک ہوئے۔ مگر اس وقت تو یہ دیکھنا

ہے کہ آج (موجودہ حالات میں) قانونِ اسلامی کا اقتضا کیا ہے؟ وہ جرم کیا ہے جس کے لئے دنیوی قانون کی حفاظت درکار ہے؟ ہم انسان کی قربانی کے لئے تو دنیوی قانون کی حفاظت طلب نہیں کرتے۔ میں سپاہیوں سے یہ تو نہیں کہتا کہ "اپنے افسروں کو گولی مار دو، ان کو قتل کر دو"۔ نہیں بلکہ میں تو خود اس امر پر اصرار کرتا ہوں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر کے انسان کی قربانی کا ارتکاب نہ کریں۔ جب آپ آغازِ جنگ میں ان کو جرمنوں کے خلاف لڑنے کے لئے گئے تھے تو میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ "جرمنوں سے نہ لڑو"۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اگر کراچی میں بلوہ بھی ہو جائے اور مسلمان بلوہ کریں تو مسلمان سپاہی اس کو دفع کرنے کے لئے نہ جائیں۔ اس فارم میں (انگریزی کا فارم دکھا کر) بہت سے مختلف سوالات کئے گئے ہیں۔ فارم میں لکھا ہے کہ "حسب ذیل ۹ سوالات"۔ مگر سوالات کی تعداد درحقیقت ۱۴ ہے نہ کہ ۹۔ (مولانا نے کل سوالات پڑھ کر سنائے) مجھے معلوم نہیں کہ اگر سپاہی ٹیکہ لگوانے سے، چاہے وہ پہلے ایک مرتبہ ٹیکہ لگوا چکا ہو، انکار کرے تو اس کے ساتھ کیا عمل ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ محض ہندو اس بنا پر ٹیکہ لگوانے سے انکار کرے، کہ اس میں گائے کا مادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اگر سپاہی سمندر پار جانے سے اپنی ذات پات کی پابندی کو نظر انداز کرنے سے انکار کرے تو اس کے ساتھ کیا کارروائی کی جاتی ہے۔ رنگروٹ تو صرف اس بات کا اقرار صاف کرتا ہے کہ سوالات کے جوابات صحیح ہیں اور یہ کہ وہ اس اقرار کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہے، جس کی تشریح نہیں کی گئی ہے کہ وہ کیا ہیں۔ مگر فرض کر لیجئے کہ اس نے ٹیکہ لگوانے اور جہاں کہیں حکم ہو، وہاں سمندر یا خشکی کے راستے سے جانے اور ذات پات کی پابندیوں کو قومی فرائض میں حارج نہ ہونے دینے کا اقرار کر لیا ہے۔ مگر ایک پندرھواں سوال کہاں ہے، یعنی یہ بھی ہونا چاہئے تھا کہ "کیا تم ہر اس کام کے کرنے پر آمادہ ہو جس کا تمہیں حکم دیا جائے اور کیا کسی مذہبی حکم کو اپنے قومی فرائض میں حارج نہ ہونے دو گے؟ کیا تم اپنے مذہب سے قطع نظر کرنے پر رضامند ہو"؟ اس فارم میں اس قسم کا سوال کہاں ہے؟

اگر رنگروٹ اس سوال کا جواب اثبات میں دے تو پھر کوئی جھگڑا نہیں۔ اگر وہ نفی میں جواب دے تو آپ اُس کو فوج میں شامل نہ کریں۔ مگر آپ تو اُس سے یہ سوال ہی نہیں کرتے۔ آپ کی مجال نہیں کہ آپ یہ سوال کریں۔ تاہم آپ اس کو فوج میں داخل کر لینے میں اور پھر اگر وہ کسی بدترین گناہ کا ارتکاب کرنے سے انکار کرے جو ارتداد اور کفر سے ذرا ہی کم ہو تو آپ کہتے ہیں کہ اُس نے اپنے فوجی فرائض کی انجام دہی سے بے اعتنائی کی۔ مگر خود بھرتی کے اس فارم کی رو سے اُس گناہ کا ارتکاب کرنا بحیثیت سپاہی کے اُس کا قومی فرض نہیں ہے۔ پس جناب! ان کو اپنے قومی فرض سے اغوا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، ہم تو سپاہی کو اُس کے فرض اولین کی تلقین کرتے ہیں یعنی یہ کہ اس کا پہلا فرض خدا کے متعلق ہے اور دوسرا فرض ملک اور بادشاہ سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرات جیوری! ملکہ کا اعلان جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، غدر اور چربی والے کارتوسوں کے واقعہ کے بعد آیا تھا اور وہ قومی فرائض کے اسی غیر محدود مفہوم کو رد کرنے کے لئے ۱۸۵۸ء میں جاری کیا گیا تھا۔ مگر ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مقابلہ میں چربی والے کارتوسوں کو دانت سے کاٹنا یا سور کھا لینا بھی بحیثیت گناہ بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ عدالت میں جو بیان میں نے دیا تھا اس میں کہہ چکا ہوں، اور پھر وہی کہتا ہوں کہ اگر بغیر سور کھائے جان کا بچانا ممکن نہ ہو تو ایک مسلمان نہ صرف سور کھا سکتا ہے بلکہ اُس کے لئے حکم ہے کہ جان بچانے کے لئے ضرور کھا لے۔ اور اگر وہ محض سور کھانے سے انکار کرنے کی وجہ سے مارا جائے تو وہ گناہ گار مرے گا۔ اور اس قسم کے خطرہ کی حالت میں اگر کوئی مسلمان زبان سے کہہ دے کہ میں کافر ہوں، مگر دل میں مومن رہے پس (گو کہ ایسا نہ کرنا قابلِ ترجیح ہے) اگر وہ انکار کے باعث قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں وہ کسی طرح اور کسی حال میں کسی مسلمان کو قتل اور اُس کے اعضاء کو جدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اُس کا فرض ہے کہ اگر مسلمان کو قتل کرنے ہی سے جان بچتی ہو تو نہ بچائے اور صبر کے ساتھ خود قتل ہو جائے (کیا تماشہ ہے کہ) آپ کی مجال نہیں کہ آپ ۱۸۵۷ء کے تجربہ اور ۱۸۵۸ء کے اعلان کے بعد کسی مسلمان

سپاہی کو سور کی چربی والے کارتوسوں کو چھونے کا بھی حکم دیں لیکن جو گناہ مسلمان کی نظر میں سور کھانے اور بظاہر کافر بن جانے سے بھی بدتر ہے، اُس کو آپ سپاہی کے فوجی فرائض میں داخل کرتے ہیں۔ فارم میں اس سوال کا نہ ہونا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ گورنمنٹ جانتی تھی کہ اس قسم کے صاف سوال کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا اور بات کہاں سے کہاں تک پہنچے گی۔ پس ہم مسلمانوں سے اس امر کا مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے خدا کے قانون کی تعمیل کریں، اپنے فرائض میں داخل سمجھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ہم مسلمان سپاہی کو اس کے فوجی فرائض سے اغوا کرتے ہیں بلکہ یہ تو ضروری ہی نہیں کہ وہ فوراً فوج سے قطع تعلق کرے یا اپنے فرائض سے بے اعتنائی کرے۔ وہ اول تو اپنے افسران کے ذریعہ گورنمنٹ سے عرض معروض کرسکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ فلاں فوجی کا فرض اس کے مذہب کے خلاف ہے اور اُس کو اس فرض کے انجام دینے کا حکم نہ دیا جائے۔ لہٰذا سپاہی کو بحیثیت سپاہی کے اس کے فرض سے اغوا کرنے کی نیت ہے، نہ یہ قرینِ قیاس ہے۔

اب دفعہ ۱۱۷ کو لیجئے۔ میرے خلاف دوسری دفعہ صرف یہ لگائی گئی ہے (دفعہ کے الفاظ پڑھ کر سنائے)۔

"جو شخص اکثر عامہ خلائق کے یا اشخاص کے کسی گروہ یا طبقے کی، جو دس اشخاص سے زیادہ ہو، کسی جرم کے ارتکاب میں اعانت کرے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد تین برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانہ کی سزا یا قید اور جرمانہ دونوں سزائیں دی جائیں گی"۔

مگر جرم کہاں ہے؟ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں دفعہ ۱۲۰ اب کے تحت میں کسی سازشِ مجرمانہ کا وجود نہیں۔ ہم نے یا ہمارے کسی شریکِ سازش نے دفعہ ۱۳۱ کے تحت میں کوئی اقدام نہیں کیا۔

عدالت: مسٹر محمد علی آپ پر الزام یہ ہے کہ آپ نے اس جلسہ میں اور دوسرے مقامات

پر ارتکاب جرم میں دس یا زیادہ اشخاص کی اعانت کی۔

مولانا محمد علی صاحب: دفعہ کے الفاظ یہ ہیں کہ "جو شخص اکثر عامۂ خلائق یا کسی گروہ یا طبقے کی، جو دس شخص سے زیادہ ہو، کسی طرح کے ارتکاب میں اعانت کرے"۔ مگر "جرم" کیا ہے (جس کے ارتکاب میں اعانت کی گئی)؟ جرم صرف یہ ہے کہ ہم نے مسلمان سپاہی سے یہ کہا کہ تم خدا کا مقررہ فرض ادا کرو۔ اسلام کے حکم کو سپاہی تک پہنچا دیا۔ صرف یہی "جرم" تصوّر کیا گیا ہے۔ مگر یہ تو کوئی جرم نہیں۔ اس لئے مَیں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور جب کوئی جرم ہی نہیں جس میں اعانت کرتا، تو پھر اس دفعہ کا اطلاق مجھ پر کیسے ہو سکتا ہے۔

شہادت میں آپ کے سامنے بیان کیا گیا ہے کہ جلسہ میں دو یا تین ہزار آدمی تھے دو تین گواہوں نے حلفیہ بیان کیا کہ جلسہ میں صرف دو ہزار آدمی تھے اور وہ سب زیادہ تر مسلمان تھے۔ مَیں اس جلسہ کا صدر تھا اور اس لئے آپ کو زیادہ صحیح بتا سکتا ہوں کہ وہاں کتنے آدمی تھے۔ جب میں کراچی سے بمبئی واپس گیا تو میں نے مہاتما گاندھی سے کہا تھا کہ مجھے کراچی کے جلسہ میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس بڑے جلسہ میں کم از کم آدھے حاضرین ہندو تھے مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت صرف مسلمانوں ہی کا معاملہ نہیں بلکہ ایک قومی سوال ہے۔ ایک صاحب نے جو مرہٹہ تھے، گوکاک کے رزولیوشن کے متعلق آپ کے سامنے یہ بھی بیان کیا کہ وہاں صرف پندرہ سو آدمی تھے اور اس کانفرنس کے پنڈال کا کل رقبہ اِس بڑے کمرے اور برآمدے سے زیادہ نہ تھا۔ وہ پنڈال جس میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا تھا اور جو اس موقع سے کچھ دُور تھا۔ اس کمرہ سے دس یا پندرہ گنا زیادہ بڑا تھا اور بالکل بھرا ہوا تھا۔ دس ہزار سے کم اشخاص موجود نہ تھے۔ پس سوال صرف دس آدمیوں کو اشتعال دینے کا نہیں ہے بلکہ دس ہزار آدمیوں سے اِس بات پر عمل کرنے کی تحریک کرنے کا ہے جس کا ذکر رزولیوشن میں ہے۔ مگر ہم نے ان کو کسی جرم کے ارتکاب پر آمادہ نہیں کیا۔ آپ اپنی ہرن کو ضرور پکائیے، کھائیے اور ہضم کیجئے مگر پہلے اُس کو

پکڑ بھی تو لیجئے۔ مگر ہرن کا پکڑنا تو کجا میرے ان احباب (وکیل سرکار اور مسٹر اسٹن کی طرف اشارہ کر کے) کو تو ابھی اس کا نشان بھی نہیں ملا۔ انہوں نے ابھی تک یہی ثابت نہیں کیا کہ وہ جُرم کیا تھا جس میں اعانت کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے کیا کہا تھا؟ صرف یہی تو کہ وہ سمجھ لیں کہ ان کو خدا کا مقررہ فرض ادا کرنا چاہیئے؟ (مولانا نے رزولیوشن کے الفاظ پڑھنے شروع کئے مگر جج نے روکا۔ مولانا نے عدالت سے مخاطب ہو کر کہا کہ) میں رزولیوشن کے وہ الفاظ پڑھ رہا ہوں جو میرے کاغذ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ مجھے وہ الفاظ سُنانے چاہئیں، جن الفاظ میں رزولیوشن (جلسہ میں) پڑھا گیا تھا، جن الفاظ میں پیش کیا گیا، تائید ہوئی اور پاس ہوا۔ صحیح الفاظ یہ ہیں کہ:

"اور مسلمانوں کا بالعموم اور علمائے اسلام کا بالخصوص فرض ہے کہ اس باب میں شریعت کے احکام فوج کے مسلمانوں تک پہنچا دیں۔"

یہ میری رائے یا میرا بیان نہیں۔ کراچی کانفرنس کا اعلان نہیں۔ بلکہ اس باب میں اسلام کے احکام مسلمان سپاہیوں کو سمجھانے تھے۔ کیا یہ کہنا بھی کہ خالص احکامِ اسلام کو مسلمان سپاہیوں تک پہنچانا مسلمانوں کا فرض ہے، اب ایک جُرم ہے؟ میں نے کل کہا تھا کہ گورنمنٹ ایک مسلمان بھی ایسا نہیں پا سکتی جو یہ کہہ دے کہ یہ قانونِ اسلام نہیں ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ گورنمنٹ کو کوئی ایسا آدمی مل جائے فرض کیجئے کہ گورنمنٹ کوئی ایسا آدمی پیدا کر لے۔ اس لئے کہ جب وہ خالق کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام کی تعمیل کا مطالبہ کرتی ہے تو شاید خدا کی طرح تخلیق کی طاقت بھی اُس کو حاصل ہو۔ پس اگر گورنمنٹ کوئی ایسا آدمی پیدا کرے اور اُس کو مسلمان بھی بنالے اور وہ شخص یہ کہہ دے کہ قانونِ اسلام یہ ہے کہ فوجی حکم کا ہر لفظ خدا کا حکم ہے۔ یعنی جب کمان افسر حکم دے کہ مسلمان پر گولی چلاؤ تو فوراً اُس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ مگر ہم مسلمانوں سے کیا کہتے ہیں؟ یہی تو کہ خدا کے حکم مسلمان سپاہی تک پہنچاؤ۔ میں یہ کب کہتا ہوں کہ خدا کے حکم کے جو معنی میں سمجھتا ہوں، وہ پہنچاؤ۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس باب میں جو کچھ قانونِ اسلام کا حکم ہو اُس کو پہنچا دو۔ کیا قانونِ اسلامی کی تبلیغ بھی جرم ہے؟ فرض کیجیے کہ کوئی شخص بالکل میرے خلاف رائے رکھتا ہو اور کہے کہ نہیں مسلمان کا مار ڈالنا گناہ نہیں ہے بلکہ ایک مذہب پرست مسلمان کا فرض عین ہے کہ جب کمان افسر حکم دے تو وہ دوسرے مسلمان کو مار ڈالے۔ میں اس شخص سے بھی نہ کہتا کہ شریعت کے اس حکم کو (جو تم سمجھتے ہو) فوج تک نہ پہنچاؤ، اور جس طرح میں قانونِ اسلامی کے معنی سمجھتا ہوں اُسی طرح سمجھو۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ اسلامی قانون کا مفہوم ہو، اُس کو مسلمان سپاہیوں تک پہنچا دینا فرض ہے۔

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں، جن کو خطاب بھی ملا اور ان کے لڑکوں کو (معقول) سرکاری عہدے بھی مل گئے۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی نسبت اور خصوصاً حاکمِ وقت کے متعلق مسلمان سپاہیوں کے فرائض کی نسبت بعض عجیب و غریب خیالات رکھتے ہیں۔ وہ حضرت مولویوں کو نوکر رکھتے تھے، صرف اس کام کے لئے کہ وہ قرب و جوار میں جائیں اور جو کچھ بھی جرم ہو، ہمہ وقت ان کے اصول وفاداری کی تبلیغ کریں۔

مگر اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا بھی جرم قرار پائے گا۔ اس لئے کہ وکیل سرکار کہتے ہیں کہ اس امر کا اعلان کرنا کہ عامۃ المسلمین کا اور خصوصاً علمائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ مسلمان سپاہیوں کو قانونِ اسلام سمجھا دیں، یہ بھی دفعہ ۱۱۷ کے تحت میں ایک جرم ہے یا یہ جرم اُسی حال میں ہے جبکہ میں دس یا زیادہ آدمیوں سے ایسا کہوں؟ اگر دو تین سے کہا جائے تو کوئی جرم نہیں؟ مگر جس لمحہ دس آدمیوں تک نوبت پہنچی، پس پھر وہ "تلک عشرۃ کاملۃ" ہے اور اگر ہم نے عامۃ الناس سے یہ درخواست کی، تب تو سزائے پھانسی ہے۔ بہر حال حضرات! آپ کو اس بات کی بنا پر فیصلہ دینا چاہیئے جو میں نے کہی اور جو محکمہ خفیہ کے مختصر نویس نے لکھی، نہ کہ اس بات پر جو پولیس کا کوئی دل میں عناد رکھنے والا دروغ گو کہتا ہو کہ میں نے کہی تھی۔

(اس موقع پر مولانا محمد علی صاحب نے اردو رزولیوشن کی وہ نقل منگائی جو انسپکٹر لیاقت حسین کے خط مختصر سے لی گئی تھی اور جس کو انسپکٹر اس وقت

ضبطِ تحریر میں لایا تھا، جب مولانا کانفرنس میں رزولیوشن پڑھ رہے تھے۔ یہ نقل اس نقل کے بالکل مطابق تھی، جو مولانا نے سنٹرل خلافت کمیٹی کے دفتر سے منگائی تھی اور جو کراچی کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کے چھپے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ تحریر خاص کانفرنس کے وقت لکھی گئی ہوگی۔ مگر گورنمنٹ کے مترجم نے "اس باب میں شریعت کے احکام" کا ترجمہ غلط کیا تھا یعنی ان الفاظ کی بجائے لکھ دیا تھا کہ "یہ احکام" جس کے باعث دفعہ ۱۱۷ قابلِ نفاذ ہو جاتی ہے بشرطیکہ دفعہ ۵۰۵ بھی قابلِ نفاذ قرار پا چکی ہو۔ حالانکہ رزولیوشن کے اس حصّہ کے واقعی الفاظ کا یہ مفہوم نہ تھا کہ قانونِ اسلام کا یہ اعلان کر دیا جائے کہ فوجی ملازمت حرام ہے (جیسا کہ رزولیوشن کے حصّہ اوّل کا مفہوم تھا) بلکہ اس حصّہ رزولیوشن میں تو محض "عام طور پر" کے ساتھ قانونِ اسلام کا حوالہ دیا گیا تھا)۔

حضرات جیوری! مجھے اس مقدمہ سے بری ہونے اور سزا سے بچنے کی ذرا فکر نہیں ہے۔ مجھے اس کی بھی فکر نہیں کہ اپنی کوئی صفائی پیش کروں۔ مَیں کسی قسم کی صفائی پیش نہیں کرتا۔ گو کہ مجھے قانونِ اسلام کی تشریح محض اس لئے کرنی پڑی کہ آپ کو یہ سمجھا دوں کہ اس مسئلہ کا عدالت میں ہمارے طرزِ عمل سے کیا تعلق ہے۔ مَیں نے نہ گواہانِ ثبوت سے جرح کی، نہ اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کی۔ مگر مَیں چاہتا ہوں کہ آپ جو میرے ہم وطن ہیں اور اِس وقت حکومت کے ساتھ شریکِ کار ہیں، ایک بات پر غور کر لیں۔ دُنیا کی تاریخ میں آپ دیکھیں گے کہ بہت سے مشہور سیاسی مقدمات چلے ہیں جن میں بہت سے بڑے بڑے لوگ مجرم قرار دیئے گئے ہیں۔ خود انگلستان کی تاریخ میں غریب جون آف آرک کو جادوگرنی سمجھ کر مار اگیا تھا۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ فرانس میں میرے ہوٹل کے سامنے اُس کا سنہری مجسّمہ نصب تھا اور مَیں جس زمانہ میں وہاں تھا اسی زمانہ میں کیتھولک کلیسا کے اسقف اور پادریوں نے اسی مجسّمہ کو برکت دی۔ مگر ان لوگوں کے اخلاف نے، جنہوں نے جون آف آرک کو زندہ جلایا تھا؟ کیا یہ کہ خود برطانوی فوج

نے بھی فرانسیسیوں کے ساتھ شریک ہو کر اس کے نام پر خراجِ تحسین اور آفرین ادا کیا اور اس کے مجسمہ پر پھول چڑھائے۔ ایک ایسے ہی موقع پر مَیں خود موجود تھا۔ شاہ جارج سوم کے زمانہ میں جارج واشنگٹن بھی ایک باغی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ مگر آج اس کی نسبت برطانوی حکومت کیا کہتی ہے؟ آج تو اُس کو دُنیا کا سب سے بڑا محبِ وطن کہا جاتا ہے۔

مَیں خاص طور پر اُن صاحب کو خطاب کرنا چاہتا ہوں جو جماعت جیوری میں تنہا ایک ہی انگریز ہیں۔ انگریزوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ اپنے اہلِ مُلک کے اکثریت کے قدم بقدم چلیں، خصوصاً باطل پرستی اور نااتفاقی میں۔ یقین کیجئے کہ انگلستان کی تمام تاریخ میں اکثر کم تعداد جماعتیں برسرِحق رہی ہیں۔ ان ہی جماعتوں نے ہمیشہ عظیم الشان اور نیک تحریکوں کو شروع کیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی عظیم الشان تحریک اکثریت کی طرف سے شروع نہیں ہوئی Pilate پائیلیٹ سولی پر نہیں چڑھایا گیا تھا، بلکہ مسیح مصلوب ہوئے تھے۔ (اُن پر خدا کی رحمت اور برکت ہوجیو) - پائیلیٹ خود تو جج تھا جس نے مسیح کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔ مگر آج اصل فیصلہ کون دینے والا ہے اور آج کے بعد کون دے گا؟ روزِ حشر خدا پائیلیٹ کے متعلق اپنا فیصلہ دے گا جس کو معلوم نہ تھا کہ "حق" کیا ہے۔ مگر آج پائیلیٹ کہاں ہے؟ اُس مسیح کو مصلوب کرنے والے جج کو کون جانتا ہے۔ محض مسیح کے مصلوب کرنے کی وجہ سے اُس کا نام مشہور ہے۔ لیکن کروڑوں انسانوں کے لئے مسیح کا نام مصدرِ سعادت ہے۔ میری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسا ناچیز مسیحؑ سے اپنی حالت کا موازنہ کرنے کی جرأت کرے۔ مَیں تو اتنی حیثیت نہیں رکھتا کہ مسیح کے پاؤں کے نیچے کی خاک بھی چھُو سکوں۔ مگر جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

"یہ ضرور نہیں کہ کمزوری ہمیشہ باطل پرستی سے تعبیر کی جائے۔ حق تو حق ہے، کم ہو یا زیادہ (جس حد تک بھی ہو) وہ حق جس کو خدا نے اپنی گرجتی ہوئی آواز سے فطرتِ انسانی تک پہنچا دیا۔ وہ حق جس کو میری رُوح

میرے کان میں کہہ رہی ہے۔"

اُس حالت میں جبکہ برطانوی توپیں گرج رہی تھیں، ایک ناچیز انسان کی رُوح نے اُس کے کان میں اُس حقانیت کا ایک جزوِ قلیل کہہ دیا، جو خدا کی غیر فانی، ہمیشہ قائم رہنے والی، اور رُوح کو سہارا دینے والی حقانیت ہے۔ اور وہ یہ کہ ناچیز انسان صریح قانونِ الٰہی کے خلاف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ذبح ہوتے ہوئے نہ دیکھے۔ بلکہ اس عمل کے خلاف تبلیغ و تلقین کرے اور کلمہ حق کو پھیلائے اس طرح پھیلائے کہ نہ کسی دوسرے انسان کا خوف اُس پر طاری ہو، نہ وہ دنیوی نتائج سے متأثر ہو۔

حضرات! ایک دوسرا واقعہ بھی پیشِ نظر رہے، یعنی شہدائے کربلا کا واقعہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے کے ساتھ صرف ۷۲ آدمی تھے، اور یزید کی فوج ہزارہا تھی۔ جس نے ان کو شہید کر ڈالا۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے کی جماعت قلیل تھی۔ مگر تیرہ سو برس سے آج تک اس ظالمانہ اور کریہ فعل پر ماتم کیا جا رہا ہے۔ جو ایک حاکمِ وقت کا فعل تھا۔ ہر مسلمان حسین کے غم میں ہے جو وہ اس ظالمانہ کارروائی کے شکار ہوئے، نہ کہ یزید کے غم میں جو مغرور فاتح تھا۔ بہت سے شہروں میں آبادی کے باہر ایک مقام ہوتا ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔ مگر یزید کی قبر کا نشان بھی باقی نہیں۔

پس حضرات! یہ خیال نہ کیجیے کہ آپ کے فیصلہ کے نتائج آج یا کل کیا ہوں گے بلکہ اس پر غور کیجیے کہ انسانوں کی آزادی کے لئے مستقبل بعید اور دوسری دنیا میں (جہاں سب کو جانا ہے) اس فیصلہ کے نتائج کیا ہونے والے ہیں، آپ کو خود انصاف کرنا ہے۔ ریلے برادرس آپ کی طرف سے فیصلہ نہیں دے سکتے۔ خدا روزِ حساب لائیڈ جارج سے اُن کی رُوح کے متعلق سوال کرے گا، آپ کے متعلق اُن سے پرسش نہ ہوگی، اور ان کو شاید خود ہی بہت سے اعمالِ بد کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ خدا آپ سے تو صرف آپ ہی کی رُوح کے متعلق سوال کرے گا۔ دوسرے کے متعلق آپ سے باز پُرس نہ ہوگی ریلے برادرس اور فوربش فوربس و کیمبل سے اس باب میں سوال نہ ہوگا (ہر شخص کا

سب سے جدا حساب و کتاب ہوگا) اگر ہندو عقاید کے مطابق آپ کا ایمان یہ ہے کہ نتائج کے سلسلہ میں یہیں سارے اعمال کی سزا مل جاتی ہے تو پھر اپنے مذہب کے مطابق اسی کو مدنظر رکھئے۔ خدا کی جزا اس دنیا کے بعد نہ سہی، اسی دنیا میں آپکو ملے گی۔ اور جس دم آپ کی روح اس جسدِ خاکی سے نکل کر دوسرا جسد تلاش کرے گی، اسی وقت آپ کے اعمال کی جزا و سزا بھی ہو جائے گی۔ آپ کا مذہب جو کچھ بھی ہو، ہر شخص کا کرما اس کے ساتھ ہے اور آخری فیصلہ نہ آپ کے ہاتھ میں ہے نہ جج کے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جو رب العالمین ہے۔

حضرات! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ اتنا وقت لینے کا میرا ارادہ بھی نہ تھا نہ میں اتنا وقت لیتا، اگر مجھے دورانِ تقریر میں بار بار روکا اور ٹوکا نہ گیا ہوتا مگر جیسا کہ میں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا، اگر یہ معاملہ میری ذات کا یا محض اُن تمام ملزمین کا ہوتا تو میں نہ اس قدر طویل بحث کرتا، نہ بحث کرنے پر اس قدر مُصِر ہوتا۔ میں سزا سے بچنے کی فکر میں نہیں ہوں اس لئے کہ ہندستان کی آزادی کا دروازہ جیل خانہ ہے اگر میں سزا سے بچنے کی فکر کرتا تو سارے ثبوت کو پاش پاش کر دیا ہوتا۔ اور خود اسی نام نہاد قانونِ ملکی کے اصولوں کی مطابق اپنی صفائی ثابت کر دیتا۔ میں گواہانِ ثبوت سے جرح کرتا اور ان کی شہادتوں کو پارہ پارہ کر دیتا۔ بلکہ کرنل گویر سے تو (جو اپنے فارم لئے ہوئے تشریف لائے تھے اور "بحیثیت سپاہی کے سپاہی کے فرائض" پر اس قدر زور دے رہے تھے) میرا جی چاہا کہ تھوڑی سی جرح کر لوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اتنا دعویٰ کر سکتا ہوں (باوجودیکہ مجھے وکیل سرکار یا اُن کے چھوٹے سے اسسٹنٹ جیسا قابل وکیل ہونے کا دعویٰ نہیں ہے) مگر خود مقدمہ اس قدر کمزور ہے کہ ہم ایک دن بھی جیل میں نہ رکھے جا سکتے، چاہے انگلستان کے سابق چیف جسٹس المعروف بہ روفس ازاک کیے۔ سی نے خود ہی اپنی گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کیوں نہ کرتے ہوتے مگر باوجودیکہ میں تارکِ موالات ہوں اور اس حیثیت سے اپنی صفائی پیش کرنا میرے لئے ممنوع ہے۔ تاہم جب پہاڑ کی چوٹیوں پہ بیٹھ کر وائسرائے نے ایک ایسے

معاملہ کے متعلق جو ہنوز زیر تجویز ہے، اپنے ملفوظات بیان فرما دیئے تو میرے لئے بھی صاف کہہ دینا ضرور تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ مقدمہ اسلام پر حملہ یا مذہب میں مداخلت کرنے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ مگر ان دونوں جزوں کی مثال اس مقدمہ سے زیادہ کوئی ہو سکتی ہے؟ اگر جو سر سب سے بلند ہو اس کو پہلے کاٹ ڈالا جائے محض اس خطا پر کہ اسلام اور اس کے قانون کی تائید کی گئی اور پھر جو لوگ باقی رہ جائیں، اُن سے سوال کیا جائے کہ "اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے"؟ دوسرے الفاظ میں جس کے معنی صرف یہ ہیں کہ "اگر تم نے بھی کلمہ حق زبان سے نکالا، تو اب تمہاری باری آئے گی"۔ اور پھر اگر وہ بھی زبان کھولنے کی جرأت کرے تو اس کا بھی سر اُڑا دیا جائے۔ تا آنکہ آپ کی مرضی کی مخالفت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے اس وقت آپ کہیں کہ "دیکھو ہم تمہارے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے"۔ پس اگر یہی عدمِ مداخلت ہے تو پھر آپ اپنی آزادی پر خود ہی فخر کیجئے اور اپنے دل کو تسکین دے لیجئے۔ مگر ساری بات یہی تو نہیں ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ جو موجودہ وائسرائے کو دیکھیں جو گلستانِ اسرائیل کے سب سے بڑے سروِ سربلند ہیں، اور اس طرح دیکھیں کہ خود اُن کا وائسرائے بنایا برطانوی رواداری کی ایک مثال ہے۔ مگر حضرات! میں انگلستان کے سابق چیف جسٹس اور ہندوستان کے موجودہ وائسرائے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ ان کا قانون ان کے لئے ہے اور میرا قانون میرے لئے۔ اگر میں بغیر آپ کی دلی رائے کے کہہ سکوں تو یہ کہوں گا کہ آپ کی قوم کی مثال قرآن میں بار بار دی گئی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس قوم کی تقلید سے بچیں اور سبق حاصل کریں۔

قرآن میں مذکور ہے کہ جب موسیٰ (ان پر خدا کی برکت اور رحمت ہو جیو) بنی اسرائیل کو مصر سے بخیر و عافیت نکال لائے اور وہ فرعون کے ظلم سے بچائے گئے تو اُن سے کہا گیا، کہ اب ارضِ موعودہ کی طرف چلو۔ مگر انہوں نے کہا کہ وہاں تو دیو بستے ہیں "اِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ"۔ جبتک دیو وہاں ہیں، ہم تو اس سرزمین پر داخل نہ ہو سکیں گے۔

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا

اور ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں

مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ○ (مائدہ آیۃ ۲۲)

اس سے۔ پس اگر وہ نکل جائیں وہاں سے ہم بیشک داخل ہو جائیں گے۔

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ (مائدہ۔آیۃ ۲۴)

بے شک ہم ہرگز وہاں کبھی بھی داخل نہیں ہونگے جب تک وہ اس میں ہیں۔ پس آپ اور آپ کا رب جائیے اور لڑیے ہم یہاں (آرام سے) بیٹھتے ہیں۔

حضرات! یہ مثال وہ ہے جس پر آپ نے ارضِ مقدس کے متعلق عمل کرنے کے بجائے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے احتراز کروں۔ مَیں اس قانون کو قبول نہیں کر سکتا۔ مَیں یہ نہیں کر سکتا کہ "چونکہ اس ارضِ مقدس پر طاقت ور لوگ حکمران ہیں، وہ دیو نہیں۔ اس لئے ________________

________________ اس موقعہ پر میرا یہ کام نہیں ہے کہ مَیں اُس قانون اور اُس مثال کے مناسب یا نامناسب ہونے پر بحث کروں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، قرآن میرا قانون ہے، چاہے ارضِ مقدس پر دیو رہتے ہوں یا کوئی اور۔ مَیں تو جب میرا خدا حکم دے گا، آؤں گا اور آرام سے بیٹھا نہ رہوں گا۔ نہ خدا سے یہ کہوں گا کہ خدا تُو خود جا اور دیوں سے لڑ، مجھے اگر پھانسی پر بھی چڑھا دیا جائے۔ اس لئے کہ دفعہ ۱۲۰۔الف اور ب نہیں، بلکہ مجھ پر دفعہ ۱۲۱، یعنی بادشاہ کے خلاف بغاوت کا جُرم عائد ہے۔ تب بھی حضرات! مَیں تو یہی کہوں گا کہ میرا قانون یہ ہے اور یہی حق ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ میری لاش بھی جب پھانسی پر لٹکی ہوگی تو وہ بھی یہی پکارے گی۔ پس حضرات! مجھے سزائے حبسِ دوام بعبور دریائے شور سے بچانے کا تو خیال بھی نہ کیجئے۔ لیکن اگر آپ خدا رکھتے ہیں، اور اگر آپ رُوح رکھتے ہیں جس کو عذاب سے بچانا ہے تو اپنے ضمیر کے مطابق فیصلہ دیجئے۔ آپ کو اس امر پر غور نہیں کرنا ہے کہ آپ کسی کمپنی کے ملازم ہیں۔ ریلے برادرس کی یونانی کمپنی یا فوربس فوربس اور کیمبل یا محاصل خانہ کے ملازم ہیں۔ آپ کو تو صرف یہ سوچنا ہے کہ

آپ خدا کے غلام اور حکم بردار ہیں۔ حضرات! بس یہی ایک اہم مسئلہ ہے اپنے ضمیر کے مطابق فیصلہ دیجئے۔ مجھے بچانے کی نہیں بلکہ خود اپنے کو (عذاب آخرت سے) بچانے کیلئے۔ جس وقت جج نے (میری تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے) کہا تھا کہ "میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ اور چاہا تھا کہ میں تقریر ختم کر دوں تو میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ "مجھے ہاتھ کے ہاتھ پھانسی پر چڑھا کہ یہیں تماشے کو ختم کیوں نہیں کر دیتے"۔ سو وہ مسکرا کر فرماتے تھے کہ یہ معاملہ محض میرے آپ کے درمیان نہیں ہے، بلکہ میرے اور پبلک کے درمیان بھی ہے۔ جس پر میں نے پھر کہا تھا کہ پبلک تو اپنا فیصلہ دے چکی۔ اس مکان کے اندر بھی اور سڑکوں پر بھی، جہاں ہزارہا آدمی جمع ہوتے ہیں اور ہمیں عدالت میں آتے اور جاتے دیکھ کر نعرے لگاتے ہیں، جہاں تھوڑی عورتیں باوجود بے پردگی کے باہر نکل آتی ہیں (جیسا کہ میری ماں نے اس مقدمہ کے شروع ہوتے ہی اپنا پردہ ختم کر دیا) اور ہماری بلائیں لیتی ہیں۔ پس حضرات! میری صفائی میرے خدا کے سامنے اور میرے ہموطنوں کے سامنے پیش ہوگی۔ ہم آج عدالت کے سامنے قیدیوں اور ملزمین کی حیثیت سے کھڑے کئے گئے ہیں مگر جس دن خدا کی مسند عدالت کے سامنے جج اور جیوری ملزم اور ان کے شرکاء، وکیل سرکار اور ان کے اسسٹنٹ سب لوگ اور خود بادشاہ کھڑے ہونگے اس وقت خدا سوال کرے گا "لمن الملک الیوم" (آج کے دن یہ ملک کس کا ہے) تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ آپ کہیں گے کہ اے خدا......۔ آپ کہتے کہ "میری سلطنت جو آنیوالی ہے"۔ مگر حضرات! خدا کا تسلّط تو ہو چکا۔ خدا اور اس کی سلطنت آ گئی۔ آج بھی یہاں اس وقت خدا کی سلطنت موجود ہے۔ یہ شاہ جارج کی سلطنت نہیں ہے خدا کی سلطنت ہے اور اسی بنیاد پر آپ فیصلہ دیں اور اسی بنیاد پر مجھے عمل کرنا ہے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میں صرف اُس حد تک شاہ جارج کے قانون کی تعمیل کرونگا جہانتک کہ وہ مجھے خدا کے قانون کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہ کریں میرے دل میں ذاتی طور پر بادشاہ کے متعلق کوئی عناد نہیں ہے۔ مجھے جج کے ساتھ بھی عناد نہیں ہے، نہ گورنمنٹ کے خلاف۔ حضرات! ہم سب کو مفادِ عامہ کے مقاصد کو

پیشِ نظر رکھ کر کام کرنا چاہیئے نہ کہ ذاتی بغض و عناد کی بناء پر۔ ایک دفعہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد عزیز اور جانشین حضرت علیؓ کو ایک یہودی پر غصہ آیا۔ جس نے اسلام اور خدا اور عقائدِ اسلام کی توہین کی تھی۔ انہوں نے اُسی اُس کو زمین پر گرا دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ گئے۔ یہودی نے سمجھا کہ اب وہ قتل کر دیا جائے گا، اور بالکل مایوس ہو کر اُس نے حضرت علی کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے تو دیکھا ہو گا کہ دودھ کا بھرا برتن جب آگ پر رکھا ہو، دودھ اُبلتا ہے مگر جہاں پانی کا ایک چھینٹا دیا، وہ اُبال جاتا رہتا ہے۔ یہودی کے تھوکنے نے بالکل وہی حالت پیدا کر دی اور کسقدر تعجب انگیز بات ہے کہ اس کی حرکت کے بعد حضرت علیؓ کا غصہ فوراً اُتر گیا اور وہ اُس کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے۔ یہودی کو اس قدر جراٴت ہوئی کہ وہ آپ کے پیچھے دوڑا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ "یہ تو عجیب حرکت ہے، جب میں نے زبان سے ایک حرف کہا تھا تو آپ نے مجھے گرا دیا اور مار ڈالنے پر تیار تھے اور جب میں نے آپ کے منہ پر تھوکا تو آپ لاچار ہو کر مجھے چھوڑ کر چل دیئے"۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "تُو نے خدا کی توہین کی تھی اور مَیں تجھے مار ڈالتا، مگر جب تُو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے خود اپنی توہین کے باعث غصہ آ گیا۔ مگر مفادِ عامہ، ذاتی غصہ کے ساتھ ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ مَیں خدا کے واسطے جلاد کا کام کر سکتا ہوں مگر محض علیؓ کے لئے قتل کا مرتکب نہیں ہو سکتا"۔ حضرات! ہم دونوں کے نام کا ایک فرد علیؓ کا مقدس نام ہے اور میرے نام میں تو ایک دوسرا نام بھی شامل ہے جو علی سے بھی بزرگ تر ہے۔ مَیں ذاتی عناد کے باعث تو ایک مچھر بھی نہیں مار سکتا لیکن مَیں اپنے خدا کے واسطے سب کو قتل کر دونگا مَیں کسی کو جان کی امان نہ دوں گا۔ مَیں اپنے بھائی کو ذبح کر ڈالوں گا۔ اپنی پیاری بوڑھی ماں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بچوں کو، سب کو (خدا کی راہ میں) ذبح کر ڈالوں گا۔ خدا میری مدد کرے۔ (جس وقت مولانا نے آخری فقرات ادا فرمائے، ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنسوؤں کے قطرے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے، اور آخر بالکل بے اختیار ہو کر وہ بیٹھ گئے)۔

بیان مولانا حسین احمد صاحب

۱۸۵۷ء میں جب کہ آزادی کی خوشبودار مگر تیز ہوا باشندگانِ ہند کے دل کو مست اور مسرور کر رہی تھی۔ اس کی بھینی بھینی مہک ہوش وحواس کو گم کر رہی تھی اور دلوں کو از خود رفتہ بنا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ تشدّد کی زہریلی چنگاری چمنِ ہستی کو برباد اور اس کی ہمہ گیر لپیٹ خانمانوں کو خاکستر کرتی ہوئی بد ظنی اور پست ہمتی کی بادِ سموم سے نخلستانِ وجود کو پژمردہ بنا رہی تھی۔ تباہ کن اور زہریلے شعلے حالی اور استقبالی طمانیت کو یک قلم نیست ونابود کر رہے تھے۔ دنیائے امن میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔

اس وقت اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سرد کرنے میں ممکن ہے کہ کوئی کوتاہ نظر مادی قوّت کو مؤثر مانتا ہو، مگر باریک بیں اور تہ تک پہنچنے والا دماغ کبھی اس کے تسلیم کرنے پر رضامند نہیں ہو سکتا اور نہ ہی واقعات اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ مادی قوت لپیٹ مارنے والے شعلے کو دبا سکتی ہے مگر دلوں میں سُلگنے والی آگ کو نہیں بجھا سکتی۔ وہ ہاتھ پیر باندھ کر لوہے کے زیوروں سے اجسام کو آراستہ کر سکتی ہے مگر دماغوں پر قابو نہیں کر سکتی۔ وہ شخصی خدمات کو ملیامیٹ کر سکتی ہے مگر قومی احساسات کو پامال نہیں کر سکتی۔ وہ حالی ذمہ داری کا ایک درجہ تک تحمل کر سکتی ہے مگر استقبالی کفالت اُس کے احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ اس زمانہ کے گورنمنٹ کے تجربہ کار اور عقل مند ارکان اس کو سمجھے اور واقعی سمجھے۔ اُس کے ہر پہلو پر غور اور خوض سے کام لیا اور تہ تک پہنچ گئے۔ اُنہوں نے ان مادوں اور اُصولوں تک اپنی قابلِ وقعت فکر کو پہنچایا جن کے ذریعہ سے نہ فقط سرسری طور سے امن وامان قائم ہو سکتا تھا بلکہ اُس پر عمل درآمد ہونے کی صورت

میں ہمیشہ کے لئے جملہ خطرات کا قلع قمع بھی ہو سکتا تھا۔ ان کے وسیلہ سے فقط ظاہری شورش اور بے چینی ہی کافور نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ دلوں کی خلش اور دماغوں کی فکریں بھی دُور ہو سکتی تھیں۔ یہ وہی اُصولی و مواد تھے جن کا حوالہ میرے محترم اور اولو العزم دوست مولانا محمد علی صاحب اپنے بیان میں دے چکے ہیں جن کو اعلانِ کوئین وکٹوریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بادشاہانِ انگلستان اب تک اس اعلان کی تقدیس کرتے رہے۔ کنگ جارج پنجم اور اقراری کنگ ایڈورڈ ہفتم کے تقدیسی اور تسلیمی کلمات معروف اور مشہور ہیں۔ یہی وہ اعلان ہے جس نے ہندوستان میں حقیقی امن پھیلایا۔ یہی وہ مجموعہ قوانین ہے جس نے ہر بے چینی کا انسداد کر دیا ہے۔ یہی وہ مضبوط پتھر ہے جس پر برٹش حکومت کی بنیاد ہندوستان میں استوار ہوئی۔

اس نے اگر والیان ملک اور ریاستوں کے قلوب سے برٹش کے قلمرو نہ بڑھانے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاہدات کو اصل صورت میں ملحوظ رکھنے، حقوق و احترام والیانِ مُلک کو اپنی طرح ملحوظ رکھنے کے عہد و پیمان سے بے چینی دُور کر دی تھی۔ تو عام سیاسیوں اور ملکی باشندوں کے دلوں کو اپنے دیگر مقبوضات اور نو آبادیوں کی طرح حقوق دینے ان کے ساتھ بدون لحاظ قومیت و بدون اعتبار رنگت غیر جانبدارانہ طریق پر مساوات برتنے، ان کی خوش حالی اور مادی ترقی، تجارت اور صنعت کی بہبودی کی کفالت کے مضبوط وعدوں سے مطمئن کر دیا تھا۔ اس نے شاہی عفو کا بھی پورے طور سے اعلان کیا فقط اسی ایک اعلان نے کفایت نہیں کی۔ بلکہ ایک تیز اور گہری روشنی کے ذریعہ سے بے چینی اور بد امنی کے اندھیرے کو گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ سے دُور کرنے کا طریقہ عمل میں لایا۔ چونکہ ہندوستان کی بودھ زمانے سے لے کر آج تک کی تاریخ دکھلا رہی ہے، کہ ہندوستان کے باشندوں میں مذہبیت کا خیال نہایت رائج ہے۔ زمانہ گذشتہ میں اس کی وجہ سے بہت سے غیر معمولی اور سنگین حادثے پیش آچکے ہیں۔ خود ۱۸۵۷ء میں ناجائز چربی کی وجہ سے فوجوں میں اشتعال پیدا ہونے کا واقعہ طشت از بام ہے۔ دوسرے ممالک برما چین جاوا یورپ وغیرہ میں یہ حالت مذہبی جذبات کی نہیں ہے۔

اہلِ ہند خواہ کسی مذہب پر ہوں، مذہب کے سامنے قدیم زمانہ سے ہر چیز کو نثار کرتے آئے ہیں۔ اور حقیقت میں ہونا بھی یہی چاہیئے۔ مذہب زمین و آسمان کے بادشاہ کا قانون ہے جس کے سامنے زمین کا بادشاہ اور اُس کا قانون کوئی قوت نہیں رکھ سکتا۔ مذہب اُس بادشاہ کا قانون ہے جس کی حکومت جسم اور رُوح، دنیا اور آخرت سب پر ہے۔ اس کے سامنے جسمانی دنیاوی بادشاہ کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ مذہب اس شہنشاہ کا قانون ہے جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا نفع و نقصان حقیقی طور پر ہے۔ اس کے سامنے مجازی مالک، نفع و نقصان کیا اعتبار رکھتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ میں اور ہر زمانہ میں عقل مند طبقہ مذہب کو تمام قوانین دنیا پر مقدّم کرتا رہا۔ ہندوستان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مدبرینِ برطانیہ نے مذہبی آزادی کو اپنی حکومت کے لئے اصل اُصول قرار دے کر اس اعلان میں شامل کر دیا جس کے الفاظ کا ترجمہ بعینہٖ حسب ذیل ہے۔

"مذہب عیسائی کی حقانیت پر پورا ایمان رکھتے ہوئے ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ہم اپنی رعایا کو اُس کے ماننے پر مجبور کریں۔ یہ ہمارا شاہی ارادہ اور خوشی ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی اپنے مذہب یا کسی مذہبی کام کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا، بلکہ سب کے سب یکساں اور برابر قانون کی حمایت کا لطف اُٹھائیں گے۔ اور ہم نہایت سختی کے ساتھ اپنے ماتحت حکام کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہماری کسی رعایا کے مذہبی اعتقادیات یا عبادت میں مداخلت نہ کریں کہ یہ ہماری ناخوشی کا باعث ہوگا۔"

ہندوستانی باشندوں نے اس شاہی اعلان اور شہنشاہی عہد و پیمان پر پورا اطمینان کر لیا اور ہر طرح سے بے چینیوں کو دلوں اور دماغوں سے نکال باہر کر دیا۔ (مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ کے حکام نے اپنا طرزِ عمل ایسا نہ رکھا جس سے وہ اطمینان قائم اور استوار رہتا)۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ رزولیوشن جس پر تاریخ معلومہ پر میں نے تقریر یہ تحریک کی تھی۔ یہ واقع میں رزولیوشن اور تجویز نہیں ہے، بلکہ خالص مذہبی اور اسلامی مسئلہ ہے جس کا اعلان کرنا ہر مسلمان پر عموماً اور ہر عالم پر خصوصاً مذہبی فریضہ ہے۔ یہ مسئلہ تیرہ سو برس سے چلا آ رہا ہے کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے

اس کو فقط اس وجہ سے رزولیوشن اور تجویز کے نام سے موسوم کیا گیا کہ اس کے دو[۲] دوسرے ٹکڑے حقیقت میں تجویزیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب کے مسئلہ کو فقط اُس مذہب کے مقتدر لوگ جنہوں نے اپنی عمر کے بڑے حصّہ کو اس مذہب کی خدمت میں صرف کیا ہے، جان سکتے ہیں۔ ہندو مذہب کی باتیں اُن کے پنڈت اور گرو جان سکتے ہیں۔ عیسائی مذہب کی باتیں پادری بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اسلامی مذہب کی باتیں علماء اسلام جان سکتے ہیں، لارڈ ریڈنگ یا کوئی بیرسٹر یا جج اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون مسئلہ مذہبی ہے کون نہیں۔ علماء اسلام سے اس کو پوچھنا چاہیئے۔

اس کے خالص مذہبی ہونے کی دو آفتاب کی طرح روشن دلیلیں ہیں۔ اوّل تو اس کے الفاظ اور دوم اس کے دلائل۔ اوّل کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فوجی نوکری کی نسبت لفظ حرام کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ خالص مذہبی لفظ ہے جس کو تمام مذہب اسلام کے واقف کار جانتے ہیں۔ مذہب اسلام میں احکام سات قسم پر منقسم ہوتے ہیں۔ فرض[۱]، واجب[۲]، مندوب[۳] (اس میں سنّت مستحب داخل ہیں) مباح[۴]۔ کراہت تنزیہی[۵]، کراہت تحریمی[۶]، حرام[۷]۔

حرام اس کو کہتے ہیں کہ جس کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوا ہو کہ اپنے ثابت ہونے اور معنی پر دلالت کرنے میں قطعی ہو، اس میں کسی قسم کا شبہہ نہ ہو اور اس میں بندوں کا اس فعل کو چھوڑنا نہایت ضروری قرار دیا گیا ہو۔ اس کی تعریف باعتبار نتیجہ کے ان الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حرام وہ فعل ہے جس کا کرنے والا عذاب کا مستحق ہو، اور چھوڑنے والا ثواب کا، اور انکار کرنے والا تکفیر کا۔ خلاصہ یہ کہ لفظ حرام ایک خالص مذہبی لفظ ہے جو معنے مذکور الصدر مسلمانوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ لغوی معنی فقط منع کے ہیں جو کہ کراہت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ شریعت میں مذہبی مسئلہ اس کو کہتے ہیں کہ مکلّف بندوں کے کسی فعل پر ان شرعی احکام میں سے کسی کا حکم کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ موجودہ گورنمنٹ سے ترک موالات واجب ہے یا مخالفِ اسلام کی مدد حرام ہے۔ تو ترکِ موالات اوّل میں اور مدد ثانی میں فعل مکلّف ہو، اور لفظ واجب

اور حرام شرعی احکام ہوئے - یہی بالائی بیان توضیح تلویح شرح جمع الجوامع وغیرہ میں تفصیلاً مذکور ہے - خلاصہ یہ کہ رزولیوشن مذکور کے الفاظ مذہبی ہیں - اور یہ خالص اسلامی مسئلہ ہے - اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہوگا کہ مثل دیگر مسائل شرعیہ جب اس کو اس مسئلہ کا علم ہو تو دوسروں کو اپنی طاقت کے موافق پہنچائے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

دوسرا طریقہ اس کے دلائل کا ہے - آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مذہب اسلام کا مدار قرآن شریف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے - کوئی شخص جب تک قرآن کے حرف حرف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے کلمہ کلمہ کو سچ اور حق نہ سمجھے مسلمان نہیں ہو سکتا - اگر کسی آیت یا کسی قطعی حدیث کا انکار کر دے گا تو ہو جائے گا - اور قرآن پر عمل کرنے سے کسی دنیاوی غرض سے حلال جانتا ہوا اعراض کیا تو بھی کافر ہو جائے گا - اگر حلال نہ جانا تو سخت گنہگار ہوگا - فوجی نوکریاں محض جنگ اور قتل وقتال کی غرض سے ہوتی ہیں - جس کو گورنمنٹ اپنی سیاسی اور مذہبی اغراض کے لئے جاری کرتی رہتی ہے - اس میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں خلفاء اسلام اور غیر خلفاء حربی اور ذمی سبھوں پر ہتھیار اٹھانا اور آلات جنگ کا استعمال کرنا اور حسب حکم کمانڈر قتل، غارت، لوٹ، ناروا بے عزتی، خانہ بربادی وغیرہ سبھی کرنی پڑتی ہے - زمانہ جنگ میں کسی طرح اس سے انکار ناممکن ہے اور چونکہ مسلمان کا قتل کرنا، اس کے قتل میں مدد دینا اس پر ہتھیار اٹھانا - ان کا مال لوٹنا، ان کی بے عزتی کرنا، ان کو تکلیف پہنچانا، ان کے دشمنوں کی مدد کرنا - ان کے حلیفوں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں - اس لئے یہ نوکری ضرور حرام ہوگی - قرآن میں اس کے حرام ہونے کی نسبت نہایت سخت اور تاکیدی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں -

آیات واحادیث واقوالِ فقہاء

سات جگہ قرآن شریف میں صریح الفاظ کے ساتھ مسلمان کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے - اور ایک جگہ ان مسلمانوں کے سخت عذاب اور ان کے عذر مسموع

ہونے کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی کمزوری کی وجہ دشمنانِ اسلام کے لشکروں میں شریک ہو کر مارے جاتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء میں ہے:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (پ۵ ع۱۰)

جس شخص نے کسی مسلمان کو اپنے ارادہ سے قتل کیا۔ اُس کی جزا پانچ ہیں: اوّل دوزخ میں داخل ہونا۔ دوم اسمیں ہمیشہ رہنا۔ سوم اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب اور غصہ ہونا۔ چہارم اللہ کا اس پر لعنت کرنا۔ پنجم بہت بڑے عذاب کا اس کے لئے تیار ہونا۔

واضح ہو کہ جس قدر سخت سزا مسلمان کے قتل کرنے کی اس آیت میں ذکر کی گئی ہے وہ کسی گناہ کیلئے سوا کفر و شرک کے ذکر نہیں کی گئی۔ سورہ فرقان میں ہے۔

(۲) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ (پ۱۹ ع۴)

اپنے اچھے اور پسندیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے اچھے وہ بندے ہیں جو کہ خدا کے ساتھ کسی معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا اس کی چار جزا ہیں۔ ۱: گناہِ عظیم کا ارتکاب۔ ۲: قیامت کے دن عذاب کا دوگنا ہونا۔ ۳: عذاب کا ہمیشہ رہنا۔ ۴: ذلیل و خوار دوزخ میں رہنا۔

(۳) سورہ نساء میں ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال بغیر تجارت کے جو آپس کی رضامندی

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (پ۵ ع۲)

سے ہو، کسی دوسرے خراب طریقہ سے مت کھاؤ اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو (یعنی اپنے بھائی مسلمانوں کو قتل نہ کرو جو کہ تمہارا اپنے آپ کو قتل کرنا ہے)۔ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے اور جو ایسا ظلم و تعدی کرتے ہوئے کریگا، ہم اس کو دوزخ میں دھکیل دیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

(۴) سورہ مائدہ میں ہے :۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (پ۶ ع۹)

ہابیل اور قابیل کا قصہ ذکر کرتے اور قاتل کی سزا وغیرہ کی بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر حکم نازل کر دیا تھا کہ جس نے کسی جان کو بغیر قصاص کے قتل کیا اور زمین پر (بغاوت خلیفہ یا قتل و غارت وغیرہ) تو اس پر اسقدر گناہ ہوگا کہ جسقدر تمام لوگوں کے قتل کا ہونا چاہیئے اور جس نے اس کو بچایا تو اسکو اتنا ثواب ملیگا جسقدر تمام لوگوں کے بچانے کا (واضح ہو کہ یہی حال اس امت کا بھی ہے جیسا کہ احادیث

(۵) سورہ انعام میں ہے :۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ (پ۸ ع۷)

کسی محترم جان کو بغیر عذر شرعی کے قتل نہ کرو۔

(۶) سورہ اسراء میں ہے :۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ

کسی محترم جان کو بغیر عذر شرعی

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط (پ۵ ع ۲) کے قتل نہ کرو۔

(۷) سورہ نساء میں ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ج (پ۵ ع ۱۰)

مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ سوا خطا کے کسی مسلمان کے قتل کا مرتکب ہو۔

(۸) سورہ نساء میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ط قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (پ۵ ع ۱۱)

(کچھ لوگ مکہ معظمہ میں مسلمان ہو گئے تھے مگر ہجرت نہ کی تھی۔ بدر میں کافروں نے ان کو مجبور کیا اور اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لے آئے۔ وہ مسلمان جنگ میں مارے گئے اُن کے بارہ میں یہ آیت اُتری) جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (یعنی ظالموں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے تھے اور ہجرت نہ کرتے تھے) جنگ میں فرشتوں نے جب ان کی جان قبض کی تو وہ کہتے ہیں کہ تم کیوں اور کس طرح اس میں (کفار میں) تھے۔ وہ مسلمان جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا زمین اللہ تعالیٰ کی وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے چلے جاتے اور ان کے ساتھ نہ ہوتے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، اُن لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی غیر صریح آیتیں اسی قرآن میں موجود ہیں جن کو میں بخوفِ طوالت ذکر نہیں کر سکتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات اس بارہ میں بکثرت اور بہت سخت ہیں۔ ان میں سے اس وقت میرے پاس ساٹھ حدیثیں موجود ہیں۔ مگر بخوفِ

طوالت سب کو ذکر نہیں کرتا - فقط تیس ۳۰ حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ وغیرہ)

دسویں ذی الحجہ کو بقرعید کے دن وفات سے ۹۲ دن پہلے (یعنی تین مہینہ دو دن) شنبہ کے روز سہ پہر کو بعد نماز ظہر مسجد خیف میں قصبہ منیٰ میں ایک لاکھ پچھتر ہزار (تقریباً) کس کے مجمع میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو رخصت کرتے ہوئے اور خود رخصت ہوتے ہوئے جو آخری نصیحتیں اور ارشادات فرمائے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہیں -

(۱) الا ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام لحرمة یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا الا لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔

(چونکہ ہمیشہ سے عرب ذی الحجہ کے مہینہ اور دسویں تاریخ اور حدود حرم کو نہایت مقدس سمجھتے تھے - اس میں قتل و غارت کرنا ان کے یہاں سب سے بڑا گناہ شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اوّلاً حضرتؐ نے تنبیہ کرنے کے لئے دن، مہینہ اور جگہ سے سوال فرما کر اور اُن سے اقرار کرا کر فرمایا) خبردار ہو جاؤ کہ تمہارے (اے مسلمانوں) خون تمہارے مال، تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ اور ہر جگہ اور ہر دن ایسی ہی طرح تم پر حرام ہیں جیسا کہ اس شہر میں، اس جگہ میں، اس دن میں - خبردار ہو جاؤ، میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(۲) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ -

لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس وزنا بعد احصان والتارك لدینه المفارق للجماعة۔	کسی مسلمان کا خون سوائے تین باتوں کے حلال نہیں - ۱: جان کے بدلے یعنی قصاص - ۲: نکاح کرنے کے بعد غیر عورت سے زنا - ۳: اور اپنے دین کو چھوڑنا، جماعت سے الگ ہونا (اس

میں مرتد اور خلیفہ عادل سے بغاوت کرنے والا، بادشاہِ اسلام پر خروج کرنے والا جس کو فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے، سب داخل ہیں)۔

(۳) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

امرت ان اقاتل الناس	مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے
حتّٰی یقولوا لا الٰہ الّا اللہ	فقط اُس وقت تک جنگ کروں جبتک
فاذا قالوھا عصموا منی	کہ وہ لا الٰہ الّا اللہ نہ کہہ دیں
دماءھم واموالھم الّا	جس وقت انہوں نے اس کلمہ کو کہا،
بحق الاسلام۔	دین اسلام کو قبول کر لیا تو انہوں نے

اپنے خون اور مال کو محفوظ کر لیا۔ اب بغیر حق اسلام (یعنی بغیر حکم شرعی قصاص زنا وغیرہ) کے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۴) مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ضیاء مقدسی۔

لزوال الدنیا اھون علی	دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ
اللہ من قتل رجل مسلم۔	پر ایک مسلمان کے مقتول ہونے سے
	آسان ہے۔

(۵) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد ابو یعلیٰ۔

سباب المسلم فسوق و	مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس
قتالہ کفر۔	سے جنگ کرنا کفر ہے۔

(۶) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

المسلم من سلم المسلمون	مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور
من لسانہ ویدہ۔	ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۷) بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔

اجتنبوا السبع الموبقات	آخرت میں ہلاک کرنے والی سات چیزوں
الشرك باللہ - والسحر و	سے بچو - ۱: اللہ کے ساتھ شریک کرنا،

قتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق و اکل الربوا و اکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات۔

۲: جادو۔ ۳: ناحق کسی محترم جان کو قتل کرنا۔ ۴: سود کھانا۔ ۵: یتیم کا مال کھانا۔ ۶: میدانِ جہاد سے بھاگنا ۷: ایمان دار باعصمت غافل عورتوں پہ زنا کی تہمت رکھنا۔

(۸) بخاری وغیرہ

من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذٰلك المسلم الذی له ذمة اللہ و ذمة رسوله فلا تخفروا اللہ فی ذمته۔

جس شخص نے ہماری جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیرا اور ہمارے ذبح کیے ہوئے حیوان کو کھایا وہی مسلمان ہے جس کے لیے ذمہ داری اللہ کی، اور ذمہ داری رسول اللہ کی

پس اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو۔ یعنی اُس کے خون اور مال اور آبرو میں کوئی تعرض نہ کرو۔

(۹) ترمذی، بیہقی، طبرانی۔

لو ان اهل السموات و الارض اشتركوا فی قتل رجل مسلم لاکبھم اللہ فی النار۔

اگر آسمان اور زمین کے کُل باشندے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو سب کو اللہ تعالٰے دوزخ میں دھکیل دے گا۔

(۱۰) ابن ماجہ، بیہقی، اصبہانی، بخاری، مسلم، طبرانی، ابن عساکر۔

من اعان فی قتل مسلم شطر کلمة لقی اللہ مکتوب بین عینه ائس من رحمة اللہ۔

جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں آدھے لفظ سے بھی اعانت کی وہ اللہ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر کیا جائیگا کہ اُس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی

پر لکھا ہو گا۔ "اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہے"۔

(۱۱) مسلم وغیرہ

عن اسامة بن زيد قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اناس من جهينة فاتيت على رجل منهم فذهبت اطعنه فقال لا اله الا الله فطعنته فقتلته فجئت الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال اقتلته وقد شهد ان لا اله الا الله قلت يارسول الله انما فعل ذلك اتعاذا قال كيف تصنع بلا اله الا الله اذا جاءت يوم القيمة قاله مرارا۔

اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کے بعض آدمیوں سے جنگ کرنے کو بھیجا۔ میں ایک شخص کے مقابلہ میں آیا۔ جب مَیں نے اس کے نیزہ مارنے کا ارادہ کیا۔ اُس نے لا اله الا الله کہا۔ مگر مَیں نے پرواہ نہ کی، نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تُو نے اس کو قتل کر ڈالا حالانکہ وہ گواہی دے رہا تھا توحید کی۔ مَیں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا۔ فرمایا کہ قیامت کے دن جب کہ کلمۂ توحید اس کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا تو کیا جواب دے گا؟ اس کو کئی مرتبہ حضرت نے غصہ سے فرمایا

(۱۲) یاتی المقتول متعلقا راسه باحدی یدیه متلببا قاتله بالید الاخری تشخب اوداجه دما حتی یاتی به العرش فیقول المقتول لرب العلمین هذا قتلنی فیقول الله تعست ویذهب به الی النار۔

مقتول قیامت کے دن اپنے ایک ہاتھ میں اپنے سر کو لٹکائے اور دوسرے ہاتھ میں اپنے قاتل کو قید کئے ہوئے آئے گا۔ اس کی رگوں سے خون فوارے مارتا ہو گا

اسی طرح اس کو کھینچتا ہوا تختِ خداوندی تک پہنچے گا اور پروردگار سے عرض کریگا کہ اس شخص نے مجھ کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان قاتل کے لئے صادر ہوگا کہ ہلاک ہوگیا تُو اور اُس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

(۱۳) بخاری، ابن ماجہ، امام احمد۔

لن یزال المؤمن فی فسحۃ من دینہ مالم یصب دمًا حرامًا۔

مسلمان پر اس کا دین جب تک آسان رہتا ہے، جب تک کہ وہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو جائے۔

(۱۴) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

من حمل علینا السلاح فلیس منا۔

جس نے ہم پر (مسلمانوں پر) ہتھیار اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۵) بخاری، مسلم، ترمذی۔

اذا التقی المسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول کلاھما فی النار، قالو یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال انہ کان یرید قتل صاحبہ۔

جب کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑیں اور ایک دوسرے پر تلوار چلائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! اس قاتل کی وجہ تو معلوم ہے، مقتول کیوں دوزخ میں گیا۔ فرمایا کہ اُس نے قصد کر رکھا تھا کہ اپنے ساتھی مسلمان کو قتل کرے گا (یہ اُس وقت میں ہے جب کہ دو مسلمان آپس میں کسی دنیاوی غرض سے لڑیں۔ اور دونوں نے ابتداء ہی سے اپنے مقابل کے قتل کا ارادہ کر لیا ہو۔

(۱۶) نسائی، بیہقی۔

قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا۔

مسلمان کا قتل کر جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے نیست و نابود ہو جانے سے بڑا ہے۔

(۱۷) ابن ماجہ

عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبک وما اطیب ریحک ما اعظمک وما اعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المؤمن عند اللہ اعظم من حرمتک ومالہ ودمہ۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ شریف کا طواف فرما رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اے کعبہ کیا ہی اچھا ہے تُو اور کیا ہی اچھی ہے تیری ہوا، تُو کس قدر بڑا ہے اور تیرا احترام کس قدر بڑا ہے (یہ تعجّب کے کلمات ہیں) قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اُس کے مال کی بھی اور خون کی بھی۔

(۱۸) طبرانی، بیہقی۔

من استطاع منکم ان لا یحول بینہ وبین الجنۃ ملأ کف من دم امرءٍ مسلم ان یھریقہ کما یذبح بہ دجاجۃ کلما تعرض لباب من ابواب الجنۃ حال اللہ بینہ وبینہ فلیفعل۔

جس شخص سے ہو سکے کہ اُس کے اور جنّت کے درمیان ایک ہتھیلی بھر بھی مسلمان کا بہایا ہوا خون مرغی کے خون کے مقدار میں حائل نہ ہو تو ضرور اس سے بچے۔ کیونکہ ایسا کرنے والا شخص جب کسی جنّت کے دروازہ کے سامنے آئے گا، اللہ اس میں اور جنّت میں حائل ہو جائے گا (یعنی اگر اس کے دوسرے اعمال جنّت کا تقاضا کرتے بھی ہوں گے تو یہ ہتھیلی بھر خون اُس کو جنّت میں داخل ہونے سے منع کر دے گا، اور خدا داخل نہ ہونے دے گا)۔

(۱۹) ابوداؤد، ابنِ حبان، نسائی، حاکم۔

کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا الرجل یموت کافرًا

او الرجل یقتل مؤمنا متعمدا۔

ہر گناہ کی نسبت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، مگر جو آدمی کفر کی حالت میں مرے یا جو شخص کہ مسلمان کو اپنے ارادہ سے قتل کرے۔

(۲۰) ابوداؤد۔

من قتل مؤمنا فاعتبط بقتلہ لم یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔

جس شخص نے بلا تمیز حق اور باطل کے ظالمانہ طریق پر کسی مسلمان کو قتل کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نہ اُس کی فرض عبادت قبول کرے گا نہ نفل۔

(۲۱) ترمذی و امام احمد۔

لجہنم سبعۃ ابواب باب منہا لمن سل السیف علی امتی۔

دوزخ کے سات دروازے ہیں اُن میں سے ایک دروازہ اُس شخص کے لئے ہے جس نے میری اُمّت پر تلوار کھینچی۔

(۲۲) بخاری، مسلم وغیرہ۔

من اشار الی اخیہ بحدیدۃ فان الملئکۃ تلعنہ حتی یضعہا وان کان اخاہ لابیہ وامہ۔

جس شخص نے اپنے بھائی کی طرف لوہے کے ہتھیار سے اشارہ کیا تو اُس پر فرشتے اُس کے رکھ دینے تک لعنت کرتے رہتے ہیں چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۳) بخاری، مسلم وغیرہ۔

لایزال المؤمن معنقا صالحا مالم یصب دما حراما فاذا اصاب دما حراما

ہمیشہ مسلمان دینی باتوں میں تیز رفتار خوش حال رہتا ہے جب تک کہ حرام خون کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ پھر جب کہ خونِ حرام کا مرتکب ہوا تو نہایت ثقیل اور

ان جان ہو جاتا ہے۔ (دینی اُمور میں نہ اُس کو انشراح خاطر ہوتا ہے، نہ تیز
تاری حاصل ہوتی ہے)۔

(۲۴) ابو داؤد، طبرانی۔

لا یحل لمسلم ان یروع مسلما۔

مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو ڈراوے۔

(۲۵) طبرانی۔

من اخاف مؤمنا کان حقا علی اللہ ان لا یؤمنہ من
زاع یوم القیمۃ۔

جس شخص نے مسلمان کو ڈرایا تو اللہ پر واجب ہے کہ اُس کو قیامت کے
کی گھبراہٹوں سے مامون نہ کرے۔

(۲۶) مسلم

من خرج علی امتی بسیفہ یضرب برھا و فاجرھا ولا
حاشی من مؤمنھا ولا یفی الذی عھد عھدہ فلیس
ی ولست منہ۔

جو شخص میری اُمّت پر تلوار لے کر نکلا۔ بھلے اور بُرے کو مارتا ہوا مومنوں
بھی نہیں بچتا ہے اور نہ عہد والوں کے عہد کو پورا کرتا ہے (یعنی وہ غیر مسلم جو
انوں کے معاہدہ اور صلح میں ہیں، اُن کو بھی قتل کرتا ہے) تو نہ وہ مجھ سے ہے،
ہ میں اُس سے ہوں (یعنی اُس سے میں بری ہوں اور وہ مجھ سے)۔

(۲۷) مسلم، ابوداؤد و ابن ماجہ

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسمہ ولا یحقرہ التقوی
ھنا و یشیر الی صدرہ ثلث مرار بحسب امرء من الشر ان
یحقر اخاہ المسلم۔

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و عرضہ و مالہ۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے ۔ نہ اُس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کی تحقیر کرے ۔ تقوی اور پرہیزگاری یہاں ہے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (یعنی پرہیزگاری صورت اور زبان یا مال پر نہیں ہے بلکہ وہ سینہ اور دل میں پوشیدہ چیز ہے ۔ اس لئے کسی مسلمان کی تحقیر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی پوشیدہ حالت معلوم نہیں) آدمی کو بُرا ہونے کے لئے یہ بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے ۔

مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں ۔ اُس کا خون ، اُس کی آبرو ، اُس کا مال ۔

(۲۸) ابن ماجہ و مثلہ عند الطبرانی والدیلمی ۔

اما بعد فما بال المسلم یقتل المسلم وھو یقول انی مسلم ابی اللہ علی فیمن یقتل مسلما ۔

(شروع خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ حمد و ثنا کے بعد کہتا ہوں) مسلمان کسی طرح کسی مسلمان کو اسلام کا اقرار کرتے ہوئے قتل کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے میری سفارش مسلمان کے قاتل کے بارہ میں قبول فرمانے سے انکار کیا ۔

(۲۹) طبرانی عن عمر بن حصین وعن ابی الزناد ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو جنگ کے لئے روانہ فرمایا ان کی ملاقات راستہ میں عامر بن اضبط سے ہوئی ۔ اُس کے ساتھ اونٹ اور کچھ سامان تھا ۔ اُس نے لوگوں پر سلام کیا اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا ۔ مُحَلّم بن جثّامہ نے جو کہ مسلمانوں کے لشکر میں تھا ، اس کے مسلمان ہونے کی تصدیق نہ کی اور اُس کو قتل کر کے اُس کا تمام سامان لے لیا ۔ جب لوٹ کر آئے تو قصہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا گیا ۔ آپ بہت غضب ناک ہوئے ۔ لوگوں نے کہ سفارش کی کہ آپ مُحَلّم بن جثّامہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں تو آپ نے دعا نہ فرمائی ۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا ۔ اُس کو زمین میں جب دفن کر کے واپس آئے تو زمین نے

اُس کے جسم کو پھینک دیا۔ پھر اُس کو دفن کیا، پھر قبر نے پھینک دیا۔ اسی طرح تین دفعہ واقع ہوا۔ اس کے بعد اُس کو پہاڑ کی کھوہ میں ایک طرف پتھروں کی آڑ میں دبا دیا گیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اما ان الارض تقبل من ھو شر منہ ولکن اللہ اراد ان یریکم عظم الدم عندہ۔

زمین اس شخص یعنی محلم بن جثامہ سے بدتر کو بھی قبول کر لیتی ہے (یعنی مشرکین و کفار کو) مگر اللہ تعالیٰ نے قصد کیا کہ تم کو خون بہانے کی عظمت اور شناخت دکھا دے۔

(۳۰) نازلت ربی منازلۃ فی ان یجعل لقاتل المومن توبۃ فابیٰ علیّ۔

میں نے پروردگار سے بارہا عرض معروض کی کہ مسلمان کے قاتل کو توبہ کی توفیق عطا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میری عرض کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

(الدیلمی عن انس رضی اللہ عنہ) اور اسی معنی میں امام احمد، نسائی، حاکم نے روایت کی۔

یہ سب حدیثیں مسلمان کے قتل، اُس کے مال کے لُوٹنے، اُس کی عزت کو برباد کرنے اُس کو ڈرانے، اُس کے حلیفوں کو قتل وغیرہ کرنے جملہ اُمور کو حرام قرار دے رہی ہیں۔

علمِ کلام و عقائد

علمِ کلام کی معتبر کتابیں جو فقرہ شرح عقائد نسفی، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے کہ مسلمان کا قتل کرنا، تمام کبیرہ گناہوں میں کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔

علم فقہ فتاویٰ قاضی خان، جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ کتاب الاکراہ۔ فصل فیما یحل للمکرہ ان یفعل۔ اس میں لکھا ہے۔ اگر کسی پر جبر کیا جائے اور جبر کرنے والا بادشاہ یا اُس کے جیسا قادر ہو اور وہ دھمکی قتل کر ڈالنے کی دیتا ہے اور مجبور کو یقین یا ظنِ غالب ہو کہ میں اس کا کہنا نہ مانوں گا تو جو کچھ کہے گا، کر ڈالے گا۔ اس صورت میں اس

کام کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) جابر کے حکم کو ضرور کرنا چاہئے اگر نہ کریگا اور مقتول ہوگیا تو گنہ گار ہوگا۔ جیسے شراب پینا، مردار کھانا، سور کھانا۔

(۲) جابر کے حکم کو ماننا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نہ مانے اور صبر کرے۔ اگر مقتول ہوگیا، شہید ہوگا۔ جیسے زبان سے کلمۂ کفر بولنا بشرطیکہ دل میں ایمان کامل ہو۔

(۳) ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہیں جیسے مسلمان کے مال کو تلف کردینا۔

(۴) ماننا جائز نہیں۔ اگر مانے گا تو گنہ گار ہوگا۔ اور اس پر فرض ہے کہ صبر کرے اور مقتول ہوجائے۔ جیسے کہ بادشاہ کسی مسلمان کے ناحق قتل کرنے کا یا اس کے ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالنے کا حکم دے۔ اس کو عالمگیری کی جلد ۵ صفحہ ۴۴ میں اور در مختار اور شامی وغیرہ میں سب جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ بزازیہ جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ میں بھی یہی مذکور ہے۔ نور الانوار، توضیح تلویح، کشف بزودی وغیرہ کی بحث عزیمت و رخصت میں بھی یہی مذکور ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو کہ فتاوئے ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے مسلم علماء میں سے ہیں اور عام علماء ہند اُن ہی کے سلسلہ میں ہیں جن کی وفات کو تقریباً سَو برس گذر چکے ہیں، ان کے فتاوئے جلد دوم صفحہ ۱۱۹ میں ہے۔

سوال : نوکری انگریزی جائز است یا نہ۔

الجواب : اگر در نوکری ارتکاب معصیتِ کبیرہ متوقع باشد مانند محاربہ با مسلمین در پلٹن ہا۔ و مانند آوردن شراب و گوشت مردار و خنزیر در خدمت گاران این قسم روزگار ممنوع است و در ہر روزگار کہ منہیات نباشد مانند نوشتن امورِ عدالت و مانند منشی گری و مانند قافلہ رسانی و نگہبانی پولیس و مانند آں ممنوع نیست۔ فقط

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مسلمانانِ ہند کے معتبر اور معزز علماء میں سے ہیں جن کی وفات کو تقریباً چالیس برس گذر چکے ہیں۔ ان کے فتاوئے جلد سوم صفحہ ۱۴۸ میں مذکور ہے۔

سوال: نوکری کفار درست ست یانہ۔

الجواب: نوکری کفار سہ قسم است۔ جائز بلاکراہت مثل نوکری بر اصلاحِ مصالح و احقاق حقوق و دفع شرور و دفع وزداں و قطاع الطریق و بنائے قناطیر و مہماں سرائے و دیگر عماراتِ نافعہ بدلیل قصہ حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و والسلام کہ از پادشاہِ وقت کہ کافر بود دارو غگی خزائنِ مصر درخواستند تا اقامتِ عدل بایں قسم نمایند و دلیل قصہ مادرِ موسیٰ علیہ السلام کہ نوکری فرعون برائے شیر دادن حضرت موسیٰؑ قبول کردند۔ دوم جائز باکراہت مثل نوکری ہائے کہ دراں لزوم استادہ ماندن پیش ایشاں ادا و تعظیماً باشد کہ ہتکِ شانِ مسلمان ازان متصور است مانند سررشتہ داری وغیرہ۔ سوم حرام مثل نوکری بر معاصی و منہیاتِ شرعی ہم چنانکہ عساکر و افواج را نوکر داشتہ برائے مقاتلہ اہل اسلام مقرر کنند و ما یشبہ ذٰلک۔

مولانا اشرف علی صاحب نے بھی اس قسم کا فتویٰ اپنی کتاب امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۷۵ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس مقام پر لوگوں کا یہ عذرِ لنگ کہ اگر ہم یہ نوکری نہ کریں تو کہاں سے کھائیں، بے حد لچر اور پوچ ہے۔ چوری کرنے والا اور بازاری فاحشہ عورت بھی تو یہی کہتی ہے۔ اگر یہ عذر ان لوگوں کا مقبول نہیں تو اس نوکری کی بابت فوج پولیس والوں کا کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کے قتل اور غارت اور آبروریزی اور کافروں کی مدد تو چوری اور زنا سے بھی بدتر اور سخت گناہ ہے۔ خدا نے رزق کی کفالت کی ہے، اس نوکری کے سوا دوسرے دروازے بند نہیں کر دیئے ہیں۔ اس نوکری سے تو بھیک مانگ کر مرجانا بہتر ہوگا کہ قیامت کے دن گردن پر کوئی وبال تو نہ ہوگا۔ یہاں تو جان بھی جاتی ہے، ایمان بھی جاتا ہے، اور عذابِ آخرت سر پڑتا ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ پیٹ کو اب ایمان پر بھی مقدم سمجھنے لگے۔ پہلے زمانہ کے مسلمان بادشاہوں کی آپس کی لڑائی سے حیلہ پکڑنا شرعی حکم کے مقابلہ میں محض غلط فہمی ہے۔ جن بادشاہوں کی آپس کی لڑائی محض ملک اور حکومت کی غرض سے ہوتی تھی وہ اور اُن کے سارے مددگار سب اس حکم میں داخل اور

سخت گنہ گار ہیں اور قیامت کو نہایت سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اگرچہ ان کے فوجی مددگار کفر اور کافروں کے مددگار نہ کہلائے جائیں گے مگر ظلم اور فسق کے مددگار اور خود سخت کبیرہ کے مرتکب ضرور ہوں گے۔

اور جن بادشاہوں سے دوسرے مسلمان بادشاہوں نے کسی شرعی حکم اور فتوے کی بنا پر لڑائی کی ہے تو وہ اور اُس کے مددگار سب خدا کے یہاں اجر اور ثواب کے مستحق ہوں گے۔ ان کی تفصیلیں معتبر تاریخوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور علماء نے اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ احکام ایسے ہی تھے تو پہلے کیوں اشاعت نہ کی گئی اب کیوں کی جارہی ہے۔ مگر یہ بھی کہنے والوں کی غلط فہمی ہے۔

(۱) اولاً کسی حکم کے کسی زمانہ میں نہ کہنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ حکم واقع میں نہ ہو یا اس کا اتباع نہ کیا جائے۔ اگر ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور اب وہ متنبہ ہوا اور نماز پڑھنے لگا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے لگا، تو اُس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر نماز فرض تھی تو تُو پہلے کیوں نہ پڑھتا تھا اور لوگوں کو کیوں نہ بلاتا تھا۔ بہت سے بہت یہ کہا جائے گا کہ اُس وقت میں قصور ہوا، اصل میں حکم شرعی کو دیکھنا چاہیئے۔

(۲) ہم عرض کر چکے ہیں کہ علماء کبھی اس سے چپکے نہیں رہے۔ ہم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، اور مولانا اشرف علی صاحب کا فتویٰ ذکر کر چکے ہیں، اور علاوہ ان کے تمام علماء گذشتہ ہر زمانہ میں ایسا ہی کہتے چلے آئے ہیں۔

(۳) جب مریض کی حالت زیادہ خراب ہو جاتی ہے اُس وقت طبیب اور ڈاکٹر کو، دوا اور پرہیز کا زیادہ اہتمام پڑتا ہے۔ اس وقت اسلام کی حالت نہایت نزاکت پر پہنچ گئی ہے، اس لئے تمام علماء کو بہت زیادہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اُن کی اُن بیماریوں کے ازالہ میں سخت کوشش کریں، جس کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے۔ اس لئے آپ سُنیں گے اور دیکھیں گے کہ جابجا اتباعِ

شریعت، پابندیٔ نماز، جماعت، اتفاق وغیرہ کے لئے بھی برابر لکچر اور تقریریں کی جا رہی ہیں۔

(۴) پہلے تو لڑائیاں فقط سیاسی اغراض کے لئے ظاہر کی جاتی تھیں اور اب تو صلیبی لڑائیاں علانیہ طور پہ کی جا رہی ہیں یعنی کفر اور اسلام کی۔ جیساکہ خود مسٹر لائڈ جارج نے فتح بیت المقدس کے وقت اور مسٹر چرچل نے جنگ کلیسوئی میں کہا ہے تو اب تو لوگوں کے کفر کا مسئلہ پیش آگیا۔

(۵) برٹش گورنمنٹ اب تک اپنے آپ کو مسلمان حکومتوں کی طرفدار اور دوست ظاہر کرتی تھی اور اب وہ خلافتِ اسلامیہ کے بارہ میں سب قول و قرار کو بھولے ہوئے اعلانیہ طور پر اسلام کی دشمنی کر رہی ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے جاگنے اور جگانے کی شرعاً نہایت شدید ضرورت ہے۔

(۶) یہ رزولیوشن اُس وقت مقرر کیا گیا ہے جب کہ مصطفےٰ کمال پاشا سے یونانی برسرِ پیکار تھے، اور خیال تھا کہ برٹش گورنمنٹ اعلانیہ طور پہ یا خفیہ طریقوں پر یونانیوں کو مدد دے گی۔ اس صورت میں برٹش کو مدد دینا، اس کی فوجوں میں بھرتی ہونا خاص طور سے ممنوع اور حرام ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ رزولیوشن ایک اسلامی مسئلہ اور خالص مذہبی حکم ہے جس کا پہنچا دینا ہر مسلمان جاننے والے پر دوسرے مسلمان تک ضروری ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری وصیت میں نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے تھے۔ فیبلغ الشاھد الغائب۔ جو لوگ شرعی احکام کے بیان میں حاضر ہو کر مطلع ہو چکیں، وہ غائب ہونے والوں کو پہنچا دیں۔

قرآن شریف کے دوسرے پارہ میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی.	جو کچھ ہم نے ہدایتیں اور روشنیاں اُتاری ہیں اُن کو جو لوگ ہمارے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں

الکتٰب اُولٰٓئِکَ یَلعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلعَنُھُمُ اللّٰعِنُونَ ○ اِلَّا الَّذِینَ تَابُوا وَاَصلَحُوا وَبَیَّنُوا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوبُ عَلَیہِم وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیمُ ○ (پ۲ ع۳)

اُن پر خدا اور اس کے مقرب بندے لعنت بھیجتے ہیں ۔ مگر جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں اور بیان کریں، اُن پر احسان لوٹاؤں گا، اور میں ہی لوٹ لوٹ کر احسان کرنے والا مہربان ہوں۔

بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے :-

من رائ منکم المنکر فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھوں سے دُور کر دیوے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے، اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف حصّہ ہے۔

(ترمذی، ابنِ ماجہ)

ان الناس اذا راؤا منکرا فلم یغیروہ یوشک ان ان یعمھم اللہ بعقابہ۔

اگر لوگ برائی دیکھیں اور پھر اس کو دُور نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل کر دے گا۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد)

من سئل عن علم علمہ فکتمہ الجم بلجام من النار۔

جو شخص کہ مذہبی باتوں کو جانتا ہو اور وہ اُس سے پوچھی گئیں پھر اُس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اُس کو آگ کی لگام پہنائی جاوے گی۔

اس بارہ میں بہت ہی زیادہ حدیثیں موجود ہیں اور قرآن شریف میں جگہ جگہ

اس کی تاکید موجود ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر عموماً اور ہر عالم پر خصوصاً ضروری ہے کہ اپنی طاقت کے موافق اپنے مذہبی بھائیوں تک شرعی احکام پہنچائے۔ ہم کو اس مذہبی حکم کا پہنچانا مذہبی حیثیت سے ضروری تھا۔ اس لئے یہ مقدمہ ہم پر کسی طرح نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اس مسلم اعلان کے صاف الفاظ ہیں کہ ہمارا شاہی ارادہ اور خوشی ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی اپنے مذہب یا کسی مذہبی کام کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا۔ حقیقت میں جن لوگوں نے اب تک ہم کو ستایا ہے وہ شاہی ارادے سے باغی ہیں۔ وہ نہایت سخت توہین گورنمنٹ اور شاہی اعلان کی کر رہے ہیں۔ تعزیراتِ ہند کے جملہ قوانین اس اعلان سے خارج چیزوں کیلئے ہیں یہ اعلان برٹش حکومت کی اساس اور بنیاد ہے۔ ہم اس کے بعد یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی بادشاہ مذہبی حیثیت سے جبھی تک اطاعت اور فرمانبرداری کر سکتا ہے جب تک کہ اس کو خلافِ شرع اسلام کسی بات کا حکم نہ دیا جائے۔ اور اگر خلافِ شرع اس کو حکم دیا جائے گا تو اس کو کسی طرح حلال نہیں کہ اس بادشاہ کی اطاعت کرے۔ چاہے وہ بادشاہ خلیفہ ہو یا سلطان، مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو ضروری ہے کہ ایسے ناجائز احکام کو ٹھکرا دے۔ اس کے متعلق قرآن اور حدیث میں بہت سخت اور بکثرت احکام وارد ہوئے ہیں۔ بارہا قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (پ ۶ ع ۱۱) لوگوں سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو۔

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۴ ع ۹) — لوگوں سے خوف مت کرو اور مجھ سے خوف کرو۔ اگر تم مسلمان ہو۔

سورۃ اعراف میں ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ۔ (پ ۸ ع ۸) — جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے اس کا اتباع کرو۔ اس کے خلاف کسی حاکم کا اتباع نہ کرو۔

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے:۔

السمع والطاعة علی المرء	شخص مسلم پر سننا اور فرمانبرداری کرنا
المسلم فیما احب وکرہ	موافقِ طبع یا مخالفِ طبع اُمور میں صرف
مالم یؤمر بمعصیة فاذا	اس وقت تک ہے جس وقت تک
امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة	مامور معصیت نہ ہو اور جب اس کا

حکم کیا جائے تو نہ سُننا جائز ہے اور نہ اطاعت جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جن میں مسلمان کو حکم کیا گیا ہے کہ اگر خلاف حکمِ خدا اور حکمِ رسول، کوئی حاکم کوئی بادشاہ کوئی بڑا تم سے اطاعت چاہے تو اُس کو ٹھکرا دو اور فقط خدا سے ڈرو اور اس کے ہی احکام کی تابعداری کرو اس لئے میں صاف اور صریح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ واقع میں بوجہ مذہبی آزادی اور کوئین وکٹوریہ کے مذکورہ بالا اعلان کے تعزیراتِ ہند کی کسی دفعہ کے ہم مستحق نہیں ہیں، اور اگر ہوتے بھی تو ہم مذہب کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

سازش کے دعوے کی نسبت باعتبارِ واقع کے میں اتنا اور بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس جلسہ کے پہلے کبھی اس مسئلہ کا ہمارا آپس میں تذکرہ نہیں آیا۔ مگر چونکہ یہ مذہبی مسئلہ ہے جس کو تمام علماء اسلام ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اس لئے مجھ کو جب تقریر کے لئے کہا گیا، میں نے اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا ضروری سمجھا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں جب ترکِ موالات کا مسئلہ پاس ہوا اور باعتبار مذہب فتوی پر دستخط کرنا ضروری تھا۔ دیگر علماء کی طرح میں نے بھی مذہبی رائے کی بنا پر دستخط کر دیئے۔ جس پر میں اور تمام مسلمان علماء ہمیشہ سے متفق ہیں۔ اگر اسی کا نام سازش ہے تو میں جب سے پیدا ہوا ہوں سازش ہی میں ہوں۔

اثباتِ استغاثہ میں کوئی ثبوت اس کا نہیں دیا گیا کہ میں نے ان جملہ رفقاء کے ساتھ کہیں گفتگو کی ہو۔ حتی کہ سبجکٹ کمیٹی کی شرکت کا بھی ثبوت نہیں دیا گیا جس سے کوئی سازش ثابت ہو سکے۔ اگر کوئین وکٹوریہ کے اعلان اور دوسرے بادشاہوں کی تصدیق کا لحاظ نہیں ہے اور ہماری مذہبی آزادی قانوناً تسلیم نہیں کی جاتی تعزیرات

ہند کی دفعہ ہر چیز پر چلائی جاتی ہے تو میں نہایت خوشی سے ظاہر کرتا ہوں، کہ اب ہمارے لئے سوراج بہت ہی قریب ہوگیا ہے کیونکہ سرکاری وکیل کا یہ کہنا کہ مذاہب بہت مختلف ہیں، ہم کس کس کی رعایت کر سکتے ہیں۔ اس کے صاف اور صریح معنی یہ ہیں کہ کسی مذہب کی رعایت قانون میں نہیں ہے، قانون ہر مذہب میں مداخلت کرے گا اور نہ کسی مذہب کو آزادی ہے۔ اور اسی طرح مجسٹریٹ کا یہ کہہ دینا کہ ہم مذہب کو نہیں جانتے، ہم تعزیراتِ ہند کو دیکھیں گے اور اُس پر حکم کریں گے۔ یہ بھی صریح طور پر مذہبی آزادی کو رفع کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کے بڑے ذمہ دار حکام بھی اسی کا اعلان کر دیں۔ چونکہ یہ مسئلہ قرآن میں صریح الفاظ میں آٹھ جگہ مذکور ہے، حالانکہ اگر ایک جگہ ہوتا جب بھی ماننا ضروری تھا، اس لئے یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے سرکاری وکیل کا عذر کسی طرح قابلِ سماعت نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب کوئین وکٹوریہ کا یہ اعلان شائع ہوا تھا کیا اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود نہ تھے، پھر کیا سمجھ کر یہ اعلان دیا گیا تھا۔

مجسٹریٹ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ کوئین وکٹوریہ کا اعلان تعزیرات ہند پر مقدم نہیں۔ وہ برٹش حکومت کی بنیاد ہے، اسی کی وجہ سے ہندوستان میں امن وامان قائم ہوا۔ وہ پارلیمنٹ، دارالعوام، دارالخواص، انگلستان کے مذہبی پیشواؤں کی رائے اور اتفاق سے شائع کیا گیا۔ تمام بادشاہ اس کی اب تک تصدیق کرتے آئے۔ مگر ہم اس پر بھی نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور سرکاری وکیل اور مجسٹریٹ صاحب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ یہی بات جو انھوں نے کہی ہے، لارڈ ریڈنگ، مسٹر مانٹیگو، لائڈ جارج سے کہلوا دیں۔ یہ بھی نہ ہو تو شاہزادہ پرنس آف ویلز آرہے ہیں، اُنھیں سے اس کا اعلان کرا دیں۔ پھر تو ہم کو سوراج اگر پہلے چار ماہ میں حاصل ہو سکتا تھا اب ایک ہی ماہ میں انشاء اللہ العزیز حاصل ہو جائے گا۔ اس کے کیا معنی ہیں، کہ بڑے بڑے حکام تو لکچروں اور تقریروں میں آزادیٔ مذہبی کا گیت گاتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو تعزیرات ہند کی آڑ پکڑی جاتی ہے۔ لارڈ ریڈنگ اپنے لکچر میں کہتے ہیں

کہ مذہب میں مداخلت کراچی کے مقدمہ یا فتوے کی ضبطی میں نہیں کی گئی۔ کیونکہ نہیں کی گئی، اس سے بڑھ کر مداخلت کیا ہو سکتی ہے، اور اس کا فیصلہ مذہبی علماء سے پوچھنا چاہیئے۔

مَیں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں جبتک کہ میری جان باقی ہے مذہبی احکام اور صداقت کے اعلان کرنے اور مسلمانوں کو بتلانے سے حتی الوسع باز نہیں رہوں گا، خواہ کتنی ہی بڑی دفعہ اور سزا مجھ پر عائد کر دی جائے۔ مَیں علانیہ طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ حسبِ شریعتِ اسلامیہ اور حسب حکم خدا و رسول کسی مسلمان کو انگریزی فوج اور پولیس میں بھرتی ہونا جائز نہیں، قطعی حرام ہے۔ یہی فتویٰ پہلے علماء کا ہے اور یہی اس زمانہ کے علماء کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی فوج میں رہنا اور دشمنانِ خدا و رسول کا ساتھ دینا گوارا کرتا ہے تو اپنے فعل کا وہ ذمہ دار ہے۔ قیامت کے دن ہم اپنی برأت اور اداء فریضہ اسلامیہ سے سبکدوشی ظاہر کر چکے۔ مگر اس کے ساتھ مَیں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ کی حرکت مذہب میں مداخلت کی اور مذہبی آزادی چھیننے کی بہت بُرا اثر پیدا کرنے والی ہے۔ اس پر کوئی ہندوستانی مسلمان یا ہندو تیار نہیں ہو سکتا۔

گورنمنٹ کو اس کا اعلان بھی کر دینا ضروری ہے تاکہ ہندو مسلمان سب غور کر لیں کہ اُن کو اپنے مذہب پر رہنا منظور ہے یا برٹش رعیت بن کر۔

ایگزیبٹ ۱۱۳

بعدالت جوڈیشل کمشنر صاحب سندھ عدالت سشن

مقدمہ نمبری ۳۳ سنہ ۱۹۲۱

قیصرِ ہند، بنام محمد علی مع چھ ۶ دیگر اشخاص ملزمان

فرد قرار داد جرم بابت الزامات جو کہ اہالی جیوری کو سنائی گئی

(۱) محمد علی ساکن رام پور۔
(۲) مولوی حسین احمد ساکن دیوبند۔
(۳) ڈاکٹر سیف الدین کچلو ساکن امرت سر۔
(۴) پیر غلام مجدد ساکن مٹیاری۔
(۵) مولوی نثار احمد ساکن کانپور۔
(۶) بھارتی کرشن تیرتھ جی عرف ونکنت رامن۔
(۷) شوکت علی ساکن رام پور۔

اشخاص ملزمان پر حسبِ ذیل الزامات کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ کہ تم نے، سات اشخاص ملزمان نے کسی وقت یا وقتات مابین ماہ فروری سنہ ۱۹۲۰ء لغایۃ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء جس میں ہر دو ماہ شامل ہیں بمقام کراچی و دیگر مقامات پر اندر حدود برٹش انڈیا (مع دیگر اشخاص) شریک سازش مجرمانہ ہوئے تاکہ مسلمان سپاہی و افسران فوج ملکِ معظم کو ان کی خدمات سے اغواء کریں اور اس طرح ایسے جرم کا ارتکاب کیا، جس کی سزا مجموعہ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۲۰/۱۱۵ ب و دفعہ ۱۳۱ تعزیراتِ ہند میں درج ہے اور جو کہ لائق سماعت عدالت سشن ہے۔

(۲) یہ کہ تم سات اشخاص مذکور پر مزید الزام یہ قائم کیا جاتا ہے کہ بوجہ سازش مذکور

کسی ایک فرد یا افراد سازش مذکور نے بماہ جولائی یا اگست ۱۹۲۱ء کو یا قریب اس کے مسلمان افسران کو اپنے فرائض منصبی سے اغوار کا اقدام بذریعہ ترسیل اشتہارات ایگزیبٹ ۳۴ بنام افسران مذکور کیا اور اس وجہ سے تم نے ایسے جُرم کا ارتکاب کیا، جس کی سزا مجموعہ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۲۰/۱۰۹ ب و دفعہ ۱۳۱ تعزیرات ہند درج ہے اور جو لائق سماعت عدالت شیشن مقام کراچی ہے۔

(۳) یہ کہ مزید براں تم محمد علی نے بتاریخ ۹ ماہ جولائی ۱۹۲۱ء یا قریب اس کے بمقام کراچی ایک بیان کیا جو یہ تھا " ہر مسلمان کا انگریزی سپاہ سے تعلق قائم رکھنا یا سپاہ میں داخل ہونا یا کسی شخص دیگر کو سپاہ میں شرکت کی ترغیب دینا فی زمانہ مذہباً قطعی حرام ہے "۔ بدیں نیت کہ ملکِ معظم کی افواج کے مسلمان سپاہی و افسران اپنی خدمات منصبی کے بجالانے میں لاپرواہی کریں یا قاصر رہیں یا جس میں اُن کی لاپرواہی کرنے کا یا قاصر رہنے کا احتمال ہے۔ اور اس وجہ سے ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۵ میں درج ہے اور جو لائقِ سماعت عدالت شیشن کراچی ہے۔

(۴) یہ کہ مزید براں تم (اشخاص ملزمان نمبر ۲ لغایتہ ۷) نے محمد علی مذکور کے ساتھ جرم مذکور زیر دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کے ارتکاب میں جس کا وہ بوجہ سازش مذکور کے مُرتکب ہو چکا تھا سازش کی لہٰذا تم اس جُرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۰۹ و دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند میں درج ہے اور جو لائقِ سماعت عدالت شیشن کراچی ہے۔

(۵) یہ کہ مزید براں تم محمد علی نے بتاریخ ۹ ماہ جولائی ۱۹۲۱ء کو یا قریب اس کے بمقام کراچی ارتکاب جُرم میں جس کی سزا مجموعہ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۵۰۵ یا دفعہ ۱۳۱، تعزیراتِ ہند میں درج ہے جو دس اشخاص سے زائد کی جانب سے تھا اعانت کی، (یعنی تم نے کہا کہ) جملہ مسلمانان پر بالعموم و علمار پر بالخصوص فرض ہے کہ وُہ یہ مذہبی احکامات (جن الفاظ کا اُوپر حوالہ دیا گیا ہے) فوج میں ہر مسلمان کے ذہن نشین کرا دیں۔

لہٰذا تم اس جُرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۱۷ میں درج ہے اور جو لائق سماعت عدالت سشن بمقام کراچی ہے۔

(۶) یہ کہ مزید برآں تم (اشخاص ملزمان نمبر ۲ لغایۃ نمبر ۷) نے محمد علی مذکور کے ساتھ جُرم دفعہ ۱۱۷ تعزیرات ہند کے ارتکاب میں جس کا وہ خود بوجہ سازش مذکورہ کے مُرتکب ہو چکا تھا، سازش کی۔ لہٰذا تم نے اُس جُرم کا ارتکاب کیا جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۰۹ و دفعہ ۱۱۷ میں درج ہے، اور لائقِ سماعت عدالت سشن ہے۔

جن اُمور پر آپ کو تجویز کرنا اور رائے ظاہر کرنا ہے وہ فی الواقعہ بہت پیچیدہ نہیں ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ مجھ کو زیادہ دیر تک آپ کو روکنا نہیں پڑے گا۔ تاہم جو رُخ مقدمہ نے اختیار کیا ہے اُس کی وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اُن امور کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں۔ جو کہ تجویز مقدمہ میں چنداں ضروری نہیں ہیں۔

آغاز سے پیشتر میں کارروائی عدالت ماتحت و نیز کارروائی عدالت بندہ کے متعلق ایک فقرہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی بابت ہر دو اشخاص ملزمان نے کچھ اعتراض کیا ہے۔ سپرد کنندہ مجسٹریٹ کی عدالت میں کوئی بے ضابطگی دورانِ سماعت مقدمہ میں نہیں ہوئی۔ اگر مجسٹریٹ نے ایسے مقدمہ میں جو کہ صرف قابلِ سماعت عدالت سشن ہے۔ اور جس میں اشخاص ملزمان نے اپنی جواب دہی محفوظ رکھی تھی ابتدا ہی میں یہ رائے قائم کر لی کہ مقدمہ میں غالباً ضرور ہی سپردگی عمل میں آئے گی تو اُس کا ایسا عمل محض ایک دُور اندیش مجسٹریٹ کا سا تھا۔ اشخاص ملزمان نے فرد قرارداد جُرم کی تبدیلی پر کچھ اعتراض عدالت ہذا میں کیا ہے لیکن تبدیلی مذکور محض معمولی اور صرف اِسی غرض سے کی گئی ہے تا کہ ملزمان زیادہ صحت کے ساتھ اپنے خلاف الزامات سے اطلاع پائیں۔ اگر اشخاص ملزمان مناسب موقعہ پر یہ ظاہر کرتے کہ اس تبدیلی سے ان کی جواب دہی میں ضرر واقع ہوتا ہے تو ایسی صورت میں عدالت کو غور کرنا پڑتا کہ آیا التوار مقدمہ ضروری تھا یا نہیں۔ لیکن اُس وقت کوئی اس قسم کا اعتراض نہیں

کیا گیا۔ اسی طرح عدالت نے ایسی شہادت کے داخل کرنے میں جو مجسٹریٹ سپرد کنندہ کے روبرو بوقت کارروائی سپردگی کے موجود نہیں تھی خاص احتیاط کی ہے تاکہ اشخاص ملزمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ جہاں تک سماعت مقدمہ کا عدالتِ ہذا سے تعلق ہے میرے خیال میں اشخاص ملزمان یہ تسلیم کریں گے کہ اُن کو زیادہ موقعے دیئے گئے ہیں جو کہ بحالتِ پیروی کسی پیشہ ور ایڈووکیٹ کے ہرگز اشخاص ملزمان کو حاصل نہیں ہوتے۔ گو کہ بعض اوقات عدالت کو آپ کا یا ذاتی اپنا اعزاز نہیں بلکہ خود عدل و انصاف کے اقتدار کو قائم رکھنا پڑا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میں مقابلہ سختی کے نرمی کی جانب زیادہ مائل رہا۔ پیشتر اس کے کہ ہم مقدمہ کی جانب متوجہ ہوں میں آپ صاحبان سے عرض کرتا ہوں کہ آپ بہت زیادہ پریشان کن معاملات سے اپنے دماغ کو پاک و صاف رکھیں۔ اہم الزام جو کہ بمقابلہ اشخاص ملزمان کے قائم کیا گیا ہے وہ سازش ہے۔ صرف سازش ہی کے مقابلہ میں آپ کی رائے کی ضرورت ہے لیکن خفیف الزام متعلق سازش بلا اقدام کا فیصل کرنا فی الواقعی میری ذات سے بحیثیت جج کے متعلق ہے۔ جس میں آپ کی رائے ہے کہ بحیثیت اسیسر دی جائے گی مجھ کو مدد ملے گی لیکن جس کی پابندی میرے اُوپر لازم نہ ہوگی۔

مگر میرا یہ ارادہ ہے کہ میں یہ بھی الزام آپ کی رائے پر بحیثیت اہالی جیوری کے چھوڑ دوں تاکہ خود آپ اس کو فیصل کریں۔ اگر میں آپ کو ہر دو فرد قرار داد جرم کے فیصلہ کو جو کہ باہم دیگر اس قدر زیادہ مشابہ ہیں قبول و منظور کر کے جہاں تک اس عدالت کا تعلق ہے پابند نہ کروں تو یہ امر کچھ مناسب اور شایانِ شان آپ حضرات کے نہ ہوگا۔ لیکن دوسرے الزامات کی بابت جو کہ مشابہ ہیں مگر ایک سازش سے تعلق رکھتے ہیں میں خود نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

پس آپ کو سازش کے متعلق اپنی رائے قائم کرنی چاہیئے۔ اشخاص ملزمان اور گورنمنٹ کے درمیان جو امور نزاعی ہیں جن کو آپ فیصل کریں گے، وہ یہ ہیں۔ آیا اشخاص ملزمان سازش کے مجرم ہیں یا نہیں۔ جس کا تذکرہ فرد قرار داد جرم میں

درج ہے۔

اشخاص ملزمان پر بمقابلہ گورنمنٹ غداری یا بغاوت کا مقدمہ سماعت نہیں کیا گیا ہے۔ پس اگر آپ اشخاص ملزمان کو سازش کا مجرم نہ قرار دیں تو ایسی حالت میں وہ قابلِ بریت ہوں گے، خواہ اس کا طرزِ عمل اب کتنا ہی فتنہ خیز یا بغاوت انگیز کیوں نہ تصوّر کریں۔

علاوہ بریں آپ ان خیالات کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں جو اشخاص ملزمان کی گفتگو سے پیدا ہو گئے ہوں۔ جن کو مختصر الفاظ میں اشخاص ملزمان پر مخصوص الزامات کی بابت مقدمہ کیا ہے ان افعال سے جو موجودہ فرد قرار داد جُرم کے تحت میں نہیں آتے۔ آئندہ میں آپ کی توجہ اس مضمون کی طرف مبذول نہیں کراؤں گا۔

مکرر یہ کہ آپ ان خیالات کو بھی اپنے دل میں جگہ نہ دیں جو کہ اخبار بینی سے خلافت کی جدّ و جُہد کے نتائج کی بابت پیدا ہو گئے ہوں۔

اشخاص ملزمان پر بوجہ اِس کے کہ وہ جماعتِ خلافت کے ممبر ہیں مقدمہ نہیں چلایا گیا ہے، اور اس امر کی بھی شہادت ہمارے پاس نہیں کہ یہ اشخاص مالابار کے افسوس ناک واقعات کے ذمّہ دار ہیں۔

ان اشخاص پر آپ کے روبرو مخصوص جُرم کی بابت الزام قائم کیا جاتا ہے، کہ انہوں نے سپاہ کو وفاداری سے اغوا کرنے کی سازش کی۔ علاوہ بریں اُن کے ذمہ اور کوئی جرم عائد نہیں کیا جاتا۔

اور نیز یہ کہ ہم کو اس امر کی بھی احتیاط لازمی ہے کہ مبادا ہم پر خارجی اثرات، کسی کا ذاتی لحاظ یا ہمدردی بھی غالب نہ آ جائے۔ شوکت علی نے کنایتاً ۳۱ دسمبر کے کچھ بعد ہم کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ اگر اس وقت تک گورنمنٹ ان کے چند مطالبات کے پورے کرنے میں قاصر رہے، ہم کو ہرگز شوکت علی یا کسی دوسرے ملزم کو محض اس خوف کی وجہ سے بری نہیں کرنا چاہیئے، اگر اُن پر جُرم ثابت ہو، کیونکہ ہم اُن سے خوفزدہ نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ شوکت علی یا اُن کے فدایان ہمارے رشتۂ زندگی کو

ایک لمحہ کے واسطے بھی منقطع نہیں کر سکتے، اگر ہماری زندگی باقی ہے۔ برخلاف اس کے ہم کو ان اشخاص کو مجرم قرار نہیں دینا چاہیئے محض اس بات کے ظاہر کرنے کے واسطے کہ ہم اُن کی دھمکی کی پرواہ نہیں کرتے اگر وہ بے گناہ ثابت ہوں۔

علاوہ بریں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص جائز طور پر اشخاص ملزمان میں سے کسی کی کچھ ہمدردی یا توقیر کرے۔ اشخاص ملزمان میں سے بعض عالم و فاضل و بعض متقی معلوم ہوتے ہیں اور ایسے ہیں کہ جن کی شان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ اشخاص راہِ مستقیم اختیار کرتے تو بہترین رعایا ثابت ہوتے اور آئین مملکت کو ان سے زیب و زینت ہوتی۔ میں یقید اقتباس اس وجہ سے درج نہیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ مناسب موقع اُس کے لکھنے کا نہیں ہے۔

میرے خیال میں اِن اشخاص کا وجود اسلام و سلطنت و مُلک کے واسطے مفید ثابت ہوتا اگر وہ موجودہ طرزِ عمل کو اختیار نہ کرتے کہ جو خواہ مجرمانہ ہو یا نہ ہو، مگر باعثِ گروہ بندی و نفاق ضرور ہے جس سے لازمی تباہی اور بربادی ہوگی۔ برعکس اس کے اگر وہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے کہ جس سے اتّفاق اور یک جہتی پیدا ہوتی تو یہی صرف ایک ذریعہ ہے کہ جس سے امن و امان اور خوش حالی پیدا ہو سکتی ہے۔

حالانکہ ہم اِن چند اشخاص ملزمان کو اپنی ملکِ معظم کی عدالت کے کٹہرے میں موجود پاکر افسوس کرتے ہیں کہ کاش وہ اپنی ملکِ معظم کی ملازمت یا مشورہ میں شامل ہوکر ممتاز ہوں! تاہم اس افسوس کی وجہ سے ہم کو اپنے فرائض منصبی کے بجالانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے جو کہ بنگاہ جج اشخاص ملزمان بحیثیت اشخاص ملزمان کے ہیں اور ان کا فیصلہ مطابق آئین ملکی و شہادت پیش کردہ عدالت سے ہونا چاہیئے۔

جو احساسات ہمارے معاملات ترکی کے متعلق ہیں اُس کا اثر ہم پر غالب نہ آنا چاہیئے۔ ہم میں سے بعض یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سلطنت ترکی کے ساتھ سخت برتاؤ کیا گیا۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ خواہ خاندانِ عثمانی خلافت کا مستحق ہے یا نہیں تاہم صدہا سال گذشتہ سے جنگ جوئی ان کی میراث رہی ہے اِسلام کے

سرحدی قلعہ جات کے محافظ، مقاماتِ مقدسہ کے نگہبان اور ایک بڑے مذہب اور بڑی تہذیب کے سپہر و تیغ بن کر رہے ہیں۔ ہم کو ایسے اشخاص کے ساتھ ہمدردی ہے جو اس وجہ سے رنجیدہ ہیں کہ جبکہ آج کل ہر ایک چھوٹی قوم آزادی کی دعویدار ہے اور اُس کو علاقہ سپرد کیا جاتا ہے۔ اسلام ہی تنہا ایسا ہے کہ جس کو اپنے دیرینہ مقامات میں بھی خطرہ ہے۔ اس کے برعکس بعض یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ جو شے بزور تیغ حاصل ہوئی اور پھر بزور تیغ واپس گئی تو اس میں کوئی مقامِ حیرت نہیں ہے۔ اگر خدا نے ایک کا   سے لے کر دوسرے کا   کو عطا کر دیا تو اس میں کوئی مقامِ افسوس نہیں ہے۔ بہرحال اشخاص ملزمان موجودہ عہدہ کا انصاف از روئے قانون ملکی اور شہادت سے کرنا چاہیئے نہ کہ از روئے احساساتِ ذاتی۔ خواہ ایک جانب یا دوسری جانب۔ اُس پہلو کے مطابق جو کہ انہوں نے اس معاملہ میں اختیار کیا ہے۔

اب جبکہ ہم نے اپنے قلب کو ذاتی معاملات یا خطاؤں سے جو کہ خبط المزاجی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جہاں تک ممکن ہے پاک و صاف کر لیں تو ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم غلطیوں سے جو کہ اشخاص ملزمان نے ہم میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اپنے قلب کو پاک و صاف رکھیں۔

اشخاص ملزمان نے اپنی جواب دہی میں بیان شدہ دو دلائل پیش کی ہیں کہ اُن کا مذہب بعض فعل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ثانیاً اگر کوئی قانون جو کہ افعال کے کرنے میں مانع آتا ہے جن کے کرنے پر اُن کا مذہب مجبور کرتا ہے تو ایسا قانون باطل ہے۔ ثانیاً قانون ملکی کے خلاف ورزی کے الزامات کی جواب دہی میں یہ عذر قائم کرنا کافی ہے کہ افعال جن کا جرم ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس کے کرنے کی مذہب ہدایت کرتا ہے۔

مقدمہ میں بیّن دلیل اوّل قطعی غیر متعلق ہے کیونکہ بقیہ یہ دو دلائل نہیں ہیں۔ اشخاص ملزمان نے چند قوانین کے باطل ہونے کی بحث ملکہ معظمہ اور ان کے جانشینوں

کے مختلف اعلان کی بنا پر پیش کی ہے۔ ملکہ معظمہ اور ان کے جانشین آئینی بادشاہ رہے ہیں اور اب تک ہیں اور مشیر قانونی اپنا رکھتے ہیں۔ آئینی حکومت کے واسطے کوئی اصول اس قدر ضروری نہیں ہے جب کہ یہ اُصول کہ شاہی اعلان کسی قانون کو باطل نہیں کر سکتا کیونکہ قانون خود شاہی ارادہ کا نہایت سنجیدہ اظہار ہے (کیونکہ بادشاہی ارادہ کا نہایت سنجیدہ اظہار بالکل قانون شاہی ہوتا ہے) پس اگر کسی اعلان سے رعایا کی مذہبی آزادگی محفوظ ہو جائے تو وہ کسی قانونِ ملکی کو مُسترد یا باطل نہیں کر سکتا جس کی رُو سے چند افعال مستوجب سزا قرار دیئے گئے ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسے قوانین مُلکی کبھی اعلان (شاہی) کے متضاد نہیں ہوتے۔ ایسا قیاس کرنا نامناسب ہے۔ اگر کبھی ایسے اعلان اور قوانین میں اختلاف ظاہر ہو، ایسی صورت میں ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری ناچیز فہم دونوں کے مطلب سمجھنے میں کافی طور پر قوی نہیں ہے۔ ہم کو قانونِ مُلکی پر کاربند ہونا چاہیئے، جس پر کاربند ہونا ہمارا فرض ہے۔

خوش قسمتی سے ایسا کوئی خلاف اس موقع پر ظاہر نہیں ہوا ہے۔ اعلان سے ہر شخص کی مذہبی آزادگی کا اطمینان کیا گیا ہے۔ لیکن از روئے اعلان دوسروں کے حقوق یا شاہی حقوق کہ جن کا برقرار رکھنا خود اس کا منشا ہے مذہب کی آڑ میں حملہ کرنا کسی صورت سے جائز نہیں ہے۔ کس قدر بدامنی ایسے ملک میں پیدا ہو جائے گی اور بالخصوص اس ملک میں اگر اس دو قول کے مطابق کہ "اپنے حقوق کو اس طرح استعمال کرو کہ دوسروں کے حقوق کو اس سے کوئی ضرر نہ پہنچے" استحسن کے ساتھ عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ اِس مُلک میں اس قدر مختلف فرقے اور مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کہ مشکل سے کوئی جرم ایسا باقی رہے گا کہ جس کا کوئی شخص مذہب کی آڑ میں ارتکاب نہ کر سکے۔ بدیں سبب مملکت ہذا کی مجلسِ قانونی نے (جو کہ رعایا کی مذہبی آزادگی کی ہمیشہ سے محافظ رہی ہے) چند افعال کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو کہ بلحاظ شائستگی بھی ممنوع ہونے چاہئیں اور ایسے ممنوعات کے

خلاف ورزی پر سزا قائم کی - ہم لوگوں پر تاکید ہے کہ ان سزاؤں کو کام میں لائیں اگر ممنوعات کو کوئی شخص نظر انداز کرے۔

اگر بدقسمتی سے کوئی شخص اپنے آپ کو ایسی تکلیف دہ حالت میں پائے کہ جس سے اس کا مذہب اور ضمیر صفائی اور راستبازی کے ساتھ ایسے طرز عمل کو اختیار کرنے کی طرف راغب کرے جس کو قانونِ ملکی ممنوع قرار دیتا ہے - ایسی حالت میں اگر وہ قانونی سزا سے بچنا چاہتا ہے، اس کو لازم ہے کہ خواہ قانون کو تبدیل کرا لے یا مُلک چھوڑ دے - اگر وہ ایسا نہ کرے اور قانون کی خلاف ورزی کرے تو اُس کو سزا دینا لازمی ہے - وہ پسند و ناپسند ایک ہی وقت میں نہیں کر سکتا - وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کہ جب قانونِ مُلکی اس کے موافق ہو تو اس کی پناہ کا طالب ہو اور جب ناموافق ہو تو اُس کی خلاف ورزی کرے۔

جس شخص کا ضمیر قانونِ ملکی کے خلاف ورزی کی ترغیب دیتا ہے، اور وُہ بلا شک قانون شکنی کرتا ہے، ہماری تعظیم اور ہمدردی کا مستحق ہو سکتا ہے مگر سزا پانے سے نہیں بچ سکتا - ایسی حالت میں عمال سرکاری کا قانونی چارہ جوئی کرنا یا نہ کرنا محض مصلحتِ وقت پر مبنی ہے۔

ہر زمانہ میں شہید ہوتے ہیں اور کج فہم متعصب لوگ بھی ہر زمانہ میں رہے ہیں - قانون ہر دو میں امتیاز نہیں کر سکتا - اس کا منشا صرف شخص مُلزم کو مُجرم قرار دینا یا نہ دینا ہے - اگر مُلزم پر جُرم ثابت ہوتا ہے تو اس کو سزا دی جاتی ہے اس کے بعد عمال سرکاری پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ خواہ سزا کا مطالبہ کریں یا نہ کریں - اور مجرم کو اُس اجر کی اُمید پر چھوڑ دینا چاہیئے (اگر وہ اس کا مستحق ہو) جس سے اس کو ہماری دینوی لعنت و ملامت کی پوری تلافی ہو سکے۔

پس اس نوعیت کے سوالات کہ آیا مذہب اسلام میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اور آیا اشخاص ملزمان پر فرض تھا کہ اس تعلیم کو شائع کرتے اور آیا اشخاص ملزمان کا فی الواقعی یہ عقیدہ تھا کہ اُن پر یہ اِسی طرح سے

فرض ہے، اور یہ کہ اس قسم کا قتل حرام ہے حقیقت میں مقدمہ ہذا سے تعلق نہیں ہے۔

مَیں ان تمام سوالات کو فردِ قرارداد جُرم سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اشخاص ملزمان نے اِن سوالات کو نہایت فصاحت اور عالمانہ طرز سے پیش کرنے میں اصرار کیا۔ مَیں نے اُن کو اس سے باز رکھنے کی بھی کوشش کی جس پر باہمی گفتگو بہت دلچسپ ہوئی۔ کیونکہ مَیں امور نزاعی کو پیچیدہ کرنا نہیں چاہتا تھا اور مَیں مقدمہ ہذا کو ایسی تعلیم کے شائع کرنے کا ذریعہ جو کہ میرے خیال میں خطرناک اور غلط ہے، بنانا نہیں چاہتا تھا لیکن مَیں بلا اُن کی جواب دہی کو ضرر پہنچائے ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس وجہ سے مجھ کو بہت زیادہ مندرجہ اشاعت طلب معائنہ کی مقدمہ ہذا کی مثل میں شامل ہونے کی اجازت دی جو کہ متعلق مقدمہ نہیں ہے تاکہ میں آپ صاحبان و نیز حاضرین کو سمجھا سکوں۔ پس چار و ناچار میں اس نتیجہ پر پہنچا، کہ مجھ کو خود اس معاملہ پر اظہار رائے کرنا چاہیئے۔ فی الواقع میں صحیح تعلیم متعلق اس معاملہ کے بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ مَیں صرف امتحانی طریقہ پر اشخاص مُلزمان کی دین داری کی بابت چند شکوک آپ کے غور کے واسطے پیش کرتا ہوں۔

یہ مسئلہ ریزولیوشن کی طولانی عبارت و نیز اشخاص ملزمان کی نکتہ چینی میں درج ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے یعنی ایسا فعل ہے کہ جس کے کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ اگر قاتل کفارہ نہ دے، اور توبہ نہ کرے تو وہ مستوجب سزائے جہنّم کا ہوگا۔ یہ صریحًا قرآن میں موجود ہے لیکن اس صورت میں ممانعت، ممانعت قطعی نہیں ہو سکتی جیسا کہ زنا یا شرک کی حالت میں ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ دو حالتوں میں مسلمان کا خون بہایا جا سکتا ہے۔ اوّلاً جبکہ وہ خود قاتل ہو اور خاندان مقتول خون بہا لینے پر راضی نہ ہو۔ اور ثانیاً کسی مسلمان پر (بعد لینے مناسب شہادت کے) زنا ثابت ہو۔ علاوہ بریں صورت میں حفاظت خود اختیاری، غلطی وغیرہ کی حالت میں اتفاقیہ (قتل) کی بابت کچھ نہیں ہے۔ پس یہ ممنوعات نسبتی اور عارضی ہیں نہ کہ قطعی۔ پس یہ مسئلہ کہ کن

حالتوں میں قتل جائز ہے، بذریعہ ایک آزاد تحقیقات کے و بالخصوص برگزیدہ اصحاب کے طرزِ عمل پر غور کرنے سے دریافت ہو سکتا ہے۔

ہم کو پیغمبر کی زندگی سے موجودہ زمانہ کی بابت بہت کم مدد ملتی ہے البتہ قرآن بلاشک و شبہہ ایک دوامی قانون قابلِ پابندی ہے۔ جس میں کبھی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا اور جو کہ خداوند تعالیٰ کی طرح ابدالاباد سے ہے لیکن ان قوانین کا موجودہ حالات پر نافذ کرنے کی غرض سے ایسی حالت زمانہ کی ضرورت ہے کہ جیسی اس زمانہ میں ہونی چاہیئے۔

جبکہ ہم قانون کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ پیغمبر کی زندگی میں دنیوی حکومت صرف حصّہ عرب ہی تک محدود تھی۔ اہل اسلام ہم جنس تھے اور ایک ہی زبان بولتے تھے اور ان کا طرزِ معاشرت بھی ایک ہی تھا۔ شہری اور دیہاتی تقریباً ایک ہی قسم کی حکومت کے زیر نگیں رہتے تھے۔ قبیلے صرف یمن اور مضر کے جداگانہ خیالات کی بناء پر تقسیم تھے اور یہ اُس وقت اسلامی ترقی کی وجہ سے ڈھیلے ہوتے تھے۔ اُس کے ہر سہ جانب سمندر تھا اور چوتھی جانب روم و فارس کی سلطنتیں شکست حالت میں تھیں۔ اس میں مستقل فوج و تنخواہ دار، عہدہ دار و سڑک و قلعہ جات کی ضرورت نہ تھی۔ فوج عارضی قبیلوں کی جماعت سے تیار کی جاتی تھی۔ جج خود پیغمبر کے صحابہ اور عالم لوگ مقرر ہوتے تھے۔ سرداران و امراء منتظم ہوتے تھے۔ ریگستان ان کا سڑک اور قلعہ تھا۔ وفات پیغمبر کے دس سال کے اندر اسلامی سلطنت وسیع رقبہ پر پھیل گئی جن کے مغرب میں مُلک بربر شمال میں سلطنت روم تارہ دم و مشرق میں ترک واقع تھیں۔ اس کی نہایت مختلف الاقسام آبادی تھی جو کہ باعتبار نسل و زبان و رواج و مذہب بالکل مختلف تھی اور جو کہ اعلیٰ قسم کے مرکزی (حکومت) انتظام کے عادی تھے۔ قرآن اور حدیث کا لوازمات سیاسی کے واسطے ناکافی ہونا بہت جلد ظاہر ہو گیا۔ کسی پہلے خلیفہ کی بابت نقل ہے کہ جب اُن کو اپنے منتخب ہونے کی خبر پہنچی، اُس وقت وہ

قرآن خوانی میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر قرآن کو بند کر دیا اور کہا کہ یہ میرا آخری دن تیرے ساتھ ہے۔ اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہبی احکامات کی خلاف ورزی کرنے کی نیت رکھتے تھے۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ تنہا مشغلہ قرآن خوانی میں مصروف نہیں رہ سکیں گے سیاست میں ترقی شروع ہوئی اور دین دار مسلمان متعجب ہوئے کہ جدید دنیوی ضابطہ رسم و رواج کا کہاں سے نکل آیا جو کہ اگرچہ قانونِ الٰہی کے خلاف نہیں بھی ہے تاہم اس کی تصدیق براہِ راست کلام الٰہی سے نہیں ہوتی۔ اس مضمون پر آپ لاتعداد مباحثے پائیں گے۔ بعض لوگوں کا یہاں تک خیال ہے کہ سراسر بادشاہی کرنا حرام ہے کیونکہ بادشاہوں کو ضرور ناجائز خراج مقرر کرنا پڑے گا، جس کو وہ جزواً اپنے ذاتی خرچ میں لائے گا اور بادشاہ کو ایسے جرم میں انسان کو سزا دینی پڑے گی جس کی سزائے موت ازروئے قانون مذہبی نہیں ہو سکتی۔ اس مضمون پر ایک ہندوستانی مورخ نے ایک نہایت دلچسپ بحث، جو کہ علاء الدین اور اس کے شیخ الاسلام میں بطور مکالمہ کے ہوئی، تحریر کی ہے۔ لیکن زیادہ مستحسن رائے یہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہت کے قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ اگر وہ قبول کرے تو اس پر گناہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ضروری دنیوی دستور العمل کے مناسب تعمیل کی کمی کی وجہ سے دنیوی بادشاہت اور معاملات اسلامی کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔ یہ دنیوی دستور العمل حالانکہ قانونِ الٰہی کے خلاف نہیں ہے تاہم اس کی تصدیق براہِ راست اس سے نہیں ہوتی ہے۔ میں نے متقی اور پرہیزگار لوگوں کی تحریر کردہ ہجو ایسے بادشاہوں کی بابت دیکھی ہے جن کا طرز بجائے شاہانہ کے فقیرانہ تھا۔ غالباً دنیوی حکومت میں اول ضرورت اس امر کی ہے کہ حاکم کے اختیارات بالاتر رکھے جائیں۔ جب تک پیغمبر اور خلفائے راشدین زندہ رہے۔ اسلام میں کوئی تفرقہ پیدا نہیں ہوا۔ مذہب اور سلطنت متحد تھے، اور دنیوی سرداری کا کوئی مخالف دیندار نہیں ہو سکتا تھا

جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں تیغ زنی کرتا تھا وہ باغی اور کافر قرار دیا جاتا تھا لیکن علیؓ کی خلافت پر جھگڑا ہوا کیونکہ بنی اُمیہ اور مقتول عثمانؓ کے پیرو اُن کو خلیفہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پس سب سے پہلا شخص جس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں تیغ اُٹھائی وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔

یہ صحیح ہے کہ جنگِ صفین میں عمروؓ بن عاص، سردار معاویہؓ بن ابُوسفیانؓ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اشخاص ملزمان نے کیا ہے۔ یعنی اس نے بھی ایک دنیوی معاملہ میں ایک مذہبی بحث پیدا کر دی اور قرآن کو اپنی سپاہ کے نیزہ میں باندھ کر علیؓ کو ثالثی پر مجبور کیا لیکن تمام فرقے اس کے اس فعل کو مذموم خیال کرتے ہیں یہ بھی صحیح ہے کہ کچھ عرصہ تک علیؓ پر سرداران نے لعنت و ملامت کی اور اُن کو اُس زمانہ کے تارکِ موالات نے قتل کیا لیکن اب تمام فرقے علی کے طرزِ عمل کو قابلِ تقلید خیال کرتے ہیں۔ ابعدہ بنی اُمیہ کے پاس خفیف اور عارضی رُکاوٹ کے بعد خلافت قائم رہی۔ اس خاندان میں بعض ظالم اور بعض شاہان عظیم اور بعض عابد و عالم خلیفہ ہوئے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی باغی اور مخالف دعوے دار کو دبانے کے لئے ذرہ برابر بھی تامّل نہ کیا اور اُن کے (مخالف دعوے دار) تقدس اور صحتِ دعوے پر کچھ لحاظ نہیں کیا۔ جو کچھ بھی مسلم بن عقبہ اور علی بن حجاج نے مقاماتِ مقدسہ میں اور زید نے عراق میں کیا، وہ اظہر من الشمس ہے۔ حسین بن علی کیوں عراق گئے؟

میرے خیال میں وہ دریائے دجلہ و فرات کا پانی پینے یا کوفہ اور بصرہ میں وعظ فرمانے نہیں گئے بلکہ وہ مثل ایک دلیر شاہزادہ کے تیغ بدست اپنے حقوق کی حفاظت کی غرض سے گئے۔ پس میں اس مسئلہ کو بلا شبہ کئے ہوئے ہرگز تسلیم نہیں کرونگا کہ میدانِ جنگ میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا ہمیشہ ناروا ہے۔ اگر خلیفہ پر مسلمان حملہ آور ہوں تو شاید کچھ صورت مختلف ہو جائے۔ اِس دعوے کی کی بھی مجھ کو کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔ اوّلاً یہ کہ خلافت متنازعہ بھی ہو سکتی ہے۔ قبل ازیں مکہ میں چار جھنڈے چار شاہزادوں کے بلند ہوئے اور ہر ایک خلافت کا

دعوے دار ہوا۔ ایسی حالت میں سادہ لوح سرداروں کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ کیا ان کو بخوفِ سزائے جہنم ہر ایک کی صحت کی بابت ٹھیک فیصلہ کرنا لازمی تھا؟ خدا ہرگز ناممکنات کے کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے۔ وہ سپاہی ہرگز گناہ گار نہیں ہوتا ہے جو کہ اپنا عقیدہ اپنے محسن پر یا سردار پر رکھتا ہے۔ اگر گناہ ہوتا ہے تو سردار پر نہ کہ سپاہی پر۔

تاہم بہت دین دار بادشاہوں نے خلیفہ کا مقابلہ کیا۔ خلافت بذریعہ جنگ خاندانِ اُمیہ سے خاندان عباسی کو منتقل ہوئی، اور اس کے بعد خلیفہ عباسی جائز خلیفہ تسلیم کیے گئے۔ عبدالرحمٰن اسپینی نے اوّل منصور سے مقابلہ کیا اور اس کی افواج کو شکست دی اور اس کے سپہ سالار کا سر قلم کر کے کیروان کی مسجد میں آویزاں کیا۔ آلِ منصور نے اُس کو بدعا نہیں کی، اور شاہینِ قریش کے لقب سے ان کو مشہور کیا۔

علمائے قرطبہ، سیول ٹولیڈو نے کوئی فتویٰ اس کے خلاف نہیں جاری کیا۔ وہ زندہ رہا اور اُس نے بڑی شان دار سلطنت کی اور ایک زبردست سلسلہ شاہان کا جدِ امجد ہوا جنہوں نے عرصہ دراز تک مغرب میں اسلام کی حفاظت کی۔ المامون کی بادشاہت کے بعد صوبہ جات یکے بعد دیگرے نکل گئے۔ اور چھوٹی چھوٹی سلطنتیں زیرِ نگین شاہانِ جداگانہ قائم ہو گئیں۔ یہی رفتار جاری رہی یہاں تک کہ آلِ راذی کی بادشاہت کے بعد کوئی مملکت ان کے قبضہ میں نہیں رہی۔ لیکن ان تمام شاہان نے عباسیوں کو جائز خلیفہ تسلیم کیا اور ان کے نام کا خطبہ پڑھا۔ لیکن جب کوئی خلیفہ اپنی مملکت کو واپس لینے کی کوشش کرتا تھا تو یہی شاہان بلا کسی پس و پیش کے اُس پر حملہ آور ہوتے تھے اور خلیفہ کی فوج کو شکست دے کر خود اس کو مقید کر لیتے تھے۔ شاہانِ مثل نیوسویہ و خاندانِ سلجوق و ایڈیسیا کے زنگی و شاہانِ خاوری کسی نہ کسی وقت میں خلیفہ کے ساتھ جنگ آزما ہوئے، اور اُس کو مقید کیا۔

خاندان عثمان نے کیونکر اپنے مشکوک حقوق قائم کئے۔ بذریعہ انتخاب ہرگز نہیں بلکہ سلیم کا مصر پر فوج کشی کرنا اور سلطانِ مصر نائب خلیفہ کا شکست کھانا، اور جائز خلیفہ عباسی کو اپنے حق میں معزول کرنے (جو کہ اس وقت مصر میں موجود تھا) کے ذریعہ سے حاصل کئے۔ پس اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دیندار بادشاہوں نے خلیفہ کے مقابلہ میں جنگ آزمائی کی اور بزور تیغ اُن کی قوت کم کی، اور اس پر بھی اُن پر پاک چیزوں کو ناپاک کرنے کا الزام نہیں لگایا گیا۔ سنیوں میں عہدۂ خلافت کو خصوصاً پاک سمجھنے کی تعلیم مجھے جدید معلوم ہوتی ہے جو کہ میری رائے میں سلطان عبدالحمید خاں کی موذن کرنے والی جماعت باغیان و افترا پرداز؟ کی ایجاد ہے۔ مقدمہ ہذا میں میری نگاہ ایک کاغذ پر پڑی۔ غالباً کسی فتوے میں یہ تحریر دیکھ کر میں متعجب ہوا کہ خلیفہ نائبِ خدا ہے۔ مجھے خیال تھا کہ ہر شخص کو اس بات کا علم ہے کہ خدا ہر جگہ ہے اور ہمیشہ ہے اور اس کو کسی نائب یا قائم مقام کی ضرورت نہیں۔ الست کے دن بھی انسانی ارواح اور ذاتِ خدا کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں کوئی نائب یا درمیانی شخص شریک نہیں تھا۔ پس خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی امیہ کی ذات یا پیشہ باہم الٰہی حاکم کا وجود نہیں۔ خلیفہ نائب رسول ہے، لیکن اس میں مرید بنانے کی طاقت نہیں۔ وہ مسلمانوں کا دنیوی حاکم ہے اور اس کا آلات سے مقابلہ کرنا گناہ نہیں ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ فرقہ شیعہ کے عقائد کیا ہیں۔ بعض سخت اہلِ شیعہ امامت کی نوعیت کی بابت عجیب عقائد رکھتے ہیں۔ لیکن امامتِ اہلِ شیعہ فی زمانہ معرضِ التوا میں ہے اور اسماعیلیہ فرقہ میں ۸۰۰ سال سے کوئی حکمران خلیفہ نہیں ہوا۔ پس میری رائے میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ خلیفہ کے مقابلہ میں جنگ کرنا ایسا فعل ہے کہ جس سے کوئی شخص گناہ گار ہو سکے۔

لیکن شاید اس قول کا یہ منشا ہو کہ مسلمانوں کا کسی غیر مسلم بادشاہ کی ملازمت میں رہ کر مسلمانوں سے جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کی صداقت کافی طور پر حدیث سے نہیں ہوتی کیونکہ حال ہی میں کچھ مسلمانوں کی تعداد غیر مسلم بادشاہوں کی زیر نگیں

ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے قابل ہوئی۔ جب دوسری بار عیسائیوں نے اسپین
پر اپنا قبضہ کیا تو مسلمانوں نے اُس ملک کو خالی کر دیا۔ ملک سسلی میں مسلمان نارمن
اور ہوسٹامن بادشاہوں کے وفادار سپاہی تھے لیکن ان بادشاہوں کو زیادہ تر
عیسائیوں ہی سے جنگ کرنا پڑا۔ اور اگر اُن کو مسلمانوں سے جنگ ہی کرنا پڑا، تو وہ
بھی زیادہ تر اہل ہندوستان میں جب سلطنت بہمن قائم ہوئی اس کو متواتر ہندو
راجگان و زیامگر سے جنگ کرنا پڑا۔ اور راجگان و زیامگر اہلِ عرب کو اپنی فوج میں
سے بھرتی کرتے تھے۔ مجھ کو یقین ہے کہ بہمن بادشاہ ایک زمانہ میں ایسے
لشکر کو تہ تیغ کر دیتے تھے جو کہ کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرنے کے مُجرم
ہوتے تھے لیکن ان کو بھی جلد اس طریقہ کو ترک کرنا پڑا خواہ قتل یا قتل کسی
مذہبی اعتقاد کے مطابق کیا، مجھ کو علم نہیں۔ مرہٹہ جنہوں نے مسلمانوں کی ہندوستان
میں سلطنت شکستہ کر دی، وہ مسلمانوں کی فوج سے کام لیتے تھے اور خواہ ابراہیم نحدی
کا کیسا ہی انجام کیوں نہ ہوا ہو۔ لیکن مَیں نے کسی اسلامی مسندِ انصاف کا کسی سیواجی
یا شور کے مسلمان سپاہی کو بجرم کفر سزائے موت دیتے ہوئے نہیں سُنا۔ خود حیدر علی
عرصہ دراز تک ہندو راجہ میسور کے سلسلۂ ملازمت میں رہا اور اپنے دکن اور
کرناٹک کے مسلمان بادشاہوں سے اپنے آقا کی جانب سے جنگ کی لیکن مَیں نے
اس وجہ سے اُس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کسی کو نہیں سُنا۔

اِس مسئلہ پر دانش مندانہ نقطہ نظر سے غور کیجئے کہ ایک روشن دماغ اور مہذب
مسلمانوں کی رعایا ایک زرخیز صوبہ حکومت کسی مہربان ہندو سلطنت کے
آباد ہیں اور اس ہموار ملک سے ملحق پہاڑیاں ہیں جس میں خونخوار مسلمانوں کے آزاد
جتھے آباد ہیں جو کہ متواتر ہموار مُلک پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مگر اُس کو فتح کرنے کی
کوشش نہیں کرتے۔ کیا وہ مسلمان جو کہ ان جرگوں سے اپنی مسلمان آبادی کی سرزمین
کو محفوظ رکھنے کے لئے مدافعت کرتا ہے محض اس بنا پر کہ وہ ایک ہندوستانی شہریار
کی فوج میں شرکت کر کے جنگ کرتا ہے جہنم واپس کیا جائے گا؟

یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جنگ آزمائی محض مدافعانہ ہے لیکن جارحانہ اور مدافعانہ جنگ آزمائی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جنگ آزمائی میں کوئی حملہ کرنا بھی بعض اوقات مدافعت کی ایک شکل ہوتی ہے۔

پس میرے خیال میں جب ہم اشخاص ملزمان کی تعلیم کے مطالب کی وضاحت کرتے ہیں جس پر وہ اس قدر فصاحت و بلاغت کے ساتھ وعظ فرما چکے ہیں، تو اس قدر نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی مسلمان سپاہی ایسی جنگ میں شریک ہوتا ہے۔ جس کو کہ اشخاص ملزمان سے ناپسند کرتے ہیں تو وہ جہنمی ہوتا ہے۔ مساحت کے تاریک گوشہ کے رہنے والوں اور بوسیدہ کاغذات کے چاٹنے والوں کو نظرانداز کر کے وہ اس بارہ میں کیا مناسب خیال کرتے ہیں۔ کسی ایسے مسلمان سے جو کہ سید بھی ہو، دریافت کرتا ہوں کہ وہ اس تعلیم کی بابت کیا خیال کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اپنے بادشاہ کی ملازمت از خود اختیار کرے، اس سے اپنا مشاہرہ اور وظیفہ خاص کرلے اور اُس کی سلطنت کے جاہ و جلال میں شریک ہو لیکن جب خطرہ درپیش ہو، اور اُس کا بادشاہ اپنے سپاہیوں سے مدد کا طالب ہو، ایسی حالت میں سپاہی اپنی سوگند اور وفاداری کے تعلقات شکست کر ڈالے، اپنے بادشاہ کو تخت سے اُترنے اور قتل ہونے کے لئے چھوڑ دے محض اس وجہ سے کہ اس کا بادشاہ غیر مسلم ہے اور اس کا دشمن مسلم ہے۔ میں ہرگز یقین نہیں کروں گا کہ ایسی ہی صحیح تعلیم اُس مذہب کی ہو سکتی ہے کہ جس کا پیغمبر برگزیدہ خلائق اور لقب الامین رکھتا ہو۔

پس میری بھی رائے اشخاص ملزمان کی جواب دہی کی بابت ہے۔ لیکن میں بیان کر چکا ہوں کہ خواہ یہ رائے صحیح ہو یا غلط، بہرحال مقدمہ ہذا سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اگر یہ مسئلہ جو کہ اشخاص ملزمان پیش کرتے ہیں یعنی یہ کہ کسی مسلمان کا انگریزی سپاہ میں بحالت موجودہ ملازمت کرنا حرام ہے، مذہباً درست بھی ہو اور اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے اور اگر اشخاص ملزمان نے اس کو فوج کے پیش نظر کرنے کی سازش کی، تو ایسی حالت میں اشخاص ملزمان زیادہ مجرم ہیں کیونکہ ایسی حالت میں فوج کے

اغوا ہونے کا زیادہ احتمال تھا، بمقابلہ اس کے کہ وہ تمام مسائل قطعی غلط اور لایعنی ہوتے۔

اب میں تمہید کو ختم کر چکا ہوں اور اب میں فرد قرار داد جرم جو کہ اشخاص ملزمان پر قائم کئے گئے ہیں غور کرتا ہوں۔ میں سب سے اول جرم زیر دفعہ ۱۳۱، کی فرد قرار داد جرم بیان کروں گا جب کہ میں پہلے ہدایت کر چکا ہوں کہ یہ آپ کا کام ہے کہ ان فرد قرار داد جرم کے متعلق شہادت پر غور کیجئے اور شہادت کے مطابق رائے دیجئے۔ اگر میں واقعات پر کوئی رائے ظاہر کروں تو وہ آپ پر قابلِ پابندی نہیں ہے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ اس قسم کی رائے کو آپ مسترد فرمائیں، اگر آپ اس کی تائید نہ کر سکیں۔

دفعہ ۱۳۱ ملک معظم کے سپاہی کو اطاعت یا خدمتِ منصبی نہ کرنے کے اغوا کے اقدام سے روکتی ہے پس اس قسم کا اقدام جرم میں داخل ہے اور بدرجہ غایت لائقِ سزا؛ جبس دوام بعبور دریائے شور مع اس سے کم خفیف سزا کے ہے۔

۱۲۰ ب اشخاص کو سازش مجرمانہ میں بغرض ارتکاب جرم جس کی سزا حبسِ دوام بعبور دریائے شور یا جبس کی اس سے کم تر سزا ہے، شرکت سے روکتی ہے، خواہ اس قسم کے جرم کا واقعی ارتکاب بوجہ سازش کے ہو یا نہ ہو۔

اور دفعہ ۱۲۰ الف میں سازش کی تعریف اس طرح مندرج ہے کہ سازش باہم دو یا زائد اشخاص کا متفق ہونا بغرض ارتکاب (علاوہ دیگر باتوں کے) فعلِ ناجائز یا جرم کا ہے۔

یہ امر اس موقع پر طے کیا جاتا ہے کہ جب سازش بغرض ارتکاب کسی جرم کے ہو تو ایسی حالت میں بوجہ سازش کے کسی فعل کے کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے سازش مجرمانہ ہو جائے۔

اور یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ جرم جس کے ارتکاب کی نیت ہو، یہ لازمی نہیں کہ وہی ایک یا آخری مطلب سازش کا ہو۔ مثلاً فرض کیجئے کہ چند اشخاص روئی پر سٹہ بازی

کرنے پر متفق ہوئے۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ لوگ مقررہ نرخ پر آمدہ روئی کی خرید کرتے ہیں۔ نرخ بازار اُن کے خلاف ہونے لگتا ہے۔ یہ لوگ امریکہ سے جعلی تار روانہ کرنے پر اتفاق کرتے ہیں۔ اِس مضمون سے کہ امریکہ کی فصل بالکل خراب ہوئی ہے اور افسران محکمہ تار کو رشوت دیتے ہیں تاکہ وہ ان جعلی تاروں کو مختلف تاجروں کے پاس روانہ کریں، اس طرح سے گویا وہ اصلی تار روانہ کر رہے ہیں۔ اگر یہ جعلی تار بنانے کی بابت اتحاد محض خیال کے ابتدائی درجہ سے تجاوز کر کے ممکنات میں آجائے اور سٹہ باز ایسے فعل کے کرنے پر اپنا ارادہ قائم کر لیں، ایسی حالت میں وہ مجرم سازش ہوں گے۔ حالانکہ بعدہٗ وہ بالکل جعلی تار نہ روانہ کرائیں۔ اِسی طرح اِس موقع پر بھی اگر اشخاص ملزمان یا ان میں سے دو یا چار باہمی فوج کے اغوا کے اقدام پر متفق ہوتے خواہ اُن کا یہی خاص مطلب معاہدہ سے ہو یا نہ ہو، پس ایسے اشخاص ملزمان جو کہ اس قسم کے معاہدہ میں شریک ہوتے، مرتکب جُرم سازش مجرمانہ ہوئے، خواہ کوئی مزید فعل اُن سے سرزد ہوا ہو یا نہیں اور لائقِ سزا زیر دفعہ ۱۲۰ ب و ۱۱۵ ہوئے جس میں مندرج ہے کہ جب کوئی شخص ایسے جُرم کے ارتکاب میں اعانت کرے جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جاچکا ہے تو اگر اس جُرم کا ارتکاب اس اعانت سے واقع نہ ہو تو شخص مذکور کی بدرجہ غایت سات سال کی سزائے سخت دی جائے گی۔

سٹہ باز مذکور بلاشک زیادہ سخت سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اگر جعلی تار پر اتفاق، ابتدائے مدارج اتفاق اور تیاری سے واقعی ارتکاب تک (اُن سے سرزد ہو) اسی طرح اشخاص ملزمان میں سے وہ شخص زیادہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا، اگر کوئی اس کی سازش کا برابر فوج کو اغوا کرانے کی کوشش جاری رکھے۔ پس شخص ملزم ایسی حالت میں مستوجب سزا زیر دفعہ ۱۰۹ تعزیراتِ ہند کا ہوگا جس میں سازش کی بھی اسی قدر سزا درج ہے جس قدر کہ اصلی جُرم کی سزا درج ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی ممبر سازش ایسے فعل کے ارتکاب کی بابت جو کہ بموجب سازش سرزد ہوا ہو مستوجب الوقت قرار دیا جائے

جب کہ اس خاص فعل کا ارتکاب اُس سے سرزد ہو یا اُس کے ذہن میں آئے یہی کافی ہے۔ اگر یہ فعل کسی ممبر سازش سے سرزد ہو اور وہ لازمی نتیجہ سازش کا ہو۔ فرض کیجئے کہ الف، ب، ج آپس میں طے کرتے ہیں کہ ب اور ج سے اپنے مقام پر کھانے کی درخواست کریں اور ب اور ج کو زہر دے دیں۔ لا دعوت میں شریک ہوتا ہے مگر کوئی چیز نہیں کھاتا ہے۔ جب وہ مکان سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی مٹھ بھیڑ سی ہوتی ہے جو کہ اس کو بندوق سے مار ڈالتا ہے۔ ب اور ج اس کی موت کے ذمہ دار ہیں حالانکہ انہوں نے کبھی اس کو نہیں دیکھا یا کبھی اس کی بابت سنا۔ اور جنہوں نے صرف الف سے معاملہ کیا تھا اگر وہ ممبر سازش نہ ہو اور رح کو بہ سبب عداوت ذاتی کے مار ڈالے تو یہ شکل مختلف ہوگی اور ایسی صورت میں تنہا وہی مستوجب سزائے قتل کا ہوگا۔ اور ب اور ج و الف محض سازش کے مستوجب ہوں گے جو کہ بالکل بے سود ثابت ہوں۔ بہرحال حسب ذیل امور پر آپ کو رائے قائم کرنی چاہیئے۔ آیا کوئی سازش بغرض ارتکاب جرم یا کسی جائز فعل کو بذریعہ ناجائز ذرائع سے کرنے کی بابت ہوئی یا نہیں۔

آیا اس سازش کی اغراض میں سے فوج کو اپنی اطاعت اور خدمت منصبی سے اغوا کرانے کا اقدام بھی ہے یا نہیں۔

آیا اشخاص ملزمان یا ان میں سے کوئی شخص اس سازش کے ممبر ہیں یا نہیں۔

آیا کسی سازش ممبر نے خواہ وہ اشخاص ملزمان ہوں یا نہ ہوں، فی الواقعی کسی سپاہی کو اغوا کرانے کا اقدام کیا اور اگر ایسا ہوا تو کیا اس طرح اغوا کا اقدام سازش مذکور کا لازمی نتیجہ ہے یا نہیں۔

متذکرہ بالا امور اوّل دونوں فرد قرارداد جرم کی بابت ہیں۔ اوّل ہر دو امور کی بابت یہ ہے کہ سازش کس طرح سے ثابت کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ کو کوئی دغاباز یا جاسوس مل جاتا ہے جس کو سازش کی اندرونی کارروائیوں کا علم ہوتا ہے اور جو کہ اُن کے سرداروں کی خفیہ گفتگو میں شریک ہوتا ہے اور عدالت میں تفصیل اپنا تمام علم

ظاہر کرتا ہے۔ مقدمہ ہذا میں اس قسم کی شہادت، شہادت نہیں ہے۔

دیگر یہ کہ اگر کاغذات اور مراسلات خواہ سازش کے مرکزی مقام سے خواہ لیڈران سازش کے قبضہ سے آپ کو حاصل ہو جائیں اور ایسے کاغذات کے مطالعہ سے سازش کا وجود اور اس کے اغراض و مقاصد اور ممبران کا پتہ آپ کو معلوم ہو جائے اس مقدمہ میں اس قسم کی شہادت بہت کم ہے۔

دیگر یہ کہ آپ کے پاس ایسی شہادت ہو جس سے چند اشخاص کا ایک ہی قسم کا طرز رکھنا اور ایک ہی مخصوص پالیسی کا اختیار کرنا اور اس کی تائید میں زبان کھولنا اُن سے ایسے افعال سرزد ہونا کہ جن کی بہترین تشریح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ گویا انہوں نے اُس پالیسی کی تائید و نیز اس پر عمل درآمد کرنے کا پہلے ہی سے بیڑا اُٹھا لیا ہے۔ پس اگر شہادت سے یہ بات نہایت قرینِ قیاس معلوم ہو کہ وہ اس طرح عمل کر رہے ہیں جس سے تمام اغراض سازش کو ترقی ہو، تو اس سے آپ جائز طور پر سازش ہونا اخذ کر سکتے ہیں اور وہ اشخاص کہ جن کے افعال بظاہر ایسے سازش کی ترقی کے باعث ہوں وہ اس کے ممبر ہیں۔ یہ اشخاص جائز طور پر یہ بیان کر سکتے ہیں کہ جو افعال اُن سے سرزد ہوئے وہ محض اتفاقیہ تھے لیکن اس کا بڑا بار اُن پر ہے کہ وہ اپنی جوابدہی ثابت کریں، یا کم از کم اپنے افعال کی مناسب تشریح کریں جس سے ان کی بے گناہی ثابت ہو۔

مثلاً ہ مقتول پایا جاتا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ الف و ب و ج باہمی بڑے دوست تھے اور ہر ایک ہ کو نفرت کرنے کی وجوہات رکھتا تھا اور اس کو دفع کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ ٹھیک ہ کے قاتل ہیں۔ قبل متواتر ملا کرتے تھے۔ الف ہ سے ایک تنہا مکان میں دعوت کرتا ہے اور ہ کو شراب پلاتا ہے۔ ہ کی گاڑی ہ کو لینے کی غرض سے آتی ہے لیکن ب کو جو ان سے کہتا ہے کہ ہ پہلے ہی مکان سے چلے گئے۔ پس جب ہ کا رخصتی کا وقت آتا ہے تو وہ تنگ سڑکوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ ج ایک گاڑی لا کر ایک مقام پر لڑا دیتا ہے۔ د ہ کو اس مقام پر گولی سے

مار ڈالتا ہے اور اس کی نعش کو گاڑی میں بند کر کے دریا تک ہانکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نعش کو دریا میں پھینک دیتا ہے۔ پھر الف اور ب پولیس میں اطلاع کرتے ہیں کہ قتل کے روز انہوں نے ہ کو بذریعہ ریل ایک دُور دراز شہر کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ عدالت ان واقعات سے جائز طور پر یہ اخذ کر سکتی ہے کہ الف و ب وج نے ہ کے قتل کی بابت سازش کی اور یہ کہ اسی سازش کے باعث قتل ہوا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ الف و ب وج بے گناہی کے ایسے افعال رہے ہوں بادی النظر میں ہی مقدمہ اس قدر ان کے مقابلہ میں مضبوط ہو گا کہ عدالت الف و ب وج کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی جائز طور پر تاکید کریں گے۔ اگر وہ ایسا کرتے میں قاصر رہیں گے تو عدالت اس ثبوت قرائینی پر ان کو مجرم قرار دینے کی مجاز ہو گی، منجانب سرکار۔

مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ تحریک ابتداء میں بلا کسی افعال پر اشتعال دلانے کی خاص نیت کے جاری کی گئی تھی۔ زیادہ اغلب یہ ہے کہ ہمارے وطن میں ترکی کے موافق پارٹی جو کہ اتحادیوں کو ترکوں کے ساتھ شائستہ برتاؤ کرنے یا کم از کم اتحادی آبادیوں کی مدد کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تقویت دینے کی نیت سے بھی کی گئی تھی۔ یہی وجوہات ترکی کا اس ملک میں طریقہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ایک پُر شور جگہ ایک ملکی شورش برپا کر دیتے۔ حال میں اس قسم کی پالیسی عام طور پر .... اور جو کچھ مولوی شوکت علی نے گذشتہ دن بیان کیا وہ قابلِ قیاس ہے۔ اشخاص ملزمان کا یہ خیال کہ ابتداءً ہندوستانی اور یورپین مختار اصحاب نے اگر اس شورش کی تحریک نہیں کی تو ان کو بنظرِ استحسان ضرور دیکھنا۔ اشخاص ملزمان کو اُن کے اس خیال کا فائدہ دینا چاہیئے۔ درحقیقت یہ ایک بڑا زبردست آلہ ترکی کے موافق پارٹی کے ہاتھ میں ہوتا، اگر وہ ذرا   پر باہر یا غیر ممالک سفیدوں پر دباؤ اس بیان سے ڈال سکتے کہ مسلمانانِ ہندوستان کے جذبۂ ترکی کے شرائط و نیز دیزوولاز اور کانسٹانٹین کو

امداد پہنچانے کے سوالات پر نہایت مشتعل ہو گئے ہیں۔ پس یہ خیال بالکل بعید از قیاس نہیں ہے۔ جس کی تائید شخص ملزم کے بیانات سے ہوتی ہے کہ تحریکِ خلافت کی کسی قدر تائید ابتداء ہی سے ہوئی۔ بالکل اگر ایسا نہیں بھی ہوا، اور یہ تحریک بالکل خودرو ہی ہے تو بھی چند مسلمانوں کا اس میں ترکی کی موافقت میں شورش برپا کرنے پر متحد ہونا بالکل مناسب اور کسی طرح خلافِ قانون نہیں ہے۔ اگر ایک زبردست شورش بھی برپا کی جاوے تو بھی وہ خلافِ قانون نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اسی سلسلہ میں وہ لوگ کسی جُرم کے ارتکاب پر اتحاد نہ کریں یا اُس کو خلافِ قانون ذرائع سے جاری نہ کریں۔ جس وقت کہ ایجیٹیشن (شورش) کا خلافِ قانون ذرائع سے جاری رکھنے یا ارتکابِ جُرم میں اعانت (یعنی اشتعال کے) کے ذریعہ سے تائید کرنے کا خیال پیدا ہو گا اسی وقت ایجیٹیشن کا اتحاد سازش میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور جو لوگ کہ سازش میں یہ جان کر کہ اس کے اغراض عموماً مجرمانہ ہیں شریک ہوں گے تو ایسی حالت میں وہ لوگ مجرم ہر فعل مجرمانہ کے ہوں گے جو کہ سازش کو ترقی دینے کی غرض سے سرزد ہو گا۔

یہ جنگ کہ ایجیٹیشن شورش عرصہ دراز تک قانونی حدود کے اندر رہی بعد از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جس خاص خلافِ قانون افعال سے ہمارا مقدمہ ہذا میں تعلق ہے وہ فوج کا ترک (ملازمت) کرنے پر اشتعال دلانا ہے۔ ابتداءً فروری ۱۹۲۰ء میں شوکت علی کا اس مضمون پر کلکتہ میں تقریر کرنا اور فوج کی وفاداری کو حرام قرار دینا پایا جاتا ہے۔ شوکت علی نے بماہ مارچ وادی سرما ملک آسام میں ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے پھر اسی تعلیم کی تبلیغ کی۔ بعدہٗ ماہ ستمبر یا اکتوبر ایک تحریر جو کہ فتویٰ بیان کی جاتی ہے، حاصل کی جاتی ہے (جس پر اشخاص ملزمان نمبر ۲ اور ۵ کے دستخط ثبت ہیں) جس میں سپاہیوں کا فوج میں رہنا حرام تحریر ہے۔ بعدہٗ بماہ نومبر ایک جماعت کی کارروائی جو کہ جماعت علماء ظاہر کی جاتی ہے حاصل ہوئی ہے جس میں بھی وہی تعلیم منظور کی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد بماہ فروری ۱۹۲۱ء

وہی تحریر، ملزمان نمبر ۲، ۴، ۵ کے دستخط ثبت ہیں اور اس میں بھی وہی تعلیم درج ہے اور جس میں تمام ناظرین کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اشخاص متعلقہ تک اس کو پہنچا دیں۔ صدر دفتر خلافت کمیٹی نے اس پمفلٹ کے نسخے بڑی تعداد میں تقسیم کئے اور دوسری بار ایک بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے گئے۔ یہ بماہ فروری لغایتہ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء تقسیم ہوئے۔ اشخاص ملزمان نمبر ۵، ۷ خلافت کمیٹی کے سکریٹری ہیں۔ تین اور سکریٹری بھی ہیں۔ عبدالغنی (جو کہ مقدمہ ہذا میں ملزم نہیں ہے) بیان کرتا ہے کہ وہ پمفلٹ مذکور کی بابت تاکید کرنے اور شائع کرانے کا تنہا ذمہ دار ہے۔

بعدہٗ بماہ جون اشخاص ملزمان نمبر ۱، ۳، ۷ پونہ کے بڑے فوجی مقام میں پہنچے جہاں کہ ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کہ اشخاص ملزمان شریک ہوئے اور شوکت علی شخص ملزم نمبر ۷ نے اس جگہ تقریر کی۔ جس میں اُس نے بیان کیا کہ ایک فنڈ بغرض امداد اُن سپاہیوں کے کھولا جائے گا جو کہ اپنی ملازمت ترک کریں گے۔ بعدہٗ بمقام گوکگ ایک جلسہ خلافت بتاریخ ۱۹ ؍جون منعقد ہوا جس میں شخص ملزم نمبر ۱ کی تحریک و شخص ملزم نمبر ۳ کی تائید میں ایک تحریک ریزولیوشن پاس ہوئی جسمیں مسلمانوں کا انگریزی حکومت میں فوجی ملازمت کرنا قطعی حرام ہونا قرار دیا۔

مَیں نے آپ کو تمام تقریریں و ریزولیوشن و فتوے و کارروائیاں جلسہ پڑھ کر دوبارہ نہیں سُنائی ہیں کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ وہ آپ کے حافظہ میں بلاشک و شبہ تازہ ہوں گی۔ اشخاص ملزمان نے ان کی صحت اور رپورٹ یا توجیہ کی وابستگی کی بابت کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ سوائے ظاہری تغیر کے اور کوئی تغیر بھی ہوسکتی ہے۔

اب مَیں کراچی کانفرنس کی بابت بیان کرتا ہوں جو کہ خلافت کی عام جماعت کی جانب سے منعقد ہوا۔ یہ جلسہ بڑی آب و تاب کے ساتھ ایک بڑے سنٹر میں منعقد تھا۔ ہر طبقہ کے مسلمان آتے جاتے تھے اور جو کہ سفر جہازی کا مرکز اور فوجی مقام بھی ہے اور بعض اعتبار سے تجارتی تخت گاہ ہے جس میں زیادہ تر آبادی

جنگ جو مسلمانوں کی ہے۔ اشخاص ملزمان نمبر ۱، ۶، ۷ کراچی بتاریخ ۷ جولائی پہنچے۔ اور شہر میں جلوس کے ساتھ نکالے گئے۔ اشخاص ملزمان نمبر ۱، ۷ نے ایک زنانہ مدرسہ میں قیام کیا جو کہ اُس مقام سے قریب تھی جہاں کہ کانفرنس منعقد ہونے والی تھی۔ شخص ملزم نمبر ۳ بھی وہیں مقیم ہوا۔ ایک سبجیکٹ کمیٹی بنائی گئی۔ اس کا اجلاس بتاریخ ۹ جولائی بمقام مدرسہ زنانہ دو بار منعقد ہوا۔ جس کے پہلے یا دوسرے اجلاس میں اشخاص ملزمان نمبر ۱، ۳، ۷ شریک ہوئے۔ بتاریخ ۹ جولائی بوقت شب بہت ریزولیوشن تجویز ہوئے اور منظور کیے گئے جس میں ریزولیوشن نمبر ۶ بھی تھا جو کہ حسب ذیل ہے۔

"آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ جلسہ ہمارے کمال پاشا اور انگورا گورنمنٹ کو اپنی شاندار فتوحات و نیز شریعتِ اسلامی کے قائم رکھنے میں نہایت بے باکانہ (یا جان نثاری) جدّ و جُہد میں کامیابی پر دلی مبارکباد دی ہے اور یہ جلسہ خدائے جل شانہٗ سے دست بدعا ہے کہ وُہ تمام گورنمنٹوں کی افواج کو سلطنت ٹرکی کے ہر ایک گوشہ سے باہر نکالنے میں جلد کامیاب ہوں۔"

لیکن ہر حالت میں قانون پر عمل درآمد کرنے سے باز رہنا اور بالخصوص اس وقت جب کہ بے گناہ اور غریب جانب دار اشخاص کے حقوق اور فوائد پر بوجہ قانونی عمل درآمد نہ کرنے کے نقصان پہنچتا ہے۔ میری رائے میں (اس طرح جیسے کہ بلا کسی امتیازی ہر جرم کو معاف کرنا) تقریباً خلافِ قانون معافی کے اختیارات کو کام میں لانے کے برابر ہے جو کہ خالی از خطرہ نہیں۔

عدالت اپنی نہایت بادبی کا ثبوت دے گی۔ اگر اس نے عمال سرکاری کی بابت یہ فرض کیا کہ انہوں نے بے ضابطہ کارروائیاں کی ہیں۔

عدالت بلا عنایت معاقی درجہ ناشائستہ ہوئی، ہرگز یہ فرض نہیں کر سکتی کہ عمّال سرکاری سے افعال خلاف ضابطہ سرزد ہوئے۔ پس ہم قیاس کرتے ہیں کہ

اغراض و مقاصد اس جماعت کے بہ حیثیت مجموعی جائز تھے۔

منجانب سرکار یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زبردست دور دراز تک پھیلی ہوئی سازش تھی جس کے اغراض میں فوج کا اغوا بھی شامل تھا۔ اشخاص ملزمان کو اس سے انکار ہے۔ اشخاص ملزمان کے واقعات پر اپنی جواب دہی میں قاصر رہنے کی وجہ سے مجھ کو نہایت پریشانی ہوئی اور اسی وجہ سے میں نے اشخاص ملزمان سے کسی قانونی پیشہ شخص جس کو وہ اپنے نزدیک معتبر خیال کرتے تھے بطور وکیل عدالت کے اپنی جانب سے بحث کرنے کی اجازت دینے کی بابت کہا تھا۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ پس ہم کو معتدل طریقہ سے از خود کام کرنا چاہیئے۔ میری رائے میں جس کے آپ پابند نہیں ہیں یہ ہے (کہ سازش ضرور ہوئی) لیکن میں اس خیال کے موافق اور مخالف واقعاتِ مقدمہ آپ کے سامنے جس قدر غیر صفات سے ممکن ہوگا پیش کروں گا۔

ایک جماعت کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ حکام خلافت کمیٹی ہے جس کے تمام اشخاص ملزمان خود ممبر ہیں یا اس (اغراض) سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ یہ امر کہ جو لوگ کہ اس کے ممبر نہیں ہیں وہ اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب مختلف اوقات پر اس جماعت کے جلسوں میں شریک ہوئے ہیں اور اس کی علانیہ تائید کی ہے۔ میں نہیں جانتا ہوں کہ اُس جماعت کا اصلی مقصد اور ضابطہ کیا ہے۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ اس کے ابتدائی زمانہ کے اغراض جائز تھے کیونکہ اس کی اشاعت بلا روک ٹوک جاری رہی۔ سازش اور بغاوت خلافِ قانون موجود ہیں۔

از روئے قانون عمال سرکاری کو اختیار ہے کہ وُہ اُن قوانین کو جہاں مناسب سمجھیں، کام میں لائیں۔ بقیہ اس طرح کہ اُن کو معاف کر دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔

مزید برآں یہ جلسہ صاف طور پر اعلان کرتا ہے کہ ہر مسلمان کا فی زمانہ افواج

انگریزی سے تعلق رکھنا یا دوسروں کو فوج میں شرکت کی ترغیب دینا مذہباً سراسر حرام ہے۔ اور تمام مسلمانوں پر بالعموم اور علماء پر بالخصوص فرض ہے کہ وہ ان مذہبی احکامات کو فوج میں ہر مسلمان کے ذہن نشین کرا دیں۔

مزید براں یہ کہ جلسہ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ اگر گورنمنٹ انگریزی کوئی فوجی کارروائی بمقابلہ گورنمنٹ انگورہ خواہ از خود یا اشارۃً یا پوشیدہ طریقہ پر، یا اعلانیہ طور پر عمل میں لاوے تو ایسی حالت میں مسلمانانِ ہندوستان قانون شکنی کی خلاف ورزی کرنے پر باتفاق کانگریس مجبور ہوں گے۔ اور آئندہ سالانہ اجلاس کانگریس کمیٹی جو کہ احمد آباد میں منعقد ہوں گے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی کامل آزادی اور جمہوری حکومتِ ہند کے قیام کا اعلان کریں گے۔

شخص ملزم ۱ نے بطورِ تمہید چند الفاظ کہے اور بیان کیا کہ کس قدر ضروری ریزولیوشن ہے اور کس طرح یہ عطر یا مغز کانفرنس کا ہے۔ اس کے بعد شخص ملزم ۲ نے ریزولیوشن پیش کیا۔ جس نے اُس کی تائید میں ایک طویل تقریر کی جسمیں اُس نے ایک سپاہ انگریزی کے فرارشدہ سپاہی کا قصہ سُنایا جو کہ ترکوں سے مِل گیا تھا۔ اور جس کو اس کے ایک ہم مجلس سپاہی نے بوجہ فرار ہونے کے اُس کو قتل کیا اور جس کی نعش کے دیکھنے سے بظاہر معلوم ہوا کہ وہ شہیدوں میں شامل کیا گیا۔ حالانکہ جب وہ سپاہی کہ جس نے اس سپاہی کو قتل کیا تھا، مارا گیا تو اس پر جہنمی ہونے کے علامات پائے گئے۔

یہ تقریر بہت زبردست ہے اور اس ریزولیوشن کے ہر حصہ کی تائید میں ہے شخص ملزم ۳ نے اس کے بعد ریزولیوشن کی تائید کی۔ اس نے عام وجوہات کی بناء پر اس ریزولیوشن کی تائید کی کہ گورنمنٹ کی طرح مدد کرنا مذہباً حرام ہے اور بنظر سیاست بعید از مصلحت ہے۔

شخص ملزم ۴ سندھ کا پیر ہے۔ اس نے ریزولیوشن کو بزبان سندھی ترجمہ کیا اور اس کی تائید میں اس نے تقریر کی گو کہ اس کی تقریر ہمارے سامنے

موجود نہیں ہے۔

شخص ملزم ع۵ نثار احمد نے نہایت مختصر مگر نہایت زبردست تقریر اس کی تائید میں کی اور اس میں اس نے زبردست مذہبی وجوہات جو کہ اس کے نزدیک قرار ی کے متعلق تھے بیان کئے۔

اس کے بعد ملزم ع۶ نے تقریر کی۔ شخص ملزم ع۶ ایک ہندوی اور ایک بڑی مذہبی حکومت کا جن میں ہندوستان منقسم ہے، شنکر اچاریہ ہونے کا دعویدار ہے۔ اس نے ایک تقریر کی جو کہ سپردگی کی نوعیت سے مختلف ہے اور جس کا تعلق معاملہ متنازعہ سے نہیں ہے کوئی۔ اس نے مسلمان اور ہندو کے اتفاق کی ضرورت بیان کی۔ جب کہ برٹش (گورنمنٹ) جارحانہ پالیسی اختیار کرے جس کا دونوں کو خطرہ ہے۔ اور آخر میں بیان کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی احکامات کی تعمیل کرنی چاہئے جس طرح اہلِ ہند پر اپنے مذہب کی پابندی لازمی ہے۔

محمد علی صدر جلسہ شخص ملزم ع۱ نے اس کے بعد حاضرین کی رائے طلب کی۔ اور کہا کہ جو لوگ ریزولیوشن منظور کرنا چاہتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں اور اس کو کھڑے رہ کر منظور کریں۔ جس پر حاضرین نے عمل کیا۔ شخص ملزم نے ریزولیوشن کی اہمیت بیان کی اور کہا کہ خداوند کریم مجھ کو اور حاضرین کو اِس پر عمل کرنے کی طاقت بخشے۔

شوکت علی نے اس موقع پر تقریر نہیں کی مگر ریزولیوشن کی تائید میں کھڑے ہوئے۔ وہ اس وقت چبوترہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان تقریروں کے صحیح ہونے سے انکار نہیں ہے۔ دوسرے روز بتاریخ ۱۰ ار شوکت علی ایک قصبہ جو کہ بزبان سندھی نوشہروں پر دکھلایا ہے اور ڈسٹرکٹ کانفرنس کی صدارت کی اور ایک طول طویل تقریر کی۔ علاوہ اور باتوں کے یہ بیان کیا، کہ فوج کی ملازمت حرام ہے۔

مقدمہ ہذا میں یہی اشخاص ملزمان کی حرکات ہیں جن کے ثبوت پر سرکار

ہم سے درخواست کرتی ہے کہ ہم سازش کا بغرض اغوا سپاہ ہونا اور اشخاص ملزمان کا اس میں شریک ہونا اخذ کریں۔ مجھ کو یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کتنی ہی جائز اور باضابطہ جماعت خلافت کمیٹی ابتداءً کیوں نہ رہی ہو اور کتنی ہی جائز ایجیٹیشن جو کہ اُس نے جاری رکھے، شروع میں کیوں نہ رہی ہو، اگر اس کے ایک جُزو نے ایک خطرناک مذہبی اعلان پر بھروسہ کرنا شروع کیا اور دیکھا کہ اس کی جدّ و جُہد میں زیادہ کامیابی کی اس وقت اُمید ہے جبکہ بجائے ظاہری ایجیٹیشن کے حقیقی خطرناک ایجیٹیشن شروع کی جاوے۔

ان تقریروں کی صحت سے انکار نہیں کیا گیا۔ دوسرے روز ۱۰ ارتاریخ کو۔ شوکت علی نوشہرو فیروز گئے جو سندھ کا ایک شہر ہے اور ضلع کانفرنس کی صدارت کی، اور مختلف مسائل پر ایک طویل تقریر کی۔ دوران تقریر میں یہ بھی کہا کہ فوج میں ملازمت کرنا حرام ہے۔

مقدمہ موجودہ میں ملزمان کے یہ وہ عمل ہیں جن کے ثابت ہونے پر منجانب استغاثہ اس میں نتیجہ پر پہنچنے کے لئے استدعا کی جاتی ہے کہ افواج کو ورغلانے کی ایک سازش موجود تھی اور ملزمان اس سازش میں شریک تھے۔

ان حالات سے مجھ کو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً خلافت کمیٹی کی جماعت خواہ کیسی ہی جائز اور آئینی جماعت ہو، اس کا ایک حصّہ جلد ایک خطرناک مذہبی تبلیغ و اشاعت پر عامل ہو گیا اور اُس نے یہ معلوم کیا کہ اگر بجائے ایک غیر حقیقی جوش کے وہ ایک حقیقی خطرناک جوش شروع کرے تو اس کی کوششوں کی زیادہ کامیابی ہونے کی توقعات ہیں اور یہ کہ فوجوں کو غیر وفادار کر دینے کی دھمکی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو ہندوستانی اور انگریزی افسروں پر غالب اثر کرنے والی ہے۔ اور اس دھمکی کے استعمال کرنے کی غرض سے اُس نے فوجی ملازمت کی خدمت کے اُصول کو اعلانیہ طور پر اس نوعیت سے بیان کرنا شروع کیا کہ اس کو اس رائے کی خبریں فوجوں تک پہنچنے کا غالب گمان تھا، اور اپنی اس رائے کو مضبوط و مستحکم

کرنے کے لئے فتاویٰ اور نام نہاد علماء کی کارروائیاں حاصل کیں تاکہ اگر اس پر مذہبًا اعتراض کیا جاوے تو وہ ان اعتراضات کے جواب میں پیش کئے جاسکیں اور عوام میں ان خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ میری رائے میں اُس وقت سے تحریک خلافت خلافِ قانون ہوگئی اور جو اس میں شریک ہوئے، ممبرانِ سازش ٹھہرے۔ بلالحاظ اس امر کے کہ آیا کوئی واقعی براہِ براست، کوشش فوجوں کو ورغلانے کی کی گئی ہو۔

فوجوں کو ترک ملازمت کرنے کی استدعا بلاشبہ ایک فوجداری جُرم ہے۔ اس امر کی کوشش کرنا کہ لوگ فوج میں بھرتی نہ ہوں زیر دفعہ ۱۳۱ کوئی جرم نہیں ہے کیونکہ قانونًا ایسا کرنے پر کوئی مجبور نہیں ہے۔ لیکن کرنل گاسر کی شہادت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی سپاہی اس میعادِ ملازمت سے قبل کہ جس کے لیے وہ بھرتی ہوا ہے، مستعفی ہونیکا مجاز نہیں ہے اور اُس سے قبل ترکِ ملازمت کرنا وفاداری اور فرائضِ منصبی کے خلاف ایک عمل ہوگا۔

ملزمان کا ایسے تشدد آمیز فیصلے کرنا میرے لئے کوئی تعجب انگیز نہیں ہے۔ تم نے اُن کو عدالت میں دیکھا ہے، عدالت ماتحت میں ان کے بیانات سُنے ہیں، اور اس عدالت میں ان کی تقریریں سُنی ہیں جس سے بلاشبہ تم یہ خیال کرسکتے ہو، کہ سوائے ملزم ۶ کے جملہ ملزمان گورنمنٹ ہند اور برطانیہ سے نفرت رکھنے کے عمل کو علانیہ قابلِ فخر عمل خیال کرتے ہیں۔

بہرکیف ملزمان سازش کے موجود ہونے سے انکاری ہیں اور جب کہ میں اس سے قبل بتلاچکا ہوں۔ پھر کہتا ہوں کہ خواہ کتنے ہی سخت باغیانہ یا ناواجب اُن کے عمل اور تقریریں کیوں نہ ہوں، وہ موجودہ الزامات کے مجرم قرار نہیں پاتے، جبتک کہ سازش کا موجود ہونا ثابت نہ ہو۔

اولاً میں اس پر توجہ کرتا ہوں کہ ملزمان ریزولیوشن کے اصل حصہ کے ترجمہ کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارے ترجمہ کے لحاظ سے وہ اس طرح پر ہے ۔۔

"عام طور پر تمام مسلمانوں کا اور بالخصوص علماء کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ یہ مذہبی احکامات فوج کے ہر مسلمان تک پہنچ جائیں"۔ بہ لحاظ صحیح ترجمہ یہ اس طرح ہے کہ "مذہبی احکامات میں اس امر کی بابت" - لیکن اس سے میری رائے میں ملزمان کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچتا - ان کی تقریریں اور تمام نہاد فتاوے پر اُن کے دستخط اس امر کے خیال کرنے میں کہ مذہبی احکامات سے ان کا کیا مطلب ہے کوئی شبہ باقی نہیں رکھتے -

مسلمان ملزمان یہ بھی کہتے ہیں کہ سازش کی کوئی ضرورت واقع نہ تھی - وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ شریعتِ اسلامی کا یہ صریح حکم ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کو قتل نہ کرے موجودہ مقصد کے لحاظ سے میں اس کو تسلیم کروں گا کہ ایسا ہی ہے - نیز وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ کسی کو خلافِ شرع کرتے ہوئے دیکھے تو ایسے کرنے والے کو وہ اس کی غلطی بتادے - اس طرح ان کی دلیل یہ ہے کہ فرداً فرداً بلا پہلے کسی متفقہ مشورہ کے انہوں نے ان اصولوں کی تبلیغ کرنا شروع کی - میں اُن کے ایسے کہنے کا یقین نہیں کرتا - یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ شریعتِ محمدیؐ ہر پاک باز مسلمان پر یہ فرض کرتی ہے کہ وہ خود کو ایک چشمِ متحرک بنائے اور بجائے اپنی زندگی کی توقع کے اپنے اُن بھائی مسلمانوں کو ہمہ اوقات و زمانہ ان مذہبی بے قاعدگیوں کی بابت کہ جن کا ارتکاب اُس کی نظر سے گذرتا ہو، ویسا دیتا پھرے، اور خاموشی سے اپنے احباب کی سرزنش کرے - میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ملزمان نے متفقہ طور پر کیوں اس خاص گناہی کی (اگر یہ گناہ سمجھا جاوے) اصلاح کو منتخب کیا -

مشنری کے لئے پاک باز مسلمانوں میں ایک خاصہ میدان موجود ہے - ملزمان استنبول یا انگورہ مسلمانوں کو تنگ و دو دمن و دشمن اشخاص کے قابلِ نفرت طریقہٴ قتال سے روکنے اور ان کو ان رموز پر سرزنش کرنے کے لئے جا سکتے تھے - یا وہ حجاز میں وہاں کے حاکم کے خیال کی مطابق سلطان سے بغاوت کرنے کے فعل پر سرزنش کے لئے جا سکتے تھے - یا دُور کیوں جایئے وہ زنا، خلافِ وضعِ فطرت، شراب، ریشمی لباس کے استعمال،

موسیقی کی زیادتی، غفلت نماز و روزہ، حج جیسے مکروہ و حرام افعال کی بابت بلیغ لکھ سکتے تھے کہ جو ہندوستان میں بالکل مفقود نہیں ہیں یا اپنے خلیفہ اہلِ ہنود کو شرک اور بُت پرستی کے خطرات پر متنبہ کر سکتے تھے۔

وہ ہم سے اس کا یقین کر لینے کے لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے مذہبی حیثیت سے بِلا پہلے اجماعی مشورہ کے اس خاص عمل کو منتخب کیا ہے کہ جس کی بابت اُن کے خیال میں یہ مذہبی فرض تھا کہ وہ اس کی تبلیغ کریں۔ میرے لئے اس کا یقین کرنا مشکل امر ہے۔

نثار احمد ملزم ۵ نے اپنی معہ براوت کی تقریر میں کہا ہے کہ وہ کانفرنس کے زمانہ میں بخار میں مبتلا تھا اور ایک مختصر مگر مذہبی تقریر اُس نے اس وقت کی تھی، ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ لیکن وہ تلخ ترین تقریر ہے اور وہ اس کا خوب اندازہ لگا کر کی گئی تھی کہ اس سے حاضرینِ جلسہ پر فوج کی ملازمت کی حرمت دل نشین ہو جاوے گی نام نہاد فتوے پر اس کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ وہ نوعیتِ جوش سے بخوبی واقف تھا اور اس کی پوری تائید میں تھا، اور اپنی قابلیت پر اُس نے اُس کے اجرا میں کوشش کی۔

رہا ہندو ملزم ۲، اس کا بیان ہے کہ وہ اس ریزولیوشن کی نوعیت سے کہ جس کی تحریک کی جانے والی تھی، بالکل ناواقف تھا۔ وہ ہندوستانی زبان سے ناواقف ہونا بتلاتا ہے اور یہ امر بہت اغلب ہے۔ وہ سبجیکٹ کمیٹی کا ممبر نہیں تھا، اور وہ کانفرنس میں محض ان تجاویز کی بابت کہ جو منظور ہوں، محض اپنی حیثیت سے بِلا خیال کے کسی تجویز کی نوعیت کے، وزن بڑھانے آیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ سخت بے ہودہ اور غیر ذمّہ دار شخص ہے اور اس کے لئے وہ مستوجب سزا نہیں ہے۔ اس کی تقریریں بلاشبہ اس کو ملزم بنانے والی نہیں ہیں اور حقیقتاً وہ مضمون ایسا تھا کہ جس پر اس کو بولنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہمدردِ خلافت ہے اور خلافت والوں کے معاملہ کی تائید کرنے کے لئے اپنی سعی تبلیغ کے ساتھ تیار ہے۔ ہم کو اس کا معاملہ

نہایت غور سے اس کے حالات پر نظر کر کے طے کرنا چاہیئے۔
عبدالغنی گواہ کا بیان ہے کہ مرکزی خلافت کمیٹی کے ذریعہ فتاوے کا حاصل کرنا اور ان کا اشاعت کرنا اس کی اپنی ذمہ داری پر ہوا، اور اس کے اس عمل کا ملزمان میں سے کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ ایسا خیال کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے جب تک کہ یہ نہ ہو کہ خلافت کمیٹی کے دفتر کا طریقِ کار غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے لیکن ایسا ہونا ممکنات سے ہے۔ اس پر بھی ملزمان کو اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ میری رائے میں فتوے کا اور اُس کی اشاعت عام مقاصد کی اشاعت کی ایک سازش کی دوسری شاخ ہے اور ملزم اگر اس حصول کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے، تب بھی وہ ایسا کئے جانے کے ذمہ دار تھے۔

میرے خیال میں کُل شہادت اور دلائل موافق و مخالف سب پر
بہ نظر جملہ حالات میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ افواج کو ورغلانے کی ایک سازش موجود تھی، اور ملزمان میں سے چند ایک اس سازش کے ممبر تھے۔ لیکن یہ صرف میری رائے ہے، تم کو اپنی رائے بلا کوئی لحاظ کئے میری رائے کے، قائم کرنا چاہیئے۔ دیگر امر افواج کو ورغلانے کی واقعی کوشش کرنے کی بابت ہے۔ اس کے متعلق یہ معلوم ہوگا، کہ خلافت والوں کا کمی یا طے شدہ طریقہ عمل فوجوں کی راہِ راست وسیع پیمانہ پر ورغلانے کی کوشش کرنے کا نہ تھا۔ موجودہ مقاصد کے لئے بس اسی قدر پایا جانا کہ ایک قسم کا شبہ اور بے چینی اہالیانِ فوج کے دماغوں میں پیدا ہوئی، کافی ہے اور موجودہ حالات میں حرمت ملازمت فوجی کے مسئلہ کی اس طرح بالاعلان تبلیغ ہی ایک ایسا عمل تھا، کہ جس سے یہ دوستوں اور اُٹھنے بیٹھنے والوں کے ذریعہ اہالیانِ فوجی تک پہنچتا۔ یہ امر ہمارے سامنے ہے کہ یہ اصول بالاعلان کراچی اور پونا میں تبلیغ کئے گئے کہ جو بڑے فوجی مرکز ہیں، اور یہی فی الجملہ رہبردانِ تحریک کے لئے کافی تھا۔

محض اِس قدر ثبوت فوج کے ورغلانے کی کوشش کے الزام کے لئے کافی نہ ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اس امر کی بھی شہادت موجود ہے کہ مختلف رجمنٹوں کے

مسلمان افسروں کے نام ایسے اشتہارات بھیجے گئے اور اشاعت کئے گئے کہ جن میں اس مسئلہ کی تبلیغ درج تھی۔ ان اشتہارات میں تجویزیہ کانفرنس کا کوئی حوالہ نہ تھا۔ (لیکن شاید اس سے ایسا اخذ کیا جاسکتا تھا) لیکن یہ فتاوے نام نہاد علماء کے خلاصہ کے طور پر تھے۔ اس میں آیات قرآنی لکھی ہیں۔ دو فاش غلطیاں زبان عربی کی تھیں اور اس لئے یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ملزمان میں سے کسی نے بھی اس کو مکمل طباعت سے پہلے نہ دیکھا ہو۔ اس کی مشتہری سے ملزمان کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا مگر ملزمان کے جاری کردہ طریقہ عمل کے کسی ہمدرد کا یہ فعل تھا اور اگر یہ شخص ممبر سازش تھا تب ملزمان واقعی فوجوں کے ورغلانے کی کوشش کے مجرم ہوئے، خواہ ان کو کسی طرح اس کا یا اس کے اجراء کا علم تک نہ ہوتا۔

دوسری جانب اس نتیجہ پر پہنچنا غیر ممکن نہیں کہ یہ انگلستان کے کسی دشمن نے شائع کیا ہو جو سازش کا مجرم نہ ہو، اور جو غالباً ہندو ہو۔ اس حالت میں ملزمان پر فوجوں کے ورغلانے کی کوشش کا الزام عائد نہیں ہوتا۔

اب وہ معاملہ جو تمہارے سامنے بحیثیت جیوری کے ہے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ اور اب میں ان الزامات پر آتا ہوں کہ جن کی بابت آپ کی رائے بحیثیت اسیسر لینا ہے۔ ان معاملات میں میری رائے محض عارضی ہے اور تمہاری رائے کے دیئے جانے پر میں مزید غور کروں گا۔ ملزم نمبر ا پر یہ الزام ہے کہ خلافت کانفرنس میں اس نے یہ بیان کیا کہ "ہر نوع سے ایک مسلمان کے لئے مذہباً برطانیہ کی فوج میں رہنا حرام ہے" اور اس کے علم میں یہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ احتمال ہے۔ مسلمان افسران فوج وسپاہی اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہیں گے۔ یہ الزام بر زیر دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند ہے۔

ملزم ایسا بیان کرنا تسلیم کرتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ مذہباً راست ہے ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن یہ امر اس کو اس الزام سے بری نہیں کرتا۔ اگر اس کا یہ عندیہ تھا کہ اس کا ایسا بیان کرنا مسلمان سپاہیوں کے اپنے فرائض کے انجام

دینے سے باز رکھتا۔ اس قسم کے عندیہ نہ ہونے کی صورت میں البتہ کوئی درست بیان کو جو فوج پر ایسا اثر رکھے، قابلِ معافی ہو سکتا ہے۔

فرض کرو کہ گورنمنٹ مغربی افریقہ جیسے مضرِ صحت مقام پر فوجوں کو بھیج رہی ہو اور کسی پیٹنٹ دوا کا مالک جملہ افسرانِ فوج کو جو اُس مہم پر جا رہے ہوں ایک خط لکھے اور نہایت واضح طور پر وہاں کے موسم کے خطرات کو رنگ آمیزی کے ساتھ تحریر کرے اور بتلائے کہ زندہ رہنے کی صرف یہ شکل ہے کہ وہ اپنے جسم کو پاٹس پیٹنٹ ملوس کے روزانہ استعمال سے محفوظ کرے۔ تو قانون یہ کہتا ہے کہ وہ الزام زیر دفعہ ۵۰۵ کا مجرم نہیں ہے۔ کیونکہ موسم کی بابت اس کا بیان درست ہے۔ اور گو فوج میں خوف پیدا کرتا ہے اور مہم پر جانے میں تذبذب پھیلاتا ہے لیکن اس کا مقصد ان پر ایسا اثر پیدا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر وہ ایسا کرتا ہے۔

لیکن فرض کیجئے کہ ایک عیار جوشش دلانے والا اُس اشتہار کو پاکر دوبارہ چھپواتا ہے اور وہ ہر سپاہی کو جو جانے والا ہے، اُس کو بھیجتا ہے اور لکھتا ہے کہ "تم دیکھو، فلاں بڑا مستند ڈاکٹر اُس مقام کی بابت جہاں سرکار تم کو بھیج رہی ہے ایسا ایسا کہتا ہے"، اس امید میں کہ فوجیں یا تو جائیں گی نہیں، یا دل گرفتہ ہو جائیں گی۔ ایسی حالت میں قانون کا منشاء ہے کہ وہ مجرم ہے کیونکہ اُس کا عندیہ بُرا ہے۔ اس موقع پر یہ سوال نہ ہوگا کہ آیا محمد علی اپنے بیان کو راست سمجھتا تھا۔ بلکہ یہ ہوگا کہ آیا اُس نے سچی خواہش اس بات کی کی کہ اُس کے مسلمان بھائی تلافیٔ مافات کریں، یا اس مقصد سے کہا کہ وہ بغاوت کریں اور ترکِ ملازمت کریں۔ وہ خود اس امر پر کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتا۔ اس کو افسوس صرف یہ ہے کہ فوجوں میں ابھی یہ بات پیدا نہیں ہوئی، اور ابھی ۱۸۵۷ء جیسا غدر کا کوئی موقع نہیں ہے۔

مجھ کو اوّل اوّل اس میں شبہ تھا کہ آیا کسی شخص کی رائے کا اظہار دفعہ ۵۰۵

کے زیر تحت آبھی سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ مشتہر کرے کہ "مسٹر اسمتھ کی یہ رائے ہے کہ سپاہی گناہ گار لوگ ہیں" ۔ تو یہ بیان زیر تحت دفعہ ۵۰۵ نہیں ہوگا، کیونکہ مسٹر اسمتھ ایک غیر معروف آدمی کے بیان پر شاید ہی کوئی سپاہی توجہ کرے۔ لیکن میرا اب یہ خیال ہے کہ محمد علی بہ حیثیت صدر خلافت کانفرنس کے ایک ایسی کافی اثر رکھنے والی ذات ہے کہ اُس کی رائے کا عام مسلمانوں پر ایک اثر مترتب ہووے

دیگر ملزمان پر ملزم نمبرا کے ساتھ سازش میں شریک ہو کر اُسی جرم کے ارتکاب کرنے کا الزام ہے۔ یہ سازش اُس حد تک وسیع پیمانہ پر نہیں ہے جس کا حوالہ ماقبل کے الزام میں دیا گیا ہے۔ اگر دیگر ملزمان یا اُن میں سے کوئی ملزم محمد علی کے ساتھ اس پر رضامند ہووے کہ ایسی رائے شائع کی جانی چاہیئے اور عندیہ مجرمانہ موجود ہو تو وہ صاف طور پر سازشی ہیں، اس کے شریک ہونے کے الزام کے مجرم ہیں۔ جملہ ملزمان کراچی میں موجود تھے اور معاملۂ زیر بحث پر محمد علی سے گفتگو کے موقعے حاصل رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے ارشادات اور تقاریر سے یہ ظاہر کیا کہ وہ اُس کی اس رائے کے موئد ہیں۔ اس لئے یہ کوئی بعید نتیجہ اخذ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اُس کے اِس امر میں شریک تھے کہ وہ ایسی رائے ظاہر کرے، اور وہ اُس کی تائید کریں۔

دوسرا الزام محمد علی پر جرم زیر دفعہ ۵۰۵ یا ۱۳۱ کا عوام کے ساتھ تائید کرنے کا ہے۔ یہ جرم میں بہ سلسلہ اس ریزولیوشن کے ہے کہ جو اُس نے کراچی کے جلسہ میں پیش کیا تھا۔ اور وہ ریزولیوشن عام مسلمانوں پر اور بالخصوص علماء پر یہ لازم کرتا ہے کہ اُن کا فرض ہے کہ وہ اُس کو فوجوں تک پہنچائیں۔ میں نے اپنی عارضی رائے اس کی بابت ظاہر کردی ہے کہ اُس کا ثبات زیر دفعہ ۵۰۵ آتا ہے، اور اُس کا اثر ایسا مترتب ہوتا ہے کہ جو زیر دفعہ ۱۳۱ قابل سزا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اُس مجمع میں دس سے کہیں زائد تھی اور یہ ریزولیوشن عوام میں شائع کئے جانے کے لئے تھا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ یہ اُس جرم کی حد تک پہنچتا ہے کہ جس سے ملزم نے دس سے زائد

آدمیوں کے ساتھ ان جرموں کے ارتکاب کی کہ جو زیر دفعہ ۱۱۷ تعزیراتِ ہند مستوجبِ سزا ہیں، تائید کا جرم کیا۔ اسی طرح چونکہ دیگر ملزمان نے ملزم نمبر ا کے ساتھ اس معاملہ میں اپنی رضا ظاہر کی کہ ملزم نمبر ا اِس جرم کا ارتکاب کرے اور عام مسلمانوں کو، اور علما کو ترغیب دے کہ وہ ان بیانات کو شائع کریں اور بلحاظ ان امور کے اُس مجرمانہ سازش کے ساتھ کوشش کرے، تو وہ بھی جرم کی تائید کرنے کے مجرم ہوئے۔

اب حضرات میں یہ تکلیف دہ کام ختم کر چکا۔ لیکن میرے خیال میں ایک بار اور یہ کہوں کہ میں یہ کہہ چکا ہوں کہ آپ ملزمان کے موافق یا مخالف تعصبات کو جن کا اظہار مجھ سے ہوا ہے اپنے ذہن سے نکال دیں گے اور بلا خوف اپنے فرض کو انجام دیں گے۔

میں نے آپ کو بتلایا ہے کہ مقدمہ موجودہ میں مذہبی سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ملزمان نے قانونِ ملکی کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ قانونِ ملکی کے رو سے مستوجبِ سزا ہیں۔ اور یہ امر ہمارے لئے بے اثر ہے کہ آیا وہ مذہبی خیالات کی بناء پر ایسا عمل کر رہے تھے۔ میں آپ کو اس کے وجوہات کہ مذہبی مسائل پر ان کے خیالات غلطی پر ہیں، دے چکا ہوں۔ لیکن میں اس سے بھی متنبہ کر چکا ہوں کہ مجھے اُس پر رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اور آپ سے سفارش کی تھی کہ آپ اُن کو صحیح خیال کر لیں۔

میں نے بعد ازاں یہ بھی کہا تھا کہ ایک خلاف قانون کام کے ارتکاب کرنے کا دو ۲ یا دو ۲ سے زائد آدمیوں کا سمجھوتہ خود ایک خلافِ قانون عمل ہے (یعنی سازش) خواہ ایسے سمجھوتہ کے سلسلہ میں کوئی عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ میری رائے میں ایک خلافِ قانون سازش موجود تھی جس کے ملزمان میں سے چند ملزم ممبر تھے اور جس کا ایک مقصد سپاہیوں کو ورغلانے کا تھا۔ میں نے موافق و مخالف شہادت اور نیز ملزمان کے دلائل پیش کر دیئے اور اس امر پر آپ سے التجا کی کہ آپ اپنی رائے قائم کریں۔ میری رائے کی کوئی پابندی آپ پر نہیں ہے۔ خاص طور پر بابت ملزم نمبر ۶۔

پھر میں نے دیگر واقعات پر تبصرہ کیا کہ آیا کوئی واقعی کوشش فوجوں کو

دلانے کی محض ممبران سازش نے سازش کے اجرا کے سلسلہ میں کی یا نہیں اور اس معاملہ پر میں نے اپنے شبہات بھی ظاہر کئے اور معاملہ کو آپ کی تحریر پر چھوڑ دیا۔

اب آپ اپنے فیصلہ کے لئے غور کیجئے اور بتلائیے کہ آیا ملزمان یا اُن میں سے کوئی ملزم زیر دفعہ ۱۳۱ کے علاوہ اُن الزامات کے کہ جن کا فہرست الزامات کے مد چھ ۶ میں حوالہ دیا گیا ہے، مجرم ہیں یا نہیں۔

اس وقت فرداً فرداً آپ کو اپنی رائے بہ حیثیت اسیسر اُن الزامات پر جو بلاشبہ آپ کے دماغ میں تازہ ہیں اور جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں، معلوم ہوئی، دینا ہوگی۔

دستخط

بی۔ سی کینیڈی

جوڈیشل کمشنر سندھ۔

ایکزیبٹ نمبر ۱۱۸

باجلاس جوڈیشل کمشنر صاحب سندھ

مقدمہ نمبر ۳۳، سنہ ۱۹۲۱

سرکار انگلیشیہ بنام محمد علی وغیرہ

فیصلہ

دفعات ۱۲۰ ب اور ۱۳۱ تعزیرات ہند کے الزامات کے متعلق میں جیوری کی رائے کو تسلیم کرتا ہوں۔ دوسرے الزامات کے متعلق میں نے اسیسرس کی رائے پر غور کیا ہے۔ مجھے اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق ہے کہ ملزم نمبر ا محمد علی نے ۹ جنوری سنہ ۱۹۲۱ کو کراچی میں جو تقریر کی ہے، وہ ان مسلمان افسروں اور سپاہیوں کو جو برٹش گورنمنٹ کی افواج میں ہیں، اپنے فرائضِ منصبی کے ادا کرنے یا پرواہ نہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور ملزم مذکور نے تقریر مذکور بالقصد کی ہے۔ تقریر کی صداقت زیر بحث نہیں۔ میں واقعات مذکورہ کی بنا پر ملزم مذکور کو دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کے جرم کا مرتکب پاتا ہوں۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میں دوسرے ملزموں کو باستثناء ملزم نمبر ۶، محمد علی کا معاون سمجھتا ہوں۔ انہوں نے ایسی تقریر کرنے میں جس کا نتیجہ برٹش گورنمنٹ کے فوجی مسلمان افسروں اور سپاہیوں کی اطاعت میں فتنہ پیدا کرتا ہو، محمد علی کی ہم نوائی کی۔ اور محمد علی نے بہ نیت مذکورہ تقریر کی۔

ملزم نمبر ۶ کی نسبت اسیسرس کی رائے دریافت کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اُس کی اعانت میں شک کی کافی گنجائش ہے۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میری رائے ہے کہ ملزم نمبر ۱ محمد علی نے اسی وقت اسی جگہ اور اسی طریقہ سے اُس جرم کی اعانت کی ہے، جو زیر دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند قابلِ پاداش ہے۔ کیونکہ اس نے تقریر کو خصوصیت کے ساتھ پبلک کے سامنے جو اس وقت موجود تھی پیش کیا اور استدعا کی کہ وہ ہر فوجی مسلمان کو بخوبی آگاہ کر دیں۔ پس میرا خیال ہے کہ وہ دفعہ ۵۰۵ اور ۱۳۱ کے ساتھ ساتھ دفعہ ۱۱۷ کا بھی مجرم ہے۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میری رائے میں دیگر ملزموں نے بھی باستثنا، ملزم نمبر ۶، محمد علی کے جرم کے ارتکاب کی کیونکہ انہوں نے محمد علی کی رائے سے اتفاق کیا کہ ایسی تقریر کی جائے، اور محمد علی نے دانستہ ایسی تقریر کی۔ جس کو عوام فوجی ملازمین تک پہنچا دیں۔

سزا

(ملزم نمبر ۶ کے لئے) عدالت تمہارے بیان کو تسلیم کرتی ہے۔ جیوری اور اسیسرس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے تمہاری رہائی اور بریت کا حکم دیتی ہے۔

(باقی ملزمین کے لئے) جیوری کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میں تمہیں دفعہ ۱۲۰ اب اور ۱۳۱ کا مجرم نہیں پاتا۔ اس لئے ان دفعات کی تحت میں تمہاری رہائی اور بریت کا حکم دیتا ہوں۔

ملزم نمبر ۱: میں تمہیں دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کا مجرم پاتا ہوں اور دو [2] برس قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔

ملزم نمبر ۲-۳-۴-۵ اور ۷ کو میں اعانت کا مجرم سمجھتا ہوں۔ اس لئے بدفعات ۱۰۹ اور ۵۰۵ تعزیرات ہند دو سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔

ملزم نمبر۱، میں تمہیں دفعہ ۱۱۷ کا بھی مجرم پاتا ہوں اور ملزمین نمبر۲-۳-۴-۵-۷ تمہیں ملزم نمبر۱ کے ساتھ دفعات ۱۰۹-۱۱۷-۵۰۵ اور ۱۳۱ کا معاون سمجھتا ہوں اور تمہیں دو سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے۔

ان سزاؤں کی ابتدا بیک وقت ہوگی۔

دستخط

بی۔سی کینڈی

جوڈیشل کمشنر۔ یکم نومبر ۱۹۲۱ء

نوٹ: اس فیصلہ کے ساتھ جیوری کے سامنے جو واقعات پیش کئے گئے ہیں پڑھنا چاہیئے اور الزامات کی نقل بھی اس فیصلہ میں شامل سمجھنا چاہیئے۔

دستخط

بی۔سی۔کینڈی

۴ نومبر ۱۹۲۱ء

تمت

محاکمہ جوہر بر خطاب سیشن جج

ضمیمہ "الف"

مقدمہ سیشن نمبر ۳۳ سنہ ۱۹۲۱ء شہنشاہِ معظم بنام محمد علی و دیگران میں جوڈیشل کمشنر سندھ کے ہدایت نامہ ثالثی پر ایک مکمل "یادداشت"

○

جوڈیشل کمشنر سندھ نے جو ہدایت نامہ ہمارے مقدمہ میں جیوری کے حضور میں پیش کیا ہے وہ ایک خاصی طول طویل تحریر ہے۔ یہ فُلسکیپ کاغذ کے اٹھائیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ تقریباً تیرہ ہزار الفاظ کا مجموعہ ہے جو گنجان سطروں میں ٹائپ کئے گئے ہیں۔ بعض مواقع پر یہ تحریر ایک اراضی بائرہ (غیر مزروعہ) کی مانند ہے جس میں قانونی ہل کا ایک دھندلا سا نشان بھی نہیں ہے اگرچہ یہ تحریر نہ تو صحیح طور سے قانونی ہے اور نہ بالکل آئینی و منصفانہ کہی جاسکتی ہے پھر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ تقریباً پانچ صفحے ان واقعاتِ مختلفہ کی ابتدائی بحث پر صرف کئے گئے ہیں، جو عدالت سیشن اور عدالت مجسٹریٹ سپردکنندہ کی ناقابلِ انکار بدنظمیوں کے عدمِ اثبات پر مشتمل ہیں۔ خصوصاً وہ واقعات جو ترکی اور یونانی نقطہ خیال سے سلطنتِ عثمانیہ کی موجودہ حالت سے وابستہ ہیں۔ انہی واقعات میں موالات کی قصیدہ خوانی اور ترکِ موالات کی ہجو مذموم بھی شامل ہے۔ یہ ہجو مذموم تو ایک برطانوی کا

منتہائے خیال ہے جس نے موالات کو بے دردی کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا جبکہ غریب ہندوستان اس کی نذر لے کر بڑھا تھا۔ لیکن آج جب کہ دستِ موالات کوتاہ کر لیا گیا ہے تو ایک بھوکے کی طرح اُس کی تمنا کرتا ہے۔ یہ ہیں وہ مضامین خصوصی جو ان صفحات پر ثبت کئے گئے ہیں۔ تقریباً ایک ہفت صفحہ اُن تشریحات کیلئے وقف کیا گیا ہے جو دفعہ سازش مجرمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پانچ صفحے ان مختلف الاقسام شہادتوں پر صرف کئے گئے ہیں جو ثبوتِ سازش میں پیش کی گئی تھیں اور وہ شہادتیں جواب زینتِ مسل ہیں۔ تقریباً دو سے کچھ زیادہ صفحے جج صاحب کے ان مفروضہ تخیلات کے حصہ میں آئے ہیں جو ہنگامہ خلافت کی بنا اور اس کی سریع القدم ترقی سے وابستہ ہیں۔ یہ مفروضہ تخیلات جج صاحب کے خود ساختہ توہم سے زیادہ توکسی اور شے پر مبنی نہیں ہیں، جو اُس شہادت کی شعلہ یک نفس سے بھی سبک دوش پردہ داری نہ ہو سکے، جو واقعاتِ اصلی کی بنا پر قابلِ سماعت ہو بھی سکتی تھیں اور نہ بھی ہو سکتی تھیں، جس کو مجہول العقل پیروکار سرکاری پیش کر سکتا تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ شہادتیں گوش گذارِ عدالت کی ہی نہیں گئیں۔ ایک مکمل صفحہ اُس بحث پر صرف کیا گیا ہے جس کی بنا وہ قانونِ شہادت ہے جس کی تائید سے فوجوں کو ورغلانا اور بہکانا اعلانات و اشتہارات کے ذرائع اختیار کر کے ثابت ہو جائے۔ دو صفحے ان الزامات کی قانونی شہادت پر سیاہ کئے گئے ہیں جو دفعات ۵۰۵ و ۱۱۷ کی رُو سے میرے اُوپر لگائے گئے تھے۔ ان میں ان الزامات کی اعانت اور ترغیب بھی شامل ہے جو جرم کی صورت میں زیر دفعہ ۱۰۹، دوسرے ساتھیوں کے سر تھوپی گئی ہے۔ دستاویز شرائط و شہادت کے لئے دو سہرے صفحہ پر قبضہ لے جا گیا ہے۔ علاوہ ان کے دو صفحے اُس توضیح و تشریح کے ممنون ہیں جو ملزموں نے اپنے اعمال و افعال کو واضح کرتے ہوئے پیش کی تھی جس میں سے کچھ حصہ جناب جج صاحب کی مخالفانہ حاشیہ حاشیہ بندی کے حصہ میں آیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں جج صاحب سے تحمل تو کیا کہا جائے ہاں کم ظرفی کا قصور سرزد نہیں ہوا ہے بلکہ برخلاف اس کے فضائے قرطاس کا

فیاضانہ استعمال کیا گیا ہے تو ہماری طرف سے جو احکاماتِ مذہبی کی بنا پر عذرات پیش کئے گئے تھے اُس پر جناب جج صاحب استدلال فرماتے ہوئے اطمینانِ دلی کے ساتھ مورخانہ اور فقیہانہ تنبیہات میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اس جگہ فاضل جج نے ایک مسرف افسر اوقاف کی طرح ناکام تاریخ اور بدترین فقہ کا ارمغان تقسیم کیا ہے جس میں علمائے اسلام اور مبلغینِ دینِ متین کو بھی محرومِ کرم نہیں فرمایا ہے، اور نہ اُن کے اُن اعلاناتِ شرعی کو جو تبلیغی کوشش میں بجا طور پر اُن سے صادر ہوئے تھے، اور جو اعلانات مسلمان سپاہیوں کو ورغلانے کی کوشش سے بالکل مختلف تھے جس کو جناب جج صاحب ایک ضدی شوریدہ سر کا اگر نہیں تو خدائی فوج دار کا فعل ضرور تسلیم کرتے ہیں۔

کسی اور جگہ میں نے اُس ہدایت نامہ ثالثان پر جو ہمارے مقدمہ میں مختلف دفعات کی منشا کو ظاہر فرمانے کے لئے جیوری کے سامنے جج صاحب نے پیش کیا ہے کافی بحث کی ہے کہ وہ کس قدر قلیل البضاعت اور سبک معنی ہے۔ چونکہ عدالت پناہ فاضل جج الزام سازشِ مجرمانہ پر ثالثوں کی رائے حاصل کرنے کی گرما گرم کوشش میں بے طرح ناکامیاب ہوئے ہیں، اور حقیقت میں کوئی عقلمند جیوری ایسا فیصلہ دے ہی نہیں سکتی تھی جو ہمارے جرم سازش کو زیر دفعہ ۱۳۱ برقرار رکھے اور خاص کر وہ سازش جو فوجی سپاہیوں کے اغوا سے وابستہ ہو۔ اس لئے میں نہایت اطمینان کے ساتھ اس مضمون کو یہیں چھوڑتا ہوں کیونکہ جج صاحب کی ناانصافی اور جیوری کو بہکانے کی کوشش تو طشت از بام ہو چکی ہے۔

ہنگامہ خلافت اُس کی بنا اور ترقی پر جج صاحب نے جو قانونی دائرہ سے متجاوز مہمل بیانی فرمائی ہے ایک مفصل تنقید کی محتاج ہے۔ لیکن سب سے زیادہ جو قابلِ تنقید و تبصرہ بات ہے وہ جج صاحب کی وہ غیر عدالتی ہرزہ سرائی ہے، جو اسلامی تاریخ کی بابت جناب نے فرمائی ہے اور ان کی وہ شخصی غیر آئینی اور لغو تنقیحات ہیں جو آپ نے اسلامی فقہ کی نسبت تاریخِ اسلام کی بد ہیئت روایات

سے اخذ کی ہیں۔ ان سب کے علاوہ میں آخر میں اُن اعلانات شاہی سے چشم پوشی نہیں کر سکتا جو نہایت بے دردی کے ساتھ چاک کر دیئے گئے ہیں، اور نہ عہدِ جدید کے اس آخر ترین اصول سے کہ "قانون سرزمین مجرمانِ مذہبی کے لئے کوئی حفاظت مہیّا نہیں کرتا اور نہ شہنشاہ کی ایسی رعایا کے لئے جو واضعینِ قانون کے مجوزہ ایکٹ میں جو کچھ ثبت ہے اس کے علاوہ کسی اور قانون کی پابندی کرتا ہو" میرا دل جج صاحب کی اس بے مائیگی پر پگھل گیا۔ میرا قلب جذبۂ عفو کو محسوس کر سکتا ہے اگرچہ وہ مجھے سزائے موت بھی تجویز کر دے۔ کیونکہ ایک شخص یا اس کے سات ساتھیوں کی موت ہی کیلیے چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، اگر وہ اس عظیم مغالطہ کو رفع کر دے کہ "حکومتِ ہند عوام کے مذہب کی نگہداشت کرتی ہے اور وہ ایسے ہندوستانی کو کبھی سزا نہ دے گی، جو صرف اپنے مذہب کے حکم کا عامل ہو"۔

یہی مضمون میں اپنی اوّلین بحث کے لئے منتخب کرتا ہوں اور قارئینِ کرام کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے جج صاحب ہی نے اس خدائی مہابھارت میں گولی چلائی۔ مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ "میں کیا اس کا مدعی نہیں ہوں کہ ملکی قانون ایسے ہندو کو سزا نہ دے جو انسانی قربانی کا مرتکب ہوا ہو، صرف اس عذر پر کہ اس کی قوم اس کو جائز سمجھتی ہے"۔ جناب جج صاحب اس پر مزید توضیح یوں فرماتے ہیں اور ایک سوال قائم کر کے مجھ سے خطاب کیا جاتا ہے "کیا میں چور کے ہاتھ قطع نہ کر دوں گا کیونکہ تعزیراتِ اسلام میں سرقہ کی یہی سزا ہے"۔ اس کا جواب تو میں نے اُسی وقت اور اُسی جگہ دے دیا تھا کہ سارق کے ہاتھ کاٹنا یا زانی اور زانیہ کو رجم کرنا ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کو اسلام کسی مسلم فرد یا غیر مسلم حکومتوں پر عائد نہیں کرتا بلکہ صرف اسلامی حکومتوں پر۔ پیرو کار سرکاری نے اس رہبری عطا کہ وہ سے کافی فائدہ اُٹھایا۔ اُس نے بہت سے ہندوستانی فرقوں اور مذاہب کی طرف اشارہ کیا جو ہمیشہ صرف اس بات پر لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں کہ کونسا فعل درست اور کونسا نادرست ہے پیرو کار سرکاری نے ایک منصف مگر جلد باز غیر جانب دار شخصیت کی طرح جو دوامی

خاندانی تنازعوں سے دق ہو گیا ہو، اور بے اختیار چلا اٹھا ہو تم دونوں خاندانوں کو موت آئے"۔ یہ خیال کیا کہ فرقہ بندی کے محاربوں سے بہتر چھٹکارا اسی میں ہے کہ وہ سب فرقوں کو مذموم ٹھہرا دے لیکن حسنِ ظن کی بناء پر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس علامہ قانونی نے صرف مخالف فریق کے جذباتِ حقارت برانگیختہ کرنے کے لئے اپنے سوالات قائم کردہ میں مزید اضافہ فرمایا اور یہ کہہ کہ مجھ سے اپیل کیا گیا کہ میں "غالباً سب سے پہلا شخص ہوں گا قانونی حفاظت تلاش کرنے کے لئے اگر کوئی غیر مسلم میری مسجد منہدم کرے یا کسی دیوتا کی بھینٹ کے لئے میرے بچہ کی قربانی طلب کرے۔ ہدایت نامہ ثالثان میں نصفت پناہ کمشنر سندھ غریب ہندوستان کے فریق اور مذاہب کو ذیل کے الفاظ سے مجرم بناتے ہیں "اس سلطنت میں اس قدر فریق اور مذاہب ہیں کہ مشکل سے ایک جرم بھی ایسا نکلے گا جس کو کوئی نہ کوئی فرد مذہبی رنگ میں نہ کرتا ہو۔

میں نے مکرر سہ کرر صاحبانِ جیوری کو واضح کر دیا تھا کہ امر بحث طلب یہ نہیں ہے کہ وہ کونسا جرم ہے جس کا ارتکاب کوئی نہ کوئی ہندوستانی مذہبی رنگ میں نہیں کرتا، بلکہ یہ کہ وہ کونسا فعل ہے جس کے عمل کے لئے اس کا مذہب صاف صاف حکم دیتا ہے۔ افراد کے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچایا جائے یہی منشا تعزیراتِ ہند کا ہے۔ ایسی حالت میں اور اس قانون کے ہوتے ہوئے انفرادی بدعت، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ایسی شے نہیں ہو سکتی جو مجرمانہ قصور کی سزا پر حسب منشاء قانون بطور عذر بے گناہی کے پیش کی جا سکے۔ امر واقعی زیرِ بحث انفرادی اختیاری جذبات نہیں ہیں بلکہ وہ مذہبی احکام جن کا ہر فرد محکوم ہے، اور جس کو ہر مذہب نے خدائی حکم سمجھ کر تسلیم کر لیا ہو۔ یہ کہا گیا ہے کہ میں اپنے اثباتِ حق پر مصر تھا اور قانون نے بھی مجھے علی الترتیب یہ منصب عطا کیا ہے کہ میں اُس بیان کو مذہبی ثابت کر دوں جس پر میں ۵۰۵ کا مجرم بنا ہوں اور جس کے اثباتِ صداقت میں میرے پاس کافی مدلل اسباب موجود ہیں۔ ملکی قانون

مجھے اس کے کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ میں صرف انفرادی حیثیت میں یقین رکھتا ہوں اسی کو ثابت نہ کروں گا بلکہ اُس ٹھوس بنیاد کو بھی جس پر میرے یقین کی عمارت بنی ہے یعنی وہ مدلّل اسباب جس کی رو سے میں اپنے یقین کو حق و صادق سمجھتا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے کہا تھا "فرض کرو میں زنا کے الزام میں ماخوذ ہوں جس پر میری جواب دہی یہ ہے کہ میرا مذہب مجھ کو حکم دیتا ہے، تم (جج) اُسے ہرگز تسلیم نہ کرو گے بلکہ اس بات کا ثبوت طلب کیا جائے گا کہ یہ امر واقعی ہے یعنی حکم مذہبی ہے پیشتر اس کے کہ عدالت اس عذر پر غور کرے"۔ میں اب بھی اس پر قائم ہوں۔ اس لئے ہماری جواب دہی کہ یہ مذہبی حکم ہے یہ تردید نہیں کہ کوئی جرم ایسا نہیں ہے جس کو کوئی نہ کوئی خود مذہب کے رنگ میں نہ کرتا ہو"۔ اگر جوڈیشل کمشنر سندھ کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستانی ایسے محروم الاخلاق اور ذمیم الاعتقاد ہیں کہ وہ مذہب جس پر ان کا ایمان ہے اور جس کا سرچشمہ وہ خدائے قدوس کو سمجھتے ہیں، حقیقت میں ایسے جرائم کے ارتکاب کا حکم دیتا ہے تو لاریب یہ بے مغز تنک گفتار اور تذلیل آفریں کمشنر ایک ایسی بے مثل توہینِ قومی کا مرتکب ہوا ہے جو اب تک کسی عدالت میں یا باہر وقوع پذیر نہ ہوئی تھی۔

دوسروں کے حقوق کی نسبت کہ وہ قانون محافظت اور نگہداشت کے مستحق ہیں اور جوڈیشل کمشنر کی غیر عدالتی اظہار رائے کی نسبت جو ہدایت نامہ ثالثان میں کیا گیا ہے اور جس کو جیوری نے مشکل سے اس اصول حق آسائش کے مطابق کہ "اپنی جائداد کا اس طرح استعمال کرو کہ دوسروں کی جائداد کو نقصان نہ پہنچے" سمجھ لیا ہو۔ میں نے پیرو کار سرکاری کو جواب دیتے ہوئے پہلے کہہ دیا تھا، کہ کوئی مذہب سوائے اپنے مقلد کے کسی اور پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتا اگرچہ وہ اپنے پیرو کے بچہ کی قربانی طلب بھی کرتا ہو۔ لیکن یقینی طور سے ایسا تو کبھی نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے کہ کسی غیر شخص کا بچہ کسی دوسرے مذہب کے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قربان گاہ پر چڑھایا جائے۔ بہر حال ہم نے قاتلوں کے لئے کبھی مذہبی رنگ میں

قانون کی حفاظت تلاش نہیں کی۔ ہم نے صرف ان ہستیوں کے لئے قانون کی پناہ ڈھونڈی ہے جو اپنے بھائیوں سے صرف یہ کہتے ہیں کہ "اپنے بھائیوں کی جانیں نہ لو"۔ اُن لوگوں کی مخالفت میں جنہوں نے اپنے بھائیوں کی جانیں لی ہیں اور ان کی قربانیاں نذر چڑھائی ہیں صرف اس لئے کہ اپنے جوع الارض اور ہوا و حرص کے مہا دیوتا کی خوشنودی حاصل کریں۔ استبدادیتِ عامہ اور شہنشاہیت شخصی کے مہا دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ یہاں ایک برطانوی جج ہی کے ذہنِ رسا کی ضرورت تھی تاکہ اُس نہ بجھنے والی پیاس کو جو اپنے بھائیوں کے خون کے لئے بھڑک رہی تھی۔ حقوق دیگراں اور استحقاقِ شاہی کے برقعہ میں ڈھک لے جس کی حفاظت ہم نے طلب کی تھی۔ یہ عظیم المرتبہ عیاری شاہان اسٹوارٹ کے متقنن کے لئے زیبا تھی، جو بادشاہ کے ہر فعل کی چاہے وہ عدالت اسٹار چیمبر کی بھیانک ظلم رانی ہی کیوں نہ ہو بجا تائید کرے (عدالت اسٹار چیمبر عہد شاہاں اسٹورٹ میں عدالت فوجداری کے کام کرتی تھی اور بلا توسط جیوری کے احکام صادر کرتی تھی۔ اس میں ہر قسم کی کارروائی بغیر شہادت کے ہو سکتی تھی جس کی بنا کوئی بے بنیاد افواہ ہی کیوں نہ ہوتی اقبالِ جرم کیلئے مختلف قسم کے مظالم توڑے جاتے۔ لیکن عہدِ جیمس اوّل میں ۱۶۴۱ء کے قریب موقوف کر دی گئی۔ مترجم)۔ شاید جوڈیشل کمشنر سندھ کے جسدِ خاکی میں بحری اژدہائے ہفت سر کے موجد نے پناہ حاصل کر لی ہے

اژدہائے ہفت سر۔ یہ ایک بحری جانور ہے جو اپنی خوفناک صورت اور عظیم الجثہ ہونے میں ضرب المثل ہے۔ کتاب جاب میں اس کا ذکر ہے۔ مترجم۔)

اب تو شاید وقت ہاتھوں سے نکل چکا جو ہم سے اسٹیٹ آف نیچر یا فطرتی حالت پہ ایمان رکھنے کی توقع کی جائے جس کے ہاتھ اور منہ سرخ ہیں اور جس سے ہمیں شاہی کی بدولت چھٹکارا حاصل ہوا ہے (اسٹیٹ آف نیچر اُس فطری حالتِ عریانی کو کہتے ہیں جو وقت پیدائش انسان اور حیوان کی ہوتی ہے مطلب یہ کہ اب ہندوستانی پہلے سے غلامی کی عریاں حالت میں نہیں رہ سکتے۔ مترجم) اور

ب۔ اب ہندوستانیوں کو یہ ضرورت ہے کہ وہ روزیوآن (فرانس کا ایک زبردست فلسفی اور حکیم) کے اُس متخیلہ اصولِ مقصد کی طرف رجعت کریں جس کو فطری حالت کہتے ہیں۔ جس طرح کہ اس کے ایک ہمعصر ناقد نے اُس کی کتاب "سوشل کنٹریکٹ" یا معاہدہ معاشرتی پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم کو کھینچ تان کر اتنا طویل طویل بنا دیا جائے کہ شش جہت میں حرکت کر سکیں۔ یہ بھی اگرچہ بالکل صحیح ہے کہ ایک ملکی اور معاشرتی معاہدہ اس عالم میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ لکھا ہوا نہیں ہے، جو اپنے دفعات کے تحریری اظہار میں ساکت ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ معاہدہ معاشرتی اپنی خاموشی ہی میں شاہ و رعایا کے حقوق کا تجزیہ کرتا ہے، معہ اُن تمام متناقب ذمہ داریوں اور فرائض کے جو ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں۔ برطانوی بادشاہوں کی داستانیں جو مَیں نے تاریخی تمثیلات کے ضمن میں وقتاً فوقتاً بیان کی ہیں، اس مقدمہ کے دوران میں کافی طور سے واضح کرتی ہیں کہ سب سے پہلا حلفِ اطاعت ایک بادشاہ ہی اُٹھاتا ہے تاکہ رعایا مُنہ در مُنہ کہہ سکے کہ ایک بادشاہ اپنے حقوق کا استعمال اس طریقہ میں نہیں کر سکتا کہ اُن کا اثر رعایا کے حقوق پر مخالفانہ ہو۔ ایک رعایا کا سب سے اہم حق مذہبی قانون کی فوقیت ہے اور خصوصاً جس کو حاکم یا بادشاہ نے تسلیم کر لیا ہو۔ شاہ برطانیہ کو دستور معظم اور کنٹربری کے قسیس اعظم کے سامنے قسم کھانی پڑتی ہے کہ وہ پروٹسٹنٹ یا فرقہ معقوبیہ کا عیسائی ہے اور رہے گا اور محافظِ دین و ملت کی حیثیت سے کام کرے گا۔ ملک پر نظام متقررہ کے مطابق حکومت کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ مذہب و ملت کی حفاظت اور اُس قانونی اور آئینی نظام کی نگہداشت جس کے لئے بے حد جاں فشانیاں اور خوں فشانیاں کی گئی ہیں سچے دل سے قبول کرنی پڑتی ہیں پیشتر اس کے کہ وہ شہنشاہ تسلیم کیا جائے یہ ایک بے لوث نظیر ہے جو راعی اور رعایا کے حقوق و فرائض کی توضیح کرتی ہے اور دونوں کے علی الترتیب متناقب حقوق و فرائض کی اہمیت کو ثابت کرتی ہے مورخانہ حیثیت سے یہی نظیر ہندوستانی واقعات پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ عین اُس وقت

جبکہ حکومتِ ہند ایسٹ انڈیا کمپنی سے شہنشاہیت کے تحت میں آئی اور ملکہ وکٹوریہ آنجہانی براہِ راست ایمپریس آف انڈیا کہلائیں تو انہوں نے وہ اعلان صادر فرمایا، جس کو ہم اپنی جواب دہی میں دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ صرف یہ نقل حکومت کہ وہ کمپنی کے اثر سے پاک ہو کر قیصرہ وکٹوریہ کے سایہ میں آئی (وہ کمپنی جس کے ملازموں نے ہندوستانیوں کے مذہبی عقاید کو ٹھکرا کر غدر ۵۷ء کی بلا اپنے سر لی تھی) اس بات کی کافی دلیل ہے کہ خدائی قانون کی فوقیت تسلیم کر لی گئی تھی جو قانونِ مذہبی کے عمل درآمد میں ضروری تھی۔ لیکن آج کے روز جان کمپنی کے کلارک اور محرروں کا رُوحانی وارث ایک سویلین ہے جو انہی بے پروایانہ اور فوری اعمال کی وراثت حاصل کرنا چاہتا ہے جو اُس کے بزرگوں کا شیوہ تھا۔ اور ایک عجیب بے بسی اور عجز کے پردے میں ۱۸۵۸ء کے اعلانِ خسروی کو مرتبہ علویت سے کھینچ کر پھینک دیتا ہے اور غیر مبدل ملکی قانون کی عزت افزائی کے پردے میں اپنے شخصی مستبدیانہ توہم اور تخیل کو سراہتا ہے کیونکہ قانونِ فوجداری ہر سیاسی مقدمہ میں مثل ایک شخصی شہنشاہیت کے فرمان کی طرح برتا جاتا ہے "جو ایک سویلین کی مرضی ہے وہی قانون ہے" اپنے پیش رو کی تقلید کورانہ کرتے ہوئے مثل ایک محرر کمپنی بہادر کے جو علمبردارِ قانون بنا ہوا ہے مسٹر کنیڈی جوڈیشل کمشنر سندھ نے ہزاروں خدا پرست ہستیوں کا قانون ٹھکرا کر نہ صرف چند اعلاناتِ شاہی کی توہین کی ہے بلکہ نہایت بے باکی کے ساتھ بڑی بڑی دولتوں اور سلطنتوں کو اُن کے بلند مرتبہ سے پستی میں دھکیل دیا ہے۔ اُس نے نہ صرف قیصرۂ ہند و برطانیہ کے اعلانِ خسروی کی توہین کی ہے بلکہ وارثانِ تخت و تاج کو بھی ناحق بنا دیا ہے۔ اس معنی میں تو ایک سویلین بجائے کسی شاہ یا شہنشاہ کے اپنی ذات مجمع صفات کو ہندوستان کا واحد فرمانروا سمجھتا ہے۔ ابھی اس کمینہ حقیقت کا پردہ بالکل فاش نہ ہوا تھا۔ مجھ سے یہ معلوم کر کے ذرا بھی تعجب نہ ہوا کہ کراچی میں ابھی کانپور کی یاد تازہ کرنے والے اسباب نمایاں طور سے موجود ہیں۔ پیروکار سرکار نے دستِ استفسار سے اس پردہ کو تار تار کر دیا

جس کا مخاطب میں تھا۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ میں قانونی حفاظت کا سب سے پہلا متلاشی ہوں گا اگر میرا بچہ میری آغوش سے قربانی کے واسطے چھین لیا جائے۔ یا میری عبادت گاہ کو منہدم کیا جائے۔ میں نے تو اُسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ بحیثیت ایک تارکِ موالات کے میں قانونی حفاظت کا کبھی جویا نہ ہوں گا۔ جس کی تشریح اور تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، اگرچہ اس کا مطالبہ بھی کیا جائے، اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ عذر مذہبی اس واسطے اختیار نہیں کیا گیا ہے کہ کسی عہد شکنی پر قانونی سزا و جزا سے بچ جائیں، بلکہ اس راز کو افشا کرنے کے لئے کہ قانونی عدالتیں اس بدنصیب ہندوستان کے اندر مثل گیلیو کے مذہبی احکام کی ذرا بھی پروا نہیں کرتیں۔ انہدامِ مسجد کے سوال نے ایک تلمیح اور بھی واضح کر دی۔ میرے دماغ میں اسوقت مرحوم بے قصور مسجد کی یاد تازہ ہو گئی جو قانونِ ملکی کی حفاظت میں نذرِ خاک کر دی گئی تھی اس انہدامِ عبادت گاہ کی علمبرداری ایک سویلین حاکم، اس کے ماتحت افسران اور بہادر مسلح پولیس کے حصہ میں آئی تھی جس کی تائید و ترغیب پر ملک کے اُس سرباز گروہ کا دستہ بھی تھا جن کو سپاہِ ملکی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس محشرستانِ ستم میں قادر و خالق کی بنائی ہوئی متحرک تصویروں کے استخوانِ شکستہ سے جو بچوں اور بڈھوں کی شکل میں اس سجدہ گاہ مومنین کی حفاظت کے لئے سربکف تھے، خاکسترِ مسجد کی بربادی میں اضافہ کر دیا تھا۔ نہیں محمد علی نہ پہلا اور نہ آخری شخص ہوگا تمہارے قانون کی حفاظت کا متلاشی، اگرچہ مسٹر انفنسٹن اُس کا ایک گمراہ بھائی اس کے اکلوتے لختِ جگر کو اپنے مخلوقی دیوتاؤں کی بھینٹ کے لئے اُس کے آغوشِ پدری سے چھین لے تاکہ اپنے انسانی معبودوں کو بچہ کے معصوم خون سے خوش کرے۔ محمد علی تو جانتا ہے کہ مسلمانوں کی عبادت گاہ کی تاراجی و بربادی پر حفاظت قانون ملکی کی تلاش کس قدر قیمت اور کیا ثمرہ رکھتی ہے۔ اب ہم کو اس غریب خواب آلودہ مقنن کی ہرزہ سرائی سے درگذر کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے خلاصہ قانونی کسی صورت ڈھال لے اور سرقہ، زدوکوب، ضارب و مضروب کی دل خوش کن بے حقیقت دفعات میں

مشغول رہے۔ یا کہیں کہیں ایک منضبط ضابطۂ قانون کی غلط تشریح پر ایک جلد باز جج کو ٹوکتا رہے۔

اب ہم کو عالی منصب جج کی جانب راغب ہونا چاہیئے جن کی دستارِ فضیلت اور کلاہِ قانونی میں طرۂ سویلین بال کشائی کر رہا ہے۔ شہنشاہیت کے مقابلہ میں اپنے عجز و بے بسی کی نمائش فرما رہے ہیں۔ حالانکہ اپنے کمرۂ عدالت سے شبیہ سلطانی کو حقارت کے ساتھ اُتارتے ہوئے نہایت جوش کے ساتھ شاہی کلیسہ پر سرِ نیاز خم کرنے کی فریب کاری عمل میں لا رہا ہے۔ وہ جیوری کے حضور میں اس طرح ترنم ریز ہوتے ہیں "کوئی شاہی اعلان جو رعایا کو احکامِ مذہبی کی آزادانہ پابندی کا حق دیتا ہے کسی قانونِ ملکی کو منسوخ نہیں کر سکتا جو بعض اعمال کو قابلِ سزا قرار دیتا ہے لیکن یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ایسے قوانینِ ملکی اعلانِ شاہی کی مخالفت نہیں کرتے۔ اگر کسی موقع پر ایسا ہو بھی کہ اعلانِ شاہی اور قانونِ ملکی میں کوئی تخالف پیدا ہو تو ہمیں اقبال کرنا چاہیئے کہ ہمارا معذور ادراک ہر دو کے مفہوم سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں ہم قانونِ ملکی کے مطابق عمل درآمد کرنے پر مجبور ہیں"۔ یہ قانونی عجز منصفانِ عدالت اسٹار چیمبر کی ایک یادگار صالح ہے۔ جن ججوں کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ اُن کے اور پیرو کار کے درمیان صرف کلاہِ سموری فرق پیدا کرتی تھی، ورنہ انصاف پروری اور فیصلہ صادر کرنے میں دونوں یکساں تھے۔ لیکن افسوس اس ہندوستان میں تو یہ کلاہِ سموری بھی معدوم ہے۔ جہاں عدالت اسٹار چیمبر کا قاعدہ تھا کہ وہ شاہی علویت کو سراہتے، اُس کو قانون عطا کرنے والا بتاتے اور سول سوسائٹی کا قائدِ اعظم تسلیم کرتے، لیکن قانونِ شاہی پر عمل درآمد کرتے وقت عوام کی وہ آزادیاں جن کو انھوں نے بمشکل سے حاصل کیا تھا، کالعدم بنا دیتے۔ بہر حال اس قسم کا عجز جس کا اظہار جوڈیشل کمشنر سندھ نے کیا ہے اصلی شخصیت کو چھپانے کے لئے ایک خوفناک عیاری اور فریب کاری ہے جس کی بابت ہندوستان کے سابق سیکرٹری آف اسٹیٹ وِشکاؤنٹ مارلے جیسی ممتاز ہستی نے اپنے رسالہ ریکلکشنز (Recollections) میں یہ کہہ کر

کہ" ایک سویلین اپنے فہمِ ناقص میں یہ خیال کرتا ہے کہ ہوم گورنمنٹ زیادہ تر ایک حماقت کی پوٹلی ہے"۔ غیر فانی نظیر چھوڑ دی ہے۔ یہ ہے وہ ادب جس کو ایک سویلین مشیرانِ قانونی کی نسبت ملحوظ رکھتا ہے جس کو آئینی حکومت کے شہنشاہ نے متعین کیا ہے۔ آخر کار سویلین صاحب نے بادشاہی قسمت پر بھی حملہ کر دیا ہے اور اُس معتذر مجسٹریٹ کا بدلہ لے لیا جس کو لوئی چہاردہم شہنشاہ فرانس نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا، کہ "قانون ہماری ملکیت ہے"۔ جج کینڈی آئی سی ایس کے نزدیک قانون کے معنی یہ ہیں کہ "ہم قانون ہیں"۔ اگر مزید تحقیقات کے لئے قدم بڑھایا جائے اور ثالثی نامہ پر غور کیا جائے تو صاف عیاں ہو جائے گا کہ جج صاحب موصوف صرف انسان کا بنایا ہوا قانون نہیں ہیں بلکہ خدائی قانون بھی آپ کے جسدِ خاکی میں مجسمہ بن کر عیاں ہو گیا ہے جناب اس کے سویلین آشور بتھ نامی کا مکمل نمونہ ہیں جس کا قصہ آئندہ میں کسی مناسب موقع پر بیان کروں گا۔

کوئی شخص چاہے جس نقطۂ نظر سے جج صاحب کی اس "فہمِ ناقص" کا لین دین دیکھے لیکن اس ذومعنی تشریح کی بے پردہ حماقت کو ظاہر کر دینا ایمان داری اور صداقت کا اہم مطالبہ ہے جو ہر شخص پر صادق آتا ہے۔ جس احمقانہ تشریح کو جج صاحب نے اس تحریر میں مقید کیا ہے کہ "کوئی اعلانِ شاہی جس نے پابندیٔ مذہب کا آزاد حق دیا ہے، قانونِ ملکی کو منسوخ اور مردود نہیں کر سکتا جن سے چند افعال کو قابلِ سزا بنایا ہے لیکن یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کا قانونِ ملکی، اعلان کی مخالفت نہیں کرتا"۔ ہم نے گھوڑوں، کتوں اور بلیوں کے متعلق سُنا ہے کہ وہ کالے اور سفید ہوتے ہیں کسی زمانہ میں ایک باتصویر رسالہ "وسکی" نامی لندن سے طلوع ہوتا تھا جس کی وجہ تسمیہ شاید کثرتِ استعمال ہو، جس کے باتصویر اخبارات انگریزی اور ہندی انگریزی اخباروں میں کوئی نہیں بھول سکتا۔

لیکن شاید جج کینیڈی صاحب دوسروں کا حق تصنیف غصب کرتے ہوئے اور کسی پُرانے شارح قانون انگلشی و ہندی کے حق کو چھینتے ہوئے ایک سیاہ و سفید اصولِ

قانون کے موجد ہوئے ہیں یعنی یہ کہ کوئی چیز جو سفید ہو سکتی ہے، سیاہ بھی ہو سکتی ہے۔ اسی اصول کی بناء پر ہم کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ وہ قانونِ ملکی جو ایک شخص کو صرف اُس عمل پر سزا دیتا ہے جس کو وہ مذہبی حکم ثابت کر دیتا ہے ہرگز اُس اعلانِ شاہی کی مخالفت نہیں کرتا جو اپنی رعایا کو مذہبی پابندی کا آزادانہ حق عطا کرتا ہے اور بآوازِ دہل مذہبی اعمال و اعتقادات کا محافظ بنتا ہے۔ اعلانِ شاہی مذہبی فرائض کی انجام دہی کو اپنی حفاظت میں لیتا ہے لیکن قانونِ ملکی اُس پر سزا دیتا ہے اور پھر طرہ یہ کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ حُسنِ تمیز جو سیاہ و سفید جوئنٹ پروڈکٹس (اصولِ قانون) میں پوشیدہ ہے۔ خاندانِ اسٹورٹ کے ایک تاجدار نے "Magnum opus" کارِ عظیم "Black Magic" سحرِ سیاہ کی تردید میں لکھا تھا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس کا بہتر آئینی وارث اپنے بہترین مشیرِ قانون کی مدد سے کوئی دوسرا رسالہ سیاہ سفید اصول قانون کی تردید میں تحریر کرے گا۔ غریب ہندوستانیوں کو ایک پشہ سے لے کر عظیم الجثہ شتر تک بہت سی بدذائقہ چیزیں صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ وفادار ہیں، نگل جانا پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ نہیں ہزار ہا مرتبہ، لیکن باوجود ڈیڑھ سو سال کی پُرامن حکومت کے اُن کی ذہانت اور ذکاوت کتنی ہی عاجز اور بے بس سمجھ لی جائے پھر بھی اتنی ضعیف نہیں ہے کہ جج کنیڈی صاحب کے آخرترین و اہمہ قانون کی مصنوعات کو جو سیاہ و سفید اصولِ قانون کی شکل میں رونما ہوتی ہیں، بے چبائے اور بے ذائقہ لئے ہوئے نگل جائیں۔ جو مخترع اصولِ قانون یہ یقین دلاتا ہے کہ اُن کا مذہب اُس قانون کی حفاظت میں ہے جو اُن کو اُس مذہب کی پابندی پر سزا دیتا ہے۔ اگر وہ اس قانون سے اس کی ستم کاری کی داد چاہتے ہیں یا تلافی نقصان کی فریاد کرتے ہیں تو یہی قانون جب کہ وہ قانون ساز کے آستانہ پر بغرضِ تبلیغ جاتے ہیں، ان کو پیٹوں کے بل چلنے کی دعوت دیتا ہے، اُنہیں وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور کرتا ہے، اور سب سے بہتر یہ صلاح دیتا ہے کہ وہ صبر سے اُس انعامِ اُخروی کی راہ دیکھیں جو اُن کو اس دنیوی نقصان پر نعم البدل عطا فرمائے گا۔ بیشک مسٹر کنیڈی کا

انعام آخرت کے خیال پر نہ دبنے والا جذبہ حقارت اُن ہستیوں کے یقین کو متزلزل نہیں کر سکتا جو اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ اَجرٌ عَظِیمٌ کی صداقت لم یزل اور وَلَاَجرُ الاٰخِرَۃِ خَیرٌ لِّلَّذِینَ یَتَّقُونَ اَفَلَا تَعقِلُونَ پر غیر فانی عقیدہ اور ایمانِ کامل رکھتے ہیں۔ وہ دینوی الزام جس کی بنا پر مسٹر کنیڈی ہمارے مذہبی فرائض کی انجام دہی کو قابلِ سزا بتاتے ہیں ان لوگوں کو خوف نہیں دلا سکتا جو یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا مَن یَّرتَدَّ مِنکُم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبّھم ویحبّونہ اذلّۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ط واللہ واسع علیم کی بشارت ربانی پر ایمان صالح رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے محبّت رکھتے ہیں اور خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو ایمان والوں کے ساتھ متواضع اور کاذبوں کے ساتھ مغرور ہیں جبکہ وہ راہِ حق پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں، کسی لائم کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ لوگ خدائے برتر کی عمیم الاحسانی سے اُس قوت و تائید سے بھی زیادہ توقع رکھتے ہیں جو اُن کو اس راہ میں درکار ہے۔ وہ اپنا مُلک چھوڑ دیں گے، وہ ضرور ہجرت کر جائیں گے لیکن ایک موقع آئے گا جب کہ حُسنِ عجلت کے ساتھ ضرور واپس ہوں گے۔ اُس وقت وہ اپنے ملامت کرنے والوں کو معہ ان کے لومتِ جاں گداز کے اپنے پیارے وطن سے دفع بھی کر دیں گے جس طرح نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ظالمانِ مکّہ کو نکال دیا تھا۔ شاید اس واسعٌ علیم اللہ نے مسٹر کنیڈی کو ایک مزید تاریخی اہمیت عطا فرمائی ہے جو ایک پرکاہ کی طرح یہ بتا سکتا ہے کہ ہوا کس طرف کی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ طوفانِ عظیم جس نے تمام عالم کو تہ آب کر دیا تھا اور سوائے پناہ گزینگانِ کشتیِ نوح کے سب کو غرق کر دیا تھا، ایک غریب بڑھیا کے تنور سے برآمد ہوا تھا۔ شاید مسٹر کنیڈی تو اُس بڑھیا ضعیفہ کی سی اہمیت نصیب نہ ہو سکے جبکہ آنے والا طوفان اس سلطنت کو غرق آب کر دے گا جس میں سورج نہیں چھپتا اور لائم وطاعن کی نسل کو برباد کر دے گا۔

آج کی بُرائی آج کے لئے کافی ہے۔ یہ ہے موجودہ صورت جو صاف صاف بتاتی ہے کہ اعلانِ شاہی عملی مقاصد کے لئے نہیں ہے چاہے وہ دھوکہ بازی ہی کیوں نہ ہو۔ اسٹیج سیاست پر اعلانِ شاہی کا اِخراج اور مرضی سویلین کا ادخال ہوتا ہے جس کی مدد پر حیوانی قوت ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہرکلیز کے ہاتھوں سے گرز لے لیا جائے۔ کیونکہ شہزادہ ویلز کے استقبال کے موقع پر کنیڈی کے واسطے یہ بہترین تحفہ وقتی ہوگا (جس طرح ایشیا میں رستم اپنی شجاعت اور منازلِ ہفت خواں کیلئے مشہور ہے اُسی طرح یونانی رِوایات پارینہ میں ہرکلیز اپنی شجاعت اور توانائی کے واسطے مشہور ہے۔ اس کی بارہ جانفشانیاں زبانِ زدِ عام ہیں۔ یہ یونان کے سب سے پرانے شاعر ہومر کا ممدوح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زحل کا بیٹا ہے۔ یونانی اس کو مخلوقی دیوتا تصور کرتے تھے ۔ مترجم)۔ تیری سب سے بڑی قربانی کے واسطے میں موجود ہوں۔ اس لئے کہ شاید تو خیال کرتا ہے کہ کوئی شخص گو وہ کتنا ہی فریب خوردہ ہو کچھ اور بھی اُمید کر سکتا ہے۔ کیا وہ الفاظ جو چار سمت ملک میں اشاعت پا گئے ہیں کچھ اور توقع دے سکتے ہیں۔ یہ الفاظ ایسے شہزادہ کے مُنہ سے نکلے ہیں جو اس تختِ شاہی کا تنہا وارث ہے جو یورپ میں اب تک صحیح و سالم ہیں، اگرچہ غیر متزلزل نہیں ہے جس کے باپ دادا کا اعلانِ شاہی جو اُس وقت شائع ہوا تھا جب کہ اُن کا اقتدار شرکتِ غیر سے پاک تھا، اس وقت منسوخ کر دیا گیا ہے اور پُرزہ کاغذ بنا دیا گیا ہے جیسا کہ موجودہ مقدمہ میں ہوا۔ جس کے اندر شہزادہ کا باپ عجیب ترین اور نہایت ظالمانہ طریقہ سے اُس مقدمہ کا مدعی بنائے گئے ہیں جو تمام رعایا کے مذہبی آزادی کے خلاف ہے۔

جج صاحب کا فیصلہ کوئی نیا فیصلہ نہیں ہے۔ غریب کانپور مدت پہلے کراچی کو متنبہ کر چکا تھا۔ لیکن غدر کے بعد شاید یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ اعلانِ شاہی کو ایک عظیم الشان فریب کاری کا آلہ سمجھنا معرض تحریر میں لایا گیا ہے۔ یہ سب سے بڑا دھوکا آج طشت از بام ہو گیا کہ اعلاناتِ شاہی ہندوستانی برطانوی قانون

کی بنیاد ہیں اور اُن اصولی ضوابط کی بنیاد ہیں جو دیگر قوانین ملکی کے تجزیہ اور تنظیم کی رہبری کرتے ہیں اور اُن کے عمل درآمد پر حاوی ہیں۔ یہ پردہ فریب ایک ایک تار کر ڈالا گیا اور آخری تباہی سے ہم آغوش ہو گیا۔ اب کوئی مومن اس کافر حکومت کے عہد و میثاق کی حفاظت نہ تلاش کرے گا جب کہ مواثیق سابقہ کا حشر معلوم ہو چکا ہو۔ اس فتح کا سہرا میرا دعویٰ ہے کہ میرے سر ہے۔ ہاں بفکرِ مکرر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس فتح کی عزت میں انگلستان کے سابق چیف جسٹس (وائسرائے) برابر کے شریک ہیں، جنہوں نے ہم پر مقدمہ چلانے کی منظوری دی تھی، اور مسٹر کنیڈی بھی جو اپنی فوج لے کر آخری اور فیصلہ کن حملہ کے وقت میرے لشکر سے آملے جس نے فریب و مکر کے قلعہ کو مسمار کر کے سر کر لیا۔

حصّۂ ثانی

اب میں مسٹر کنیڈی کے ہدایت نامہ کے اُس حصّہ پر آیا ہوں جہاں صاحبِ موصوف اسلامی تاریخ کے مفروضہ اور خود ساختہ روایات کے صحرائے بے کراں میں آوارہ گردی فرما رہے ہیں اور اسلامی فقہ کے اندر اپنے توہمات اور تخیّلات کے نادیدہ اور ناآشنا، نامعلوم سمندر میں مثل ایک آوارہ گم کردہ راہ کشتی کے موج پیمائی کر رہے ہیں۔ یہ بیان ایک ایسی غیر عدالتی اور قانون سے متجاوز رائے ہے، جو کسی عدالت قانونی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی بلکہ وہ عدالت کے لئے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔ مقدمہ کے آغاز ہی میں مسٹر کنیڈی نے بارہا اپنی عربی ادب دانی کا دبی زبان سے اشارہ کیا ہے اور خصوصاً اُس وقت جب کہ خلافت مبحث آیۂ موالات کی تفسیر و معنی پر مناظرہ و مباحثہ کی ٹھہرا دی ہے اور بڑی تمنّا کے ساتھ اپنے خزانۂ لغت دانی میں اضافہ فرمانے کے لئے اور شخصی جا و بے جا استعمال کے لئے مولانا حسین احمد صاحب سے دریافت کیا کہ مولانائے موصوف شریعتِ حقہ کے مصطلحات

کی تقسیم و تدریج کس طرح فرمائیں گے تاکہ فرض سے لے کر حرام تک مختلف احکامِ شرعی میں امتیاز ہو سکے۔ اس نئی تحصیلِ علم پر صبر نہ ہو سکا اور نہایت عجلت کے ساتھ کنیڈی صاحب نے ہدایت نامہ میں اصطلاح مکروہ استعمال کر ہی دی جس کے معنی جیوری غلط تو ضرور سمجھی ہوگی۔ اسلامی فقہ کے ناآشنا اور غریب دیار میں، کنیڈی صاحب کے اس تفرج کا مطلب صرف اظہارِ ادبیت ہی نہ تھا جو تبحر کے ساتھ غیر متوقع بھی تھی، بلکہ یہ خیال کرنا بھی جج کے خلاف ناانصافی ہوگی اور اُس کو غلط سمجھا جائے گا اور اُسی کی طرح ایک گمراہی ہوگی، بلکہ ایک گہری مصلحت اس میں پوشیدہ تھی اور جو کھیل جج صاحب کھیل رہے تھے وہ سطحی نہ تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھوں کی تماشا خیز جنبش اور اپنی زبان کی نادری حرکت سے "بیٹھ جاؤ" کے نعرہ میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہو جاتی گویا کہ وہ کُل کائنات کا مختار اور اُس کا ہر حکم قابلِ تسلیم تھا، بے انتہا کوشش کی کہ مجھے اُس تلقینِ حقہ کی تبلیغ سے باز رکھے جو میں اپنی جواب دہی میں جیوری کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا کہ ایک مسلمان کا قتلِ عمد دوسرے مسلمان پر شریعت میں قطعی حرام ہے جس کا اقرار خود جج بھی کرتا ہے۔ اس کا اقرار بھی جج نے کیا ہے کہ اس جواب دہی سے اُس کے مقدمہ پر خلاف اثر پڑیگا۔ اس پر بھی دورانِ مقدمہ میں جج صاحب نہایت بے چینی کے ساتھ مجھے وقتاً فوقتاً ٹوکتے رہے کیونکہ ان کے نزدیک مقدمہ ایک خطرناک اور خلافِ مصلحت اُصول کی اشاعت کا ذریعہ بن رہا تھا۔

جج صاحب کا یہ بیان کہ "مقدمہ ان مسئلوں کی اشاعت کا ذریعہ بن رہا تھا، جس کو وہ خطرناک اور خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں" اُس کی اُن غرض کا پتا دیتا ہے جس نے اُنہیں اس معاملہ میں صحیح مسئلہ کی اختراع اور اس کے اعلان پر مجبور کر دیا، اگرچہ حیاء ان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسے فریب کاری کے دعوے سے باز آئیں۔ "خطرناک اور خلافِ مصلحت مسئلہ کی تبلیغ و اشاعت کا زہر" تو ہم پھیلا چکے تھے مگر سندھ کے سویلین صاحب کو زیبا تھا کہ اپنے ہدایت نامہ میں کسی "مصلح اور غیر ضرر" مسئلہ کا

تریاق عطا کرتے، کیونکہ عہدِ حاضرہ کا اٹلس اگر کوئی ہے تو وہ جج صاحب ہیں جن کے دوشِ نازک پر تمام عالم کا بار رکھا ہوا ہے (اطلس، یونانی تلمیحات میں ایک عظیم الجثہ دیو ہے، جس کے سر پر گنبد آسمان رکھا ہوا ہے معہ اس دنیا کے، جس وقت اُس کا کندھا تھک جاتا ہے اور اس بار کو بدلتا ہے تو زلزلہ واقع ہوتا ہے۔ مترجم)۔ اس عظیم ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے سیویلین کراچی نے جو ہمارے خطرناک اور خلافِ مصلحت مسئلہ" کے خلاف جس کا زہر ہم پھیلا چکے تھے اپنے "مصلح اور غیر ضرر مسئلہ" کا جو تریاق اپنے ہدایت نامہ میں تجویز فرمایا ہے وہ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ ڈیلی گزٹ کراچی میں (کراچی کا ایک شام کے وقت شائع ہونے والا اخبار) اُسی شام کو اشاعت کے واسطے روانہ کر دیا۔ پیشتر اس کے کہ اُس کی ایک ایک نقل ملزموں کو دی جائے، اور جیوری کا فیصلہ صادر ہوتے ہی یہ طمانیت خاطر بھی حاصل کر لی کہ اُس کا بہت سا حصہ شائع ہو چکا ہے، اور جج صاحب نے اعلانِ سزا تو فیصلہ کے تحریر کرنے اور سُنانے سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ سیویلین کراچی کا سارا منشا اس قاصدانہ عجلت کا یہ تھا کہ حکومتِ مستبدیہ دیکھ لے کہ شملہ کا فوجی اخبار علامہ کنیڈی کا آخری اجتہاد جو جناب نے قرآن اور حدیث پر فرمایا ہے، شائع کر دیتا ہے، جو صرف ایک واحد اخبار ہے فوجی ہیڈ کوارٹر کی زیر محرری، جس کی اشاعت ہندوستانی فوج تک جس کو بڑی پابند کر کے اوروں سے الگ تھلگ رکھا گیا ہے، ہو سکتی ہے، تاکہ ہر سپاہی اُس کو روزانہ پریڈ کے وقت پڑھ لیا کرے اور اس کی ایک ایک نقل اپنی گردن میں بطور تعویذ حمائل کر لیا کرے۔ اور جس وقت دوسری بار اپنے خلیفۃ المسلمین جانشین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے جائے اور اپنے کسی مسلم بھائی کو عمداً قتل کرے یا کسی مجاہد کی گولی کا نشانہ بنے یا ضربِ تیغ کی نذر ہو تو وہ تعویذ کا کام دے جائے۔

تحریکِ خلافت کی ترقی اور سبب تخلیق پر اپنے خلاصۂ شہادت میں چند صفحے ٹائپ کو دینے کا منشا یہی تھا۔ اگرچہ مشکل سے ایک سطر بھی ایسی نہ تھی، جو

شہادت سے تعلّق رکھتی ہو اور جس کے خلاصہ کی ضرورت تھی - دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ جج صاحب نے صرف ملزم کی بابت رائے قائم کرنے پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ اپنے انداز میں نہ صرف تحریکِ خلافت موجودہ بلکہ تیرہ سو برس کی خلافتِ راشدہ پر بھی غور وفکر فرمانے کی حرص عمل میں لائے ہیں لیکن باوجود اپنے کو غیر جانبدار اور غیر متعصّب جتاتے ہوئے اور ترکوں کے ساتھ ہمدردانہ دلسوزی انداز فرماتے ہوئے یہ ضرورت محسوس کی کہ سلطنتِ عثمانیہ کے سوال پر اپنی روانی تحریر میں اس کے مبہم ادعائے خلافت پر بھی روشنی ڈالیں - اگرچہ فیصلہ کے اندر یہ رائے کسی شہادت پر مبنی نہ تھی اور پیروکار سرکاری نے تو اسے چھونے کی بھی زحمت گوارا نہ فرمائی - آلِ عثمان کا جو دعوئ خلافت چار صدیوں سے غیر معترض چلا آتا ہے اور جس پر عرب وعجم نہ ترک وتازی کو کبھی اعتراض کی جرأت ہوئی اور جس دعوی کو خود کنیڈی صاحب کی حکومت نے مرحوم ٹیپو سلطان پر ثابت کرنا چاہا تھا جب کہ نپولین بونا پارٹ کی مشرقی پیش قدمی ایک سخت وقتی خطرہ بن رہی تھی اور عین غدر ۱۸۵۷ء کے وقت جبکہ سلطنتِ عثمانیہ کے کریمین حلیف (یعنی برطانیہ) پر ہندوستانی سپاہیوں کا غلبہ تھا (جنگِ کریمیا میں سلطنتِ برطانیہ ترکوں کے ساتھ ہو کر روسیوں سے مشغولِ پیکار تھی) جج کنیڈی تعطیل دوالی کی فرصت میں جو پینز ٹائپ کر رہے تھے فیصلہ میں خلاصۂ شہادت بیان کرنا یا ہدایت نامہ کو ترتیب دینا نہ تھا بلکہ ایک مصوّری تھی جس کی تکمیل کا مقصد ایک تیار شدہ تبلیغی سامان مہیا کرنا تھا تاکہ غلط بیان گماشتگانِ حکومت کو کافی افواہوں اور بے بنیاد خبروں سے لاد دیا جائے، اور چند ماڈریٹ اور اینگلو انڈین اخبارات کے مضمون خصوصی کے واسطے ایک خزانہ تجویز کر دیا جائے -

یہ ہے وہ وجہ جو مجھ کو اُن "خطرناک اور خلافِ مصلحت مسئلوں کو" اظہر من الشمس کرنے پر مجبور کرتی ہے - یہ ایک مذہبی فرض ہو جاتا ہے کہ جب کہ مسٹر کنیڈی بجائے کلام اللہ، حدیث نبوی، اجماعِ امّت اور قیاسِ شرعی کے اپنی الہامی کتاب اور

اور شریعتِ اسلامی ایجاد کرتا ہے جو کلام اللہ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "خدا کی کتاب ہے" تاسف میں غرق ہو جائیں گے :-

ہمارے سشن سپرد ہونے کے بعد ہی اخباروں میں چھپ گیا کہ رائس الستٹن جو علوم قانون کی فرہنگ ہیں، اس مقدمہ میں سرکار کی طرف سے پیروی کیے آرہے ہیں اور یہ کہ اُن کی امداد پر ایک ماہر فقہ عالم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ ہم ان علامہ صاحب کی ملاقات کے متمنی تھے جو ایک شیطان کی تائید کے واسطے آرہے تھے لیکن وہ موقع پر نہ آئے اور ایڈووکیٹ جنرل کی مہربان تحقیقات کے باوجود کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ لیکن شاید بہت سی لغو شہادتوں کی طرح ایسے مقدمہ میں جس میں مجسٹریٹ اور جج دونوں گمراہ ہو رہے تھے اور جس میں عالم صاحب دیر میں تشریف لائے اور گواہ نہ بن سکے، ان کی گواہی بھی جج صاحب کے فیصلہ میں غیر موجود شہادت میں رکھی گئی۔ یہ ہے سب سے بہتر تخیل جو جج صاحب کے ہدایت نامہ کی تشریح کرتی ہے۔

اب اصلی جواب دہی ملزم کی یہ تھی کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا قتل عمد حرام ہے یا قانونِ اسلام کی رو سے ناجائز باستثنار کہ وہ کسی امر حق کے لئے ہو۔ جو بیان کہ کراچی کی تجویز میں شامل ہے اور جس نے کارپس ڈیلکٹی (یعنی وہ واقعات جس پر ارتکابِ جرم کا قیاس کیا جاسکتا ہے یا ثابت ہو یا سرمایۂ جرم بتعلق ثبوت اس امر کے کہ جرم کا ارتکاب ہوا یا نہیں بخلاف ثبوت اس امر کے کہ کس نے جرم کا ارتکاب کیا) مہیا کیا ہے بیکار طول طویل نہیں یعنی وہ ریزولیشن جو کراچی کانفرنس میں منظور ہوا تھا اور جس کی وجہ سے مقدمہ چلایا گیا ہے غیر ضروری عمومیت سے دُور ہے بلکہ صرف یہ بتاتا ہے کہ موجودہ صورت میں مسلمانوں کے لئے انگریزی فوجی ملازمت ناجائز ہے۔ جس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ فوجی ملازمت کی بابت عام طور سے کسی کی کچھ رائے ہو کسی اور وقت میں، لیکن موجودہ صورت تو ایسی نہیں کہ یہ ملازمت مسلمان کے لئے جائز ہو سکے، اور اسلامی شریعت کے موافق انگریزی فوجی ملازمت اختیار کرے، یا رنگروٹی میں بھرتی ہو یا بھرتی کرائے۔

ہندوستانی سپاہی کو ایسی جنگ لڑنا پڑتی ہے جو اُس کی جنگ نہیں ہے۔ اس کے لئے اس معاملہ میں کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ سرِ تسلیم خم کرے اور موت کے گھاٹ اُتر جائے یا دوسروں کی جان لے۔ اس موقعہ پر کون تھا جو علت پیش کردہ کی حقانیت پر شریعت کے موافق غور کرتا۔ ورنہ حقیقتِ معاملہ یہ تھی کہ ہر مسلمان کے اوپر صریحاً واضح ہو چکا تھا چاہے وہ کتنا ہی نامساعدتِ ادراک کا شکار ہوتا، کہ وہ اسباب جن پر جنگ کی گئی تھی، شریعت کے خلاف اور ناحق تھے۔ اُس وقت جج صاحب کے لئے یہ زیبا تھا کہ وہ دو چیزیں ثابت کرتے۔ یا تو یہ کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا قتلِ عمد بغیر کسی امرِ حق کے حرام نہیں ہے یا یہ کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں قصداً جنگ کرنا اُس استثناء میں آتا ہے جس کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ کیا کنیڈی صاحب اپنے ہدایت نامہ کے اندر ایسا کرتے ہیں۔ نہیں وہ تو صرف یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن پاک ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی جان لینے کے لئے قطعاً منع نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسی حجت ہے جس کو کسی نے بھی پیش نہیں کیا ہے۔ ملزم کس طرح یہ دلیل لا سکتا تھا وہ تو صرف نہایت احتیاط کے ساتھ اُن حدود کو بتاتا ہے جو شریعت نے ایسے مواقع کیلئے مقرر کی ہیں جبکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عمداً جان لے سکتا ہے۔ سب سے پہلی حدیث جو میں نے عدالت ماتحت میں بیان کی تھی، قانونِ الٰہی کی عمومیت کو محدود کرنے کے لئے صرف تین استثنیات بتاتی ہے۔ اول سزائے قتلِ عمد، دوم زنا، سوم الحاد و زندیقیت۔ قرآن کریم خود ان حدود کو بخاطر امرِ حق کہہ کر قائم کرتا ہے، اور بالتکرار اس پر زور دیتا ہے، اور ایک سے زیادہ مرتبہ ایسے قتل کی اجازت دی ہے۔ بلکہ مؤمنوں پر بطور حکم ربانی کے فرض کر دیا ہے کہ سزائے خروج باغیانہ اور تقسیم حسنات فی الارض کی خاطر ایک مسلمان دوسرے کی جان لے سکتا ہے (سورہ حجرات رکوع ۹، اور سورۂ مائدہ رکوع ۵۔ مؤخر الذکر کو میں نے اپنے سابقہ بیان میں تحریر کیا تھا، جبکہ اس قسم کے قتلِ عمد کو سوائے امرِ حق کے لئے ناجائز ثابت کر رہا تھا۔ اس لئے

جج صاحب کا یہ کہنا کہ یہ "حرمت مشروط اور وقتی ہے نہ کہ مطلق" ایک اچھوتا اجتہاد ہے۔

لیکن شاید اس نامعلوم الاسم خلیفہ سے کہیں زیادہ صحت اور خصوصیت کے ساتھ جس کا قصہ جج صاحب نے بیان کیا ہے کہ اُس نے اپنے خلیفہ ہونے کی خبر سُن کر قرآن شریف کو یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ مسٹر کنیڈی کے لئے قرآن شریف کے ساتھ یہ آخری واسطہ ہے اور آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ ایک مسلمان کے قتلِ عمد پر یہ مشروط وقتی اور غیر مطلق حُرمت قائم کر کے وہ اس کی حدود اور شرائط کی جستجو کرتے ہیں اور اس انداز کے ساتھ جس طرح ایک سچّا مسلمان کر سکتا ہے دراں حالیکہ کوئی نیک مسلمان ان حدود اور شرائط کے تیقّن کے لئے ایک اجتہاد بے قید کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اپنی تحقیق کو خصوصیت کے ساتھ بزرگانِ دین اور ائمہ اُمّت کے اعمال و افعال سے شروع نہیں کرے گا بلکہ ان اصولوں سے جو اساطین ملّت نے پہلے ہی مقرر کر دیئے ہیں۔ اسلام ان "افراد خاصہ" کے بہت سے مدارج مقرر کرتا ہے۔ خلفاء راشدینؓ سے شروع ہو کر حضرات عشرہ مبشرہؓ، اصحاب بدرؓ و اُحدؓ، صحابۂ رسول اللہ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک یہ درجہ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اہلِ سُنّت والجماعت ذرا آگے بڑھ کر اجماعِ اُمّت کو دلیلِ راہ مانتے ہیں اور ایک مسئلہ کو محقّق جب ہی مانتے ہیں۔ اس کے اندر قیاس کا اور اضافہ کرتے ہیں جو نص صریح کی تصدیق و تفسیر میں کام آتا ہے۔ نص صریح قرآن کریم کے احکاماتِ صریح اور رسولِ کریم کی مستند حدیث کو کہتے ہیں۔ لیکن فاضل اجل جناب کنیڈی صاحب جج اپنے ناپاک اجتہاد میں ان کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور نہ قرآن کریم کو حجت ٹھہراتا ہے۔ اگر کلام اللہ میں یہ حدود صاف صاف بتا دی گئی ہیں مثلاً قتلِ عمد، بغاوتِ خروجی، امنِ عامہ میں فتنہ، زنا، الحاد و زندیقیت وغیرہ۔ جن مذکورہ حدود کے اندر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا قتلِ عمد حرام نہیں رہتا۔ باوجود ان فروگذاشتوں کے جناب نے سنّتِ نبوی کا حوالہ دینے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے لیکن نہایت بے ادب جسارت

کے ساتھ ایک گستاخانہ عمومیت قائم کرتے ہوئے رسالتِ عظمیٰ کو عدالت سے باہر کر دیتا ہے یہ کہہ کر کہ "ہمیں نبی کریم کی تمام زندگی سے موجودہ زمانہ کے لئے کوئی مکمل (اسوہ حسنہ) شاہراہِ ہدایت نہیں ملتی۔" آہ کیا اس بے کسی رسالت کی کوئی حقیقت ہے جس نے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ لانبی بعدی کا کوس لمن الملکی بجایا تھا۔ کیا واقعی کتابِ الٰہی کی صداقت اور مستندیت کا آخری نشان آنے والی نسلوں کو ظلمت کدہ عالم میں بغیر کسی چراغِ ہدایت کے بے بصرانِ معذور کی طرح ٹٹولتے ہوئے چھوڑ گیا ہے ہاں شاید آج کے سعید دن پر ایک سندھ کے جج کو الہامِ ربانی نے بشارت دی جس نے آوارہ امتِ مرحومہ کو منزلِ مقصود پر لگا دیا۔ لیکن نادان جج کو زندانِ ہوش و آگہی سے باہر آنا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ خاتم النبیین اپنی ملتِ بیضا کو بے نشان سمندروں پر بغیر پتوار اور قطب نما کے نہیں چھوڑ گیا ہے علیکم بسنتی و بسنت الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ میرے اور میرے خلفاء الراشدینؓ اور (اصحاب کبار) ہدایت کرنے والوں کی راہ پر چلو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو"۔ یہ الفاظ ہیں جو روحی فداہ نے آنے والی نسلوں کو سنائے ہیں۔ جج کینیڈی صاحب کی پیش کردہ ضعیف روایت ہمارے لئے ایک گمراہ سنت ہوگی، اگر ہم سنتِ نبوی اور سنتُ الخلفاء راشدین چھوڑ دیں گے۔

ہمارے مذہب کی سب سے محفوظ اور مسعود بنیاد قرآن کریم ہے۔ کیونکہ تمام فرقے اس کی صداقتِ مطلق اور تحفظِ لم یزل کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسری شے احادیثِ نبویؐ ہیں جیسا کہ میں جیوری کو واضح کر رہا تھا اور جج صاحب نے مجھے حکماً روک دیا تھا، جو ایک ملزم کے ساتھ برتاؤ کرنے میں تشدد تو کیا کہا جائے لیکن نزاکتِ خاطر کی بیّن مثال تھی۔ یہ احادیثِ نبویؐ قرآن کریم کی تائید ضمیمہ ہیں اور قرآن کریم بھی ان کی پیش کردہ راہِ ہدایت کی تائید کرتا ہے۔ اس پر بھی ایک حدیث کتنی ہی قدسی اور مستند ہو، اگر قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی شے سے ذرا بھی تخالف رکھے تو حدیث ہی کا مقرر کردہ اصولِ عامہ یہ ہے کہ وہ حدیث رد کر دی جائے اور قرآن کریم کے مطابق

عمل درآمد کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا موقع آجائے جہاں قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کا حکم صریح نہ مل سکے یا ہم تلاش نہ کرسکیں تو دوسری ہدایت اجماعِ امت ہے۔ جو صحابۂ کرام سے شروع ہوکر عصرِ موجودہ کے علماء تک قائم رہتا ہے۔ اگرچہ ان کے فتوے کو ایک شیطانی حکومت ضبط کرلیتی ہے اور باوجود ایک غیر مسلم جج کو بے انتہا واضح کرنے کے وہ ایک فہرست بنیادی قرارداد جرم کے واسطے نمائش میں رکھے جاتے ہیں اور کارپس ڈیلکٹی "Corpus Delecte" مہیا کردیتے ہیں۔ "اجماعِ امت" کے اصول پر جو اعتماد ہے وہ قرآن شریف کی سند پر منحصر ہے۔ اور حدیثِ نبوی پر جس کی تائید ان الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے کہ خدا کا ہاتھ مسلمانوں کی جماعت پر ہے اور یہ کہ وہ اس کو کبھی گمراہ نہ کرے گا۔ اسلامی اصولِ قانون کا آخری سرچشمہ قیاس ہے جو ایک مجتہد اور مستند فقیہہ کا فعل ہے۔ قیاس اس سبب یا علت کو کہتے ہیں جو نصوص سے نکالا جاتا ہے۔ اور جو حدیث کے معنی اور اجماعِ امت سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ایک واقعہ معلومہ سے ویسے ہی واقعہ پر نامعلوم وقت بر راہِ ہدایت نکالنا، یا اس معلوم موقع کے واقعہ سے تطابق کرنا۔ لیکن مسٹر کنیڈی قرآن مجید کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، احادیث کو چھوڑ دیتا ہے، اور اجماعِ امت کو جرم ملکی قرار دے دیتا ہے۔ اور نظیری اسناد کے آخری حصہ پر چھلانگ مار کر آدھمکتا ہے اور اپنے آپ کو اسلامی تلقینات و مسائل کا مجتہد بنا لیتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ خود ساختہ اور ایجاد بندہ قیاس اسی بے ترتیب اور مفروضہ قیاس کی مانند ہے جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امتِ مرحومہ کو تنبیہ آگاہ فرما دیا ہے "اول من قاس ابلیس" جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس (عزازیل) تھا۔

کیا اس معلم الملکوت نے سب سے پہلے اپنے قیاس اور توہم کو خدا کے صریح احکام پر فضیلت نہیں دی جب کہ اس نے خدا کے خلیفہ کے سامنے اپنا سر جھکانے سے انکار کردیا۔ صرف اسی قیاسی بنا پر کہ اس کی ناری اصلیت ایک خاکی پتلے سے افضل اور برتر ہے۔

جج کنیڈی کے اس آزاد قیاس کے کیا معنی ہیں - اسلام کے افراد خاصہ کے اعمال وافعال پر خصوصیت کے ساتھ غور وفکر کرتے ہوئے اور ان ہستیوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نامِ نامی سے شروع کر کے جو ایک مسلمان قاتل کے خنجر کا شکار ہو گئے تھے، حضرت امام حسینؓ شہیدِ کربلا پر ختم کرتے ہیں جو اسی قسم کے قتل کا شکار بنے تھے اور نہایت زور کے ساتھ اس فہرست میں زیاد[1] جو اُن کے نزدیک بڑی مہتم بالشان ہستی ہے - حجاج[2]، مسلم[3] بن عقبہ اور ہمارے مُلک کے علاءالدین خلجی کا بھی نام

---

[1] زیاد - غالباً اس زیاد سے مطلب زیاد ابن ابوسفیان ہے جو کہا جاتا ہے کہ یہ ابوسفیان کا ناجائز بیٹا تھا - حضرت معاویہؓ نے اس کو عراق اور خراسان کا حاکم بنا دیا تھا - اسی کی ترغیب سے حضرت معاویہؓ نے یزید اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا - زیاد نے ہی اہلِ عراق کو یزید کی بیعت پر راضی کیا - اسی کے بیٹے عبیداللہ نے حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو بمقام کربلا محصور کر لیا تھا -

[2] حجاج بن یوسف ثقفی - عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں جو بنی اُمیّہ کا پانچواں خلیفہ تھا - ایک جلیل القدر مدبّر تھا - یہ ثقفی خاندان میں سے تھا - عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں بڑا اقتدار رکھتا تھا - حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف ایک بڑی فوج لے کر مدینہ شریف پر حملہ آور ہوا تھا - سخت خونریزی کے بعد مکّہ معظمہ کا محاصرہ کیا - حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے (۷۳ھ مطابق ۶۹۲ء) اور مکّہ فتح کیا - اسی کی نسبت حضورؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ بنی ثقیف میں سے ایک شخص بڑا ظالم ہوگا اور ایک جھوٹا جھوٹوں میں سے مختار ہے جو شہداء کربلا کے زمانہ سے مسلمانوں کو قتل کرتا تھا اور بعد میں مدعی نبوت بن بیٹھا تھا -

[3] مسلم بن عقبہ - حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ایک بڑا سردار تھا - یزید کے عہد میں ایک بڑی فوج لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا، اور مقامِ حرا پر بڑا کشت وخون ہوا، جس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ شہید ہوئے - مدینہ منورہ کی سخت بے حُرمتی ہوئی، یہاں تک کہ مسجد نبوی کو اصطبل بنا لیا گیا تھا - اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف جو مکّہ میں خلافت کا اعلان اور معزولیِ یزید کے احکامات صادر کر چکے تھے، یہ لشکر روانہ ہوا، لیکن (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

داخل کیا ہے۔ ایک عجیب انداز کے ساتھ نہ صرف اس نتیجہ پر آئے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا قتلِ عمد ہمیشہ جائز نہیں ہے بلکہ یہ امر بالمعروف بھی ایجاد کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے خلیفہ پر حملہ کرنا کسی غیر مسلم شہزادے کی ملازمت میں بغیر اس سوال کے قائم کئے ہوئے کہ آیا وہ جنگ جارحانہ ہے یا مدافعانہ، چنداں ناجائز نہیں ہے۔ آخرکار تدریجی تعمیق و تفریق اور حکیمانہ انداز کے عمل سے مولانا کنیڈی اس نصِ صریح کے معنی کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا قتلِ عمد حرام ہے، جس پر تقریباً علمائے ماضیہ و حال متفق ہیں، یہ بتاتے ہیں، صنعتِ ایجاد بندہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ "ہر مسلمان سپاہی جو ایسی جنگ لڑتا ہے جس کو ملزم ناجائز قرار دے، سیدھا دوزخ میں جائے گا"۔ یہ سارے نتائج جو مسٹر کنیڈی نے اخذ فرمائے ہیں، شملہ کے فوجی ہیڈ کوارٹرز کے لئے نہایت مفید ہیں، تاکہ اُس کے افسروں اور عہدہ داروں کے کام آئے اور اُس نازک وقت کے لئے نہایت موزوں جبکہ یہ کافر خاسر حکومت کسی مسلمان سلطنت کے خلاف ایک دوسرا کروسیڈ لڑنا مناسب خیال کرے گی۔ اور اُس سرزمین پر جارحانہ پیش قدمی کرے گی جو مملکت خلافت میں شامل ہو۔ باوجود اُس نہی عن المنکر کے اعلان کے جو ملزم اور اس کے ۵۰۰ علمائے شریکِ کار غل مچا مچا کر سُناتے رہیں۔ (کروسیڈ یعنی جنگ مذہبی)

اب ہم اُن شہادتوں کو جانچیں گے جن پر یہ مستحسن نتائج شملہ کے فوجی ہیڈ کوارٹرز کے نقطہ نظر سے منحصر ہیں، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مسٹر کنیڈی کے اجتہاد نے کُنتُ کنزاً مخفیاً کے خطبہ خواں کو عدالت میں پیش نظر رکھنا ضروری نہ سمجھا کیونکہ نعوذ باللہ اُس شہنشاہِ دو عالم کی حکومتِ دنیوی صرف عرب ہی تک محدود تھی لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مکہ معظمہ کے قریب پہنچتے ہی یہ فوج واپس ہو گئی کیونکہ یزید کے مرنے کی خبر آ گئی تھی۔ ۶۴ھ

لہ علاء الدین خلجی۔ یہ خلجی خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو ۱۲۹۵ء میں اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں تمام ہندوستان راس کماری تک فتح ہو گیا تھا۔ یہ بڑا عقل مند بادشاہ تھا لیکن جاہل اور ان پڑھ۔ مترجم

خوش نصیبی سے ہمارے پاس ابھی تک ان مستقیم الصراط خلفاء الراشدین کی سنّت باقی ہے جن کے عہدِ مسعود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سال بعد ہی سلطنت اسلام ایک غیر محدود رقبہ میں پھیل گئی تھی جس کے اندر مختلف الاصل و مذہب اقوام بستی تھیں جن کے رسم و رواج، عقائد اور زبان وغیرہ بالکل مختلف تھے لیکن کیا اس مقتدر شہنشاہ نے جو مسلمانوں کی مجالس شوریٰ کا ہادی تھا اور مومنین کی زندگیوں کا مرتب کرنے والا تھا۔ جس کو خلیفۃ المسلمین کے نامِ نامی سے مخاطب کرتے تھے۔ اس دس برس کے زیادہ حصّہ میں کبھی ایسا دعوئ حکومت کیا ہے جو قرآنی احکاماتِ صریح کے متضاد ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ اسوہ حسنہ چھوڑا ہے، اپنی وہ سنّتِ حقہ عطا کی ہے، جو ہر وقت اربابِ اولوالامر کے لئے ہدایت کا کام کرتی ہے جب کہ انہوں نے ایک مجمع کے سامنے یوں خطاب فرمایا تھا ان تابعت کتاب اللّٰہ فقرونی وان خالفت عزلونی۔ "اگر میں کتاب اللہ کی پیروی کروں تو مجھے مقرّر کرو، اگر میں اس کے خلاف چلوں تو مجھے معزول کرو"۔ اور جب کہ عرب کی کمسن حکومت کا سیدھا سادھا سفیر شرقی رومی حکومت کے برادرانِ دیرینہ سے ملا، اور انہوں نے اپنے جلیل القدر قیصر کی استبدادیتِ عظیم کی تعریف کی تو فرزندانِ وشتِ عرب نے نہایت افتخار کے ساتھ اپنے اور اپنے خلیفہ کی داستانِ تسلیم و رضا سُنائی جو وہ بتقلیدِ ابوبکرؓ اس اصول پہ رکھتے تھے ما ھو الا کاحد منا ان تابع کتاب اللّٰہ قررناہ ان خالف عزلناہ۔ "وہ (خلیفہ) کچھ نہیں ہے مگر ہم ہی میں سے، اگر وہ خدا کی کتاب کی پیروی کرتا ہے تو ہم اس کو مقرّر کرتے ہیں اور اگر مخالفت کرتا ہے تو معزول کر دیتے ہیں"۔ اور یہ صرف اس لئے ہے کہ خلیفہ کچھ بھی نہ تھا مگر ایک ہم ہی میں سے اور صرف خدا کے واسطے اور خدا ہی کے ذریعہ مسلمانوں سے تسلیم و رضا کا مطالبہ کرتا تھا۔ اُس کا مقدّس عہدہ دنیوی بادشاہوں اور معصوم بطریقوں کی تعبیر سے بھی ماورا تھا۔

لیکن دنیا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مسعود و مطہر کے عہدِ دہ سالہ

اور سی سالہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں ایک کامل و اکمل حکومت کی روشنی دیکھی، بعد ازاں جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ خلافت تیس ۳۰ سال رہے گی اور بعد میں ملوک اور جبابرہ حکمران رہیں گے، یہ عہدِ راشدہ ختم ہوگیا اور شاہی مستبدین کا زمانہ آیا۔ سوائے عمر بن عبد العزیزؒ کے کسی شخص نے بھی حکومت و سلطنت کے اجنبی اور ناآشنا مسئلوں سے مناسبت نہ رکھی۔ اس فاتح مصر و شام و ایران، شہنشاہِ فلسطین و عراق نے باوجود اقوامِ غیر کے اصولِ حکمرانی اختیار کرنے کے کبھی یہ شکایت نہیں کی کہ خدا کی کتابِ مبین جس کے اندر ہر رطب و یابس موجود ہے اور احادیثِ نبوی اُس ہدایت و رہبری سے معرّیٰ ہیں جو کنیڈی صاحب کا منتہائے خیال ہے۔ یہ کہنا کہ اُس نے خلیفہ ہوجانے کی خبر سُن کر قرآن کریم کو یہ کہہ کر بند کر دیا کہ "اب میرا آخری موقع ہے تیرے ساتھ" نہ حضرت عمرؓ کی بابت درست ہوسکتا ہے اور نہ اُن کے دو جانشین کی بابت۔ اگر اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ ہر ضرورت کے وقت مسلمانوں کے ایمان و ایقان کا سرچشمہ (قرآن کریم) خشک ہو جاتا ہے چونکہ اس جیل خانہ میں میرے پاس سوائے ان چند انگریزی کتابوں کے جو شاید ہم سے پہلے کسی سیاسی قیدی کو عطا کی گئی تھیں، اور جن کو وہ انگریز قیدی جو ہلکے مطالعہ کے جویا رہتے ہیں، ٹھکرا دیتے ہیں، کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے، مَیں اس گُمنام خلیفہ کی مثال نہ دیکھ سکا جس کا ذکر کنیڈی صاحب نے فرمایا ہے۔ اگر یہ قصّہ عبد الملک بن مروان پانچویں اُموی خلیفہ کا ہے جس کے زمانہ میں فتوحاتِ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا تھا اور جس کے عہد میں محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا تھا اور جس کے وقت میں بقول برطانوی مؤرخین انضباط اور استحکام سلطنت خُوب تھا، تو مَیں درخواست کروں گا کہ اس قرآن کریم کے بند کرنے والے کا انجام بھی قابلِ سماعت ہے۔ جس نے اپنے عہدِ حکومت کو شروع کرتے وقت آہ کے ساتھ قرآن بند کر دیا تھا۔ شاید وہ گہرا سانس تو اُس آہ سے کہیں زیادہ تھا جب کہ اُس نے اپنے دورِ حکومت کے اختتام پر اس واقعہ پر تاسف کے ساتھ دستِ حسرت مَلا تھا کہ وہ بجائے اشاعت و اعلائے حدیثِ نبوی

کے (جن کو کمشنر کنیڈی قبول نہیں فرماتے) فرماں روا ہوا، اور اُن گناہوں کا بوجھ سر پر لیا جو "مستحکم حکومت" سے پیدا ہوئے۔

کوئی مسلمان اس منضبط اصول پر معترض نہیں کہ حاکمِ وقت ضرور مجرم ہے اگر وہ دنیوی لازمی آئین کے عدم اجراء کی وجہ سے معاملاتِ مسلمانان اور دنیوی حکومت کو بربادی وتباہی پر لے جاتا ہے بشرطیکہ یہ لازمی اور دنیوی اصول خدائی قانون سے نہ ٹکراتے ہوں اور براہِ راست خدائی قانون نے ان کو منظور نہ کر لیا ہو۔ لیکن کوئی مسلمان بھی دُنیاوی و دینی قانون کے ایسے امتیاز کو گوارا نہیں کر سکتا جو چاک ہو جانے والا ہے، بخلاف اس کے ہر مسلمان ایسے قانون کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے گا جو مسلم حکومت جاری کر سکتی ہے اور خدائی قانون کی مخالفت نہ کرتا ہو بلکہ اس کے زیر ہدایت واضح کیا گیا ہو۔ مگر جج کنیڈی کا یہ مسئلہ کہ "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بغیر کسی امرِ حق کے قتل کر سکتا ہے" کس طرح دنیاوی قانون کے اجراء پر معذرت کر سکتا ہے جو نہ صرف خدائی قانون کی تردید بے واسطہ کرتا ہے بلکہ اُس کے صریح خلاف اور متضاد ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ مسئلہ ایجاد کردہ جج صاحب صرف عام مسلمانوں پر ہی نہیں ختم ہو جاتا ہے خلیفۃ المسلمین کی ذاتِ مقدس تک اپنا دستِ تطاول دراز کر کے اُس بے سبب اور جارحانہ جنگ کو بھی جائز قرار دیتا ہے جو خلافتِ عظمیٰ کے خلاف برطانیہ کی کافر حکومت کی طرف سے ایک مومن لڑ سکتا ہے اگر مسٹر کنیڈی کی یہ گرم گرم سیاست شریعت کی جگہ لے سکتی ہے تو کیا ایک مسلمان سپاہی یہ نہیں پوچھ سکتا کہ "یہ کس کے حکم سے" ہے۔ مسٹر کنیڈی فرماتے ہیں کہ اُس نے کتابوں میں پڑھا ہے، نیک اور متقی لوگوں کو ان بادشاہوں کو ملامت کرتے ہوئے جنہوں نے شاہانہ اصول پر کام نہیں کیا ہے بلکہ تارک الدنیا کی حیثیت سے شاید مسٹر کنیڈی کو یہ نہیں معلوم کہ یہ شدید ملامت متقی لوگوں نے نہیں کی ہے بلکہ اوّل خود مسلمانوں کے خدائے قدوس نے اور اُن کے نبی کریمؐ نے ہر ایسی گوشہ نشینی اور ترکِ تعلقات پر جو ممنوع قرار دی گئی ہے اسلام ایک صحیح ضابطہ اعمالِ زندگی کیلئے عطا

عطا فرماتا ہے اور یہ بلا امتیاز راعی و رعایا سب پر یکساں حاوی ہے، اور تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں اور عمومیت کے ساتھ حکم صادر فرماتا ہے۔ اگرچہ اسلامی شریعت دنیاوی انعام و آلام میں اتنی محویت، کو ناجائز قرار دیتی ہے جو انسان کو اپنے ادائیگیِ فرض سے معذور کر دے جو خالق و پرور دگار کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں، اور آنے والی دنیا کے انعام کو فراموش کر دے۔ یعنی آخرت کی سزا و جزا کو بھول جائے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ اُس کو اس دنیا میں رہنا ہے، چلنا ہے اور اپنی ہستی کو قائم و برقرار رکھنا ہے، اور وہ اُن فرائض کو نہیں بھول سکتا جو اور انسانوں کی خاطر اس کو ادا کرنے ہیں۔ ایک مسلمان کو اس دنیا میں رہنا ہے لیکن نہ یہ کہ اُس کا ہو جائے، اور اپنی وفاداری اور عبدیت کو ثابت کرنا ہے تمام اُن فرائض کو ادا کر کے جو خالقِ عالم نے اُس کے ذمہ اس عالمِ اسباب میں رکھے ہیں، نہ کہ اس دنیا کو ترک کر کے اور اُن فرائض کو پسِ پشت ڈال کر جو دنیا میں اس کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" یہ ہے وہ خدائی آواز جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوئی تھی تاکہ مومنوں کو تنبیہ آگاہ کر دیا جائے کہ عیسائی گوشہ نشینوں کے ان خلافِ فطرت ضوابط اعمال سے بچو، جو انہوں نے خود اپنے لئے ایجاد کر لئے ہیں حالانکہ خدا نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (سورہ الحدید) تب ہم نے اپنے رسولوں کو نوحؑ اور ابراہیمؑ کے عقب میں بھیجا اور تب ہم نے عیسیٰؑ ابنِ مریم کو بھیجا اور اُس پر انجیل اُتاری اور اُس کے مقلدین کے قلوب میں رافت اور رحمت ڈالی لیکن انہوں نے رہبانیت جاری کی حالانکہ ہم نے اُنہیں حکم نہیں دیا تھا، خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے۔ لیکن انہوں نے اُس پر عمل نہیں کیا جہاں تک کہ

عمل کرنے کا حق تھا۔ بعضوں کو ہم نے اتنا اجر دیا کہ وہ صاحب ایمان ہوئے لیکن بہت سے اُن میں کے فاسق ہوئے (سورۃ الحدید آیت ۵۷) اگر رافت اور رحمت کا نام رہبانیت ہے اور سوائے امرِ حق کے اور انسانی خود رویزی سے بچنے اور محترز رہنے کا نام جیسا کہ خدائی کتاب میں حکم کیا گیا ہے، رہبانیت ہے، تو یقیناً ہر مسلمان چاہے وہ بادشاہ ہو یا رعایا، ایک پکا رہبان ہے۔ اگر رہبانیت کا نام ترکِ دُنیا اور گوشہ نشینی ہے، اگر اس کا مطلب تاریک سنسان غاروں میں بسر کرنا یا ویران پہاڑوں کی برفستانی چوٹیوں پر عمر گزار دینا ہے تاکہ خدا کی رضا مندی حاصل کی جائے تو یقیناً یہ انسانی ایجاد کردہ غیر فطری اور ناقابلِ عمل ضابطہ ہے۔ جس کے لئے خدائی قانون میں کوئی حکم نہیں۔ نہ بادشاہوں کیلئے اور نہ گداؤں کیلئے یقیناً اس عالم کی خوشیوں اور عیاشیوں میں حد سے متجاوز مشغولیت قرآن کریم کی رو سے اتنی ہی ممنوع اور نامشروع ہے جتنی رہبانیت اور شاید اسلامیوں کا یہ ناز بالکل بجا ہے کہ اُن کے بہت سے افراد نے اپنی سادہ زندگیوں کو مرصع و مطلا تختِ شاہی کی بلندی پر بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مسٹر کنیڈی اپنے "افرادِ خاصہ" کی فہرست میں نورالدین زندگی اتابک موصل کا جو حضرت شیخ صلاح الدین سعدی شیرازی کے عم مکرم کا آقا اور پرورش کنندہ تھا، نام بھی داخل فرماتے ہیں کہ وہ اس قسم کی زندگی بسر کیا کرتا تھا اور جب اس کی محبوبہ زوجہ نے اُس سے التجا کی کہ وہ اُس وظیفہ میں ترقی کر دے جو اُس کو خزانہ عامرہ سے اخراجات کے لئے ملتا تھا تو اُس نے صرف اماسیہ اور حمص کی تین دکانیں اُس کو دے دیں۔ جب اس کی بیوی نے ان تین دکانوں پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا کہ آخر یہ وسیع سلطنت کس کی ہے؟ تو زنگی نے جواب دیا کہ وہ "خدا اور مسلمانوں کی"۔ "میری ملکیت تو صرف یہ تین دکانیں تھیں جو میں نے اپنی کمائی سے خریدی تھیں"۔ یہ ہے اسلامی خدائی جمہوریت جس کو مسٹر کنیڈی شدید ترین استبدادیت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ گھر کے گھر ہی میں اورنگ زیب ہے جس کی ذات ملامت اور مخالفت کا ہدف ہے

اپنی شہزادگی کے زمانہ میں لنکا کے غاروں میں جا بیٹھا تھا لیکن اپنی غلطی کو محسوس کر کے رہبانیت ترک کی اور ہندوستان کے عظیم الشان تختِ طاؤس پر جلوہ فرما ہو کر بھی اپنی حلال کمائی ترک نہ کی۔ وہ ٹوپیاں سیتا رہا، قرآن کریم کی کتابت کرتا رہا، لیکن سرکاری خزانہ کو نہ چھوا۔ بذاتِ خود ایک جو کی روٹی اور کوزہ پانی پر بسر کرتا ہندوستان کے اس عظیم الشان جلیل القدر شہنشاہ کے مرنے پر اُس کے پاس صرف "چند سکے" کل سرمایۂ حیات نکلتا ہے جو اُس کی تجہیز و تکفین پر صرف کیے گئے۔

دولت آباد کے ویرانہ میں اس کی خام اور سیدھی سادھی قبر اسلامی رہبانیت کی وہ بیّن مثال ہے جس کو اسلام نہ صرف جائز رکھتا ہے بلکہ حکم پابندی بھی دیتا ہے اتنا تو مسٹر کنیڈی کے فرمودہ پر کہا جا سکتا ہے کہ "متقی دُوں نے بادشاہوں کو اُن کی رہبانی زندگی پر شدید ملامت کی ہے"۔ اب ہم شہنشاہیت کے بحث طلب مضمون پر آتے ہیں جس کا متذکرہ بالا ملامت حکمرانوں کی رہبانی زندگی کے اوپر ایک عارفانہ دیباچہ تھا، اور جو بحث طلب مضمون نیازمند ہندوستانی سول سرونٹ کو بہت عزیز ہے جو نہ ہندوستانی ہے نہ سویلین اور نہ ایک غریب ملازم۔ مسٹر کنیڈی صاحب فرماتے ہیں کہ "تقریباً پہلی ضرورت دنیاوی قوانین کی یہ ہے کہ حکمران کی قوت اور اقتدار کو برقرار رکھا جائے"۔ یہ عجوبہ روزگار جذبات کی تار برقی جو شملہ کے سویلین اور سندھ کے دُور افتادہ سویلین کو متصل کر دیتی ہے۔ ایک طلسمی ذریعہ ہے جس کی وساطت سے ایک حاکمِ عدالت قانونی نے عمّال حکومت کیلئے تازہ قانون بنا دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ حریمِ شملہ کے انصاف سوز دل کی خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ "فرماں رواؤں کے اقتدار کو برقرار رکھا جائے"۔ لیکن یہ نہ تو اسلام کی تلقین تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اگر اقتدار حاکمِ دنیاوی اس وجہ سے قائم نہ رکھا جائے کہ وہ ایک احکم الحاکمین کا ایک نمائندہ ہے جو تمام کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو تلقین کرتے ہیں "خدا کے سوا اور کسی

کی حکومت نہیں ہے اور کسی کی بندگی کے لئے ہمیں حکم نہیں دیا جاتا مگر خالقِ دوجہاں کی۔ اور صرف یہی ہے مذہب کا سیدھا راستہ، اگرچہ بہت لوگ اُسے جانتے نہیں“۔ ایسے بادشاہ بھی ہیں جن کی اطاعت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب کہ وہ حقیقی معنی میں اپنے آپ کو ظلّ اللہ ثابت کر دیں اور یہ تو بالکل صحیح ہے کہ دوپہر کی دھوپ ہرگز نہیں پڑ سکتی اگر آفتاب کا وجود نہ ہو۔ بغیر اصلی شے کے سایہ پڑنا بلاواسطہ قطعی محال ہے جب تک کہ سایہ اصلی جسم کے ساتھ اور اُس سے جدا نہیں ہوتا تو بادشاہ بھی جو خدا کا سایہ ہے، رعایا کے اُس ادب اور عزت کا مستحق ہے جو اُس کا فرض ہے السلطان ظل اللہ فی الارض فمن اکرمہ اکرم اللہ ومن اھانہ اھان اللہ۔ ”بادشاہ اس پردۂ دنیا پر خدا کا سایہ ہے۔ پس جس شخص نے بادشاہ کی عزت کی اُس نے خدا کی عزت کی، اور جس نے بادشاہ کی توہین کی اُس نے خدا کی توہین کی“۔ لیکن جہاں کہیں سایہ اپنے وجود کو بغیر اصلی وجود کے ثابت کرتا ہے وہ ناپید ہو جاتا ہے اور کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔ مجسٹریٹ سپرد کنندہ کی عدالت میں میں نے بہت سی احادیث کا حوالہ دیا تھا جو اولوالامر منکم کی فرمانبرداری کے لئے حکم فرماتی ہیں لیکن اگر وہ حکام باوجود اس کے کہ ہم ہی میں سے ہوں خدائی احکام کے خلاف کوئی حکم دیتے ہیں اُس وقت ”نہ کوئی اُن کو سُنے گا اور نہ فرماں برداری کرے گا“۔ قرآن کریم اس سے زیادہ صریح اور کیا حکم دے سکتا ہے۔ وَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ ”اور تمہارے اور حاکموں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو تو خدا کی طرف رجوع کرو، اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو اور یومِ آخرت پر، یہ سب سے بہتر ہے تمہارے لئے اور سب سے اچھی تاویل“۔ خدا کے رسول نے شاید ہمارے موجودہ مقاصد کے لئے آئینہ استقبال میں دیکھ لیا تھا جو آنحضرتؐ نے اُس ابتلاء اور آزمائش کی بابت پیشین گوئی فرما دی ہے جو اُمتِ مرحومہ کو پیش آنے والی تھی۔ اگرچہ مسٹر کینیڈی تو

قانون کے خلاف چلنے کے لئے اگر ضرورت ہوتی ہے تو تاریخ سے اپیل کرنے لگتے ہیں اور خاطی انسان کی عدالت یوم النشور کو اُلٹ پلٹ کر دیتی ہے، اور خدائے ملک القدوس کو تختِ ربوبیت سے اُتار دیتی ہے۔ باب الفتن کے حصہ میں جہاں آنے والی ابتلاؤں اور فتنوں کی بابت احادیث ہیں، تمام واقعات دیئے ہوتے ہیں جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہوں گے۔ بالفقر اخشی علیکم ولکن اخشی ان بسط علیکم الدنیا فتنافسوھا کما تنافسو کان قبلکم فتقتلوا وتھلکوا۔ خدا کا سچا نبی ان الفاظ کے ساتھ متاسف ہوتا ہے "میں تمہارے فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا۔ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تمہارے سامنے ڈال دی جائے گی اور تم خود غرضانہ اس کے لئے آپس میں جھگڑو گے جیسا کہ تم سے پیشتر لوگ اُس کے لئے جھگڑتے ہیں اور تم آپس میں لڑکر تباہ ہو جاؤ گے"۔ آج ہم تباہی کے نزدیک آگئے ہیں اور یہ اپنے ہی ہاتھوں سے ہوا ہے۔ کیونکہ مسٹر کنیڈی "افرادِ خاصہ" نے دنیا کو اتنی وسعت کے ساتھ اپنے سامنے پھیلا دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے خود غرضانہ طور پر لڑے جھگڑے جیسا کہ اُس سے پہلے جو گذرے انہوں نے کیا تھا، اور مسلمانوں کو عمداً بغیر کسی سببِ صادق کے قتل کیا۔ کیا مسٹر کنیڈی کے ان "افرادِ خاصہ" کا فعل بھی ہمارے سنّت ہو گیا جس کو ہم دانتوں سے مضبوط پکڑیں اور خاتم النبیین اور اس کے سچے جانشینوں کی سنّت ترک کریں۔ اگر ایسی نظریں شریعت کی زبانی اور پیغمبری ہدایا کی جگہ لے سکتی ہیں تو یقیناً یہ شریعتِ حقّہ بھی قانون کی بے اصولی سائنس اور تمثیلوں کی پیدا کی ہوئی ہے، گمراہی بن جائے گی، جو خدا کی سیدھی سادھی مخلوق کو بہکا دے گی۔ کیونکہ اگر ابنِ زیاد کا شہدائے کربلا پر بربادی و تاراجی لانا خدائی قانون کو بدل سکتا ہے تو برطانیہ اس ناجائز اولاد کے باپ کے اہ کو کیوں حق بجانب نہیں سمجھتا۔ (ملاحظہ ہو نوٹ مترجم بابت زیاد) کیونکہ برطانیہ کی تعزیرات کے مطابق تو زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان اب بھی شراب نوشی اور زنا کے مرتکب ہوتے ہیں مگر یہ دونوں جرم ابھی تک حرام ہیں۔ تو پھر مسلمان کا قتل

عمد کیوں جائز رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ حجاج بن یوسف الثقفی نے حرم کعبہ میں بھی مسلمانوں کا قتل نہ چھوڑا۔ ویلٌ للعرب من شرٍّ قد اقترب قتلاھا فی النّار۔ افسوس ہے اہلِ عرب پر قریب آنے والی بُرائی کے واسطے، اُس کے مقتول دوزخ کی آگ میں جلیں گے۔ ویل للعمار تقتلوہ فئۃ الباغیۃ یدعوھم الی الجنۃ ویدعوھم الی النّار۔ "عمار کے واسطے افسوس ہے۔ باغی گروہ اُس کو قتل کر ڈالے گا جب کہ وہ اُنہیں جنّت کی طرف بُلاتا ہو گا، اور وہ اُس کو دوزخ کی طرف دعوت دے رہے ہوں گے۔"

اھلکہ امتی علیٰ ایدی اعیلمۃ من قریش۔ — میری اُمت کی تباہی قریش کے چند جوانوں کے ہاتھ سے ہو گی۔

سیکون فی ثقیف میسر وکذّاب۔ — بنی ثقف سے جلد ایک ظالم اور ایک کذّاب ہو گا۔

علمائے ہمعصر اور اُن کے تابعین متفق ہیں کہ "ظالم و جابر تباہ کرنے والا" جس کی بابت پیشین گوئی کی گئی تھی، مسٹر کنیڈی کے "افرادِ خاصہ" میں سے ایک تھا حجاج بن یوسف الثقفی، خلیفہ عبدالملک بن مروان کا جرنل اور صوبہ دار تھا، جس کے خوں ریز کارنامے اور بھیانک اعمال ہمارے لئے آسانی پیدا کر دیں گے تاکہ ہم ایک مسلمان کے قتلِ عمد پر قرآنی حدود اور استثنیات کی تشریح کر سکیں اور حسبِ فرمودہ جناب کنیڈی صاحب موجودہ زمانہ میں ہماری رہبری کریں گے کیونکہ عہدِ حیاتِ نبی تو کوئی راہِ ہدایت بتاتا ہی نہیں (نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا) عمار بن یاسر جو خدا کی راہ میں سب سے پہلا مقتول تھا جنگِ صفین میں مارے گئے تھے جس کی بابت جناب کنیڈی صاحب نہایت آسانی سے حوالہ دیتے ہیں۔ کیا ہم اُن کی موت پر افسوس کریں جو باقی لوگوں کو بہشت کی طرف بُلا رہے تھے۔ یا اُس خوں ریزی پر فخر کریں جس نے اُن مفسد باغیوں کو دوزخ کا ایندھن بنا دیا تھا۔ کیا ہم کو حضرت امام الشہداءؑ کی شہادت پر افسوس کرنا چاہیئے یا یزید کی فتح پر خوشی۔

جب کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری تباہی کا سبب یزید ہوا، اور دوسرے قریشی نوجوان جس میں امیر فیصل بھی شامل ہے جو آج کربلا میں یزید کا سچا جانشین ہے۔ یہ سچ ہے کہ امیرِ عالی مقام جناب علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تلوار کھینچی۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں جیسا کہ مسٹر کنیڈی خود بتاتے ہیں کہ خدا اُن سے راضی تھا۔ اور وہ شیرِ خدا تھے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگ جمل کے روز جس اُونٹ کا خون بہانے کے لئے آپ نے حکم دیا تھا، اس کا راکب کوئی اور نہ تھا بلکہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن سے خدا اور خدا کے رسول اتنے ہی راضی تھے جتنے حضرت علیؓ سے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے جو مثل علیؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ بیشک یہ بھی "افرادِ خاصہ" میں سے تھے۔ ہم مجبور ہیں کہ سنّتِ علیؓ کو دانتوں سے مضبوط پکڑیں۔ حضرت علیؓ نے کیوں ان کے خلاف تلوار اُٹھائی اور وہ لوگ کیوں حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کے واسطے آئے؟ یہ داستان تو کچھ لاینحل نہیں ہے۔ سیدھا سادھا قصہ ہے۔ لیکن ایسا قصہ نہیں جس طرح میاں کنیڈی صاحب روایت فرماتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف طلحہؓ اور زبیرؓ نے تلوار نہیں اُٹھائی تھی کیونکہ وہ لوگ تو بیعت کر چکے تھے، بلکہ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے یقینی اصرار کیا جس کو حضرت علیؓ مناسب موقع کے انتظار میں تعویق ڈالتے رہے۔ تاکہ قصاص کے خدائی قانون کو مناسب وقت پر جاری کر سکیں۔ "جان کا بدلہ جان ہے" قصاص کہلاتا ہے اور یقیناً قصاص میں بنی نوع انسان کی حفاظت بھی مضمر ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت چونکہ ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی اس واسطے انہیں وقت کی ضرورت تھی۔ جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی، وہ یقیناً ان کے اندازے میں خلیفۃ المسلمین کے باغی تھے۔ اور اُنہیں بغاوت کے جرم کی پاداش میں سزا دینا اور حسنات فی الارض کی اشاعت کرنا حضرت علیؓ کا فرض تھا۔ دوسری جماعت جس کو حضرت علی باغی سمجھتے تھے اپنے خیال میں حضرت علیؓ نے انکو چھپا رکھا

تھا، اس بنا پر دونوں گروہ نے اپنے آپ کو قرآنی قانون کے مطابق حق بجانب سمجھا، اور قرآن کریم کے اس استثنا کی حفاظت میں قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ "اور وہ جنہوں نے جان کے بدلے جان نہ لی یا امنِ عالم میں فساد ڈالا"۔

یوم جمل غلط فہمیوں کا دن تھا۔ روزِ جنگ کی شب میں یہ فیصلہ ہو گیا تھا، کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتل دے دیئے جائیں۔ لیکن یہ صلح ان قاتلوں کے خلافِ مرضی تھی جو بغرضِ قصاص سپرد کئے جانے والے تھے۔ اس لئے انہوں نے شب ہی میں فوج مقابل پر تیر اندازی شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ دونوں افواجِ مقابل میں جنگ و خوں ریزی ہوا۔ ہر دو جانب کے لوگ جو مفسدین کی کارروائی سے ناآشنا تھے، ایک دوسرے کو الزام دیتے تھے۔ اور جب کہ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ سے دورانِ جنگ میں ملاقی ہوئے تھے تو سخت گفتاری ہوئی اور ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے۔ لیکن جب صداقت کا اظہار ہوا تو حضرات طلحہؓ و زبیرؓ میدانِ جنگ سے لوٹ گئے۔ حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے ایک ہمراہی نے خلیفہ کا دشمن سمجھ کر مار ڈالا۔ اور جب حضرت کا سر مولا علیؓ کے سامنے لائے تو انعام و اکرام کی توقع کی۔ تو حضرت علیؓ نے اُس انعام کی بشارت دی جو حضور رسالت مآبؐ نے پہلے ہی اُن کے لئے تجویز فرما دیا تھا۔ بشر قاتل ابن صفیة بالنار "قاتلِ ابنِ صفیہ کو جہنم کی بشارت دے دو"۔ مسٹر کنیڈی کے انعامِ آخرت کے تخیلات پر اگر شرح کی جائے تو نہ معلوم اُس بشارت کا کیا حشر ہو۔ ایسی حالت میں ایک صحیح العقل بے تقاضا سردار کیا کرے گا۔ کیا وہ صرف دوزخ کی آگ کے خوف سے یہ فیصلہ دے گا کہ کون اصلی اور مستحق دعویدار ہے؟ خدا انہیں ناممکنات کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ ایک سپاہی ہرگز گناہ گار نہیں اگر وہ اپنے آقا یا قائد کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اگر کوئی گناہ ہے تو وہ سردار کا ہے نہ کہ سپاہی کا۔ میں مسٹر کنیڈی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسلام اور اُس کے مقدس قانون کو تنہا چھوڑ دیں۔ اپنے بریکٹن Bracton اور کوک اپان لٹل ٹن" کی خبر لو۔ اپنے بلیک سٹون کی شرح قانونِ ملکی کی خبر لو۔

اسلام کے اندر کسی کا گناہ دوسرے کے سر نہیں منڈھا جاتا۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ "کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔" حضرت عائشہؓ نے اُس وقت سمجھا جب حضرت علیؓ نے اُن کو رسولِ کریمؐ کے وہ الفاظ یاد دلائے کہ وہ (عائشہؓ) ایک روز اُس (حضرت علیؓ) سے لڑے گی۔ اور جب پر نبی تہامی نے حضرت عائشہؓ کو فہمائش کی تھی کہ وہ اپنے مکان کو ہرگز نہ چھوڑیں، اور اس فروگذاشت پر حضرت عائشہؓ عمر بھر تاسّف کرتی رہیں اور پھر کسی جھگڑے میں حصّہ نہ لیا۔ اور جس فروگذاشت کے کفارے میں وہ ہمیشہ غلام خریدا کرتیں اور آزاد فرما دیتیں۔ یہ اُس غلطی کی موزوں تلافی تھی جس کے سبب سوءِ اتّفاق سے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اگر مسٹر کنیڈی آئی سی ایس اپنے نقلی قرآن کو دیکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو انہیں سوجھ جائے گا کہ جنگِ جمل کے خونریز حادثہ پر اُن کو قرآن کے اندر کافی ہدایت ملے گی۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا
فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی
الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ
حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ج
فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ
اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ
فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝

اگر مسلمانوں کے فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں کا ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اُس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکمِ خدا کی طرف رجوع لائے۔ پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

کیا یہ اخوتِ اسلامی قائم رہ سکتی ہے، اگر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو عمداً قتل خصوصاً جب کہ ایک سپاہی ایک غیر مسلم حکومت کی ملازمت میں رہ کر خلیفۃُ المسلمین سے جنگ کرے، جائز ہو جائے۔ لیکن مسٹر کنیڈی کے پیشِ نظر تو اپنی اخوتِ قومی کا مقصد ہے۔ اس لئے اس کے نزدیک ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو عمداً ذبح کر ڈالنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ مسٹر کنیڈی کا فتویٰ اس مہم کا انجام نہیں ہے بلکہ یہ ذریعہ ہے اُس پُر اُمید انجام کا جس کے رونما ہونے پر اسلامی اخوت کا خاتمہ ہے۔

اگرچہ بادی النظر میں جنگِ صفین کا نتیجہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن فی الحقیقت وہ مختلف تھا۔ حضرت علیؓ کے مخالفین کچھ دوسری نوعیت کے آدمی تھے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ کے ایک رکن تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کا بحیثیت اُس خاندان کے سردار ہونے کے قصاص پر مصر ہونا حق بجانب تھا لیکن اس کارِ سیاہ کے مجرمین یوم الجمل میں تلافیٔ مافات کے لئے اپنی جانیں دے چکے تھے۔ نیز یہ کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کا خلیفہ ہونا تسلیم نہیں کیا تھا۔ ابتدائی مناقشوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگِ صفین حضرت علیؓ کی مخالفت کا بزورِ شمشیر اعلان تھا۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے یہ اعلان کھُلی ہوئی بغاوت تھی جیسا کہ اُس حدیث سے ظاہر ہے جو حضرت عمرؓ کی شہادت کے متعلق ہے۔ جب تک امام حسنؓ نے صلح نہ کر لی اور امیر معاویہؓ کو خلیفہ اور امیر المؤمنین قرار نہ دیا گیا، امیر معاویہؓ اس کے رفقاء کو فئۃُ الباغیہ کہتے تھے۔

دوسری شق کا مبحث ادعائے خلافت ہے لیکن یہ دیر طلب نہیں۔ اس لئے کہ حریفانِ خلافت کے متعلق جو حدیث ہے وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو معلوم ہے اور وہی ان گتھیوں کو سلجھانے کے لئے کافی ہے جو مسٹر کنیڈی کی تحریر سے پیدا ہوگئی ہیں جج صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ خلیفہ سے بغاوت کرنا، اس کی فوجوں کے مقابل ہونا اور اُس کو موت کے گھاٹ اُتار دینا احکامِ شریعت کے خلاف نہیں۔ نیز یہ کہ احترامِ خلافت کا مسئلہ سُنیوں میں ایک نئی بات ہے اور اُن باغیوں اور نئی اونچ اونچ والوں کا ایجاد کردہ ہے جو سلطان عبد الحمید کو معزول کر چکے ہیں۔ ثبوت کے لئے زوالِ خلافت کی مختصر تاریخ اور اُن متعصب شاہزادوں کے خود غرضانہ کارنامے پیش کرتے ہیں جنہوں نے رفتہ رفتہ خلافت کے ملکی مقبوضات کا خاتمہ کر دیا۔

یہ بہت ممکن تھا کہ جج صاحب "ہولی رومن امپایر" کی اس زمانہ کی تصویر کو بھی جس زمانہ میں والٹیر نے اس سلطنت کو نہ رومی ہی پایا اور نہ ہولی، اسی رنگ میں کھینچتے۔ بہتر تو یہ تھا کہ صاف کہہ دیتے کہ رومی سلطنت کو مقدس کہنا ہی بے بنیاد ہے۔ یا انصافاً یہ فرماتے کہ روم کی مقدس سلطنت کا صفحہ ہستی پر وجود ہی نہ تھا بلکہ پاپائے روم کی قدر و منزلت اس وقت ہوئی جب چند رومن کیتھولک نے پاپا کو کری نل پیلس سے نکال کر ویٹرن میں قید کر دیا، اور اپنی غرض کے لئے اس کو ہز ہولینیس کہنا شروع کیا۔ اور اپنے بیان کی وجہ یہ ٹھہراتے کہ تھوڈیسا اور مارو زاد کے عاشقوں نے اپنی زندگی حرام کاری میں گزاری جو عیسائیوں کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے، اور خصوصاً ایسے عیسائیوں کے لئے جنہوں نے اپنی زندگی مذہب کی نذر کر دی ہے اور تمام عمر تجرید کا عہد کر چکے ہیں۔ یا یہ کہ روم کے سینٹ پیٹر میں سنگِ مرمر کا بنا ہوا ایک پوپ کی لڑکی کا برہنہ مجسمہ نصب ہے جو ولد الزنا تھی اور جس کے عیوبِ برہنگی ڈھانکنے کے لئے دوسرے پوپ نے محض پاسِ حیا کے خیال سے ایک لوہے کی چادر چڑھوا دی تھی جس پر ہاتھی کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ بہرکیف نہ تو مسٹر لائڈ جارج اور

نہ مسٹر اسکوتھ، مسٹر کینیڈی کے اس بیان کہ خلیفہ مسلمانوں کا ایک دینی پیشوا مان لیں گے، اس لئے کہ یہ انگریز مدبّر خلیفہ کو دنیوی اختیارات سے محروم کرنے کی غرض سے اُس کو دنیوی سردار تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اسلام کے ایک خاص مذہبی شعبہ کا پیش رو ٹھہراتے ہیں۔

لیکن اسلام دینی اور دنیوی پیشوا میں امتیاز نہیں کرتا۔ یہ فقرہ مسلمانوں کے خلیفہ اور امیرالمومنین پر چسپت نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ اُس مذہب سے عاریتہً لئے گئے ہیں جس کی تاریخ کا زمانہ تین سو برس سے زائد ہے اور جس میں کسی دنیوی اختیار کو دخل نہیں۔ بلکہ یہی امتیاز تھا جس نے ایک غیر متناہی جنگ کا سلسلہ پوپ اور بادشاہ کے اختیارات کے مابین پیدا کر دیا، اور ایسی آگ بھڑکائی جو آج تک ٹھنڈی نہ ہو سکی۔ خلیفہ پیغمبر کے جانشین ہوتے ہیں اور رسالت کے فرائض تو نہیں ادا کرتے، لیکن دینی اور دنیوی دونوں اقتدار رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نائبانِ نبی ان دونوں اختیارات کے مستحق ہیں۔ پیغمبر خدا کا نائب ہوتا ہے۔ اس لفظ "نائب" کو ایک انسان کی ذات سے منسوب کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مسٹر کینیڈی کو انگشت بدنداں نہ ہونا چاہیئے۔ خدا غیر محدود ہے وہ محدود لباس میں نہیں سمایا کرتا اور نہ وہ "فرزند خدا" یا کسی دوسری جون میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لازمی طور پر ایک شخص کو اپنا جانشین یا نائب بنا کر بھیجتا ہے، جو دُنیا میں آکر اس کی نیابت کیا کرتا ہے۔ مسٹر کینیڈی نے جو مسجد کے حجرہ نشینوں کا مذاق اُڑاتے ہیں اور پارینہ روایتوں کی چھان بین کرنے والوں پر قہقہہ لگاتے ہیں غالباً قرآنِ پاک کو نہیں پڑھا، جس میں انسان کو مکرر سہ کرر زمین کا خلیفہ کہا گیا ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ موجود ہے۔ قبل اس کے کہ انسان کی تخلیق ہو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ۔ اور جب اُس نے اُس کو پیدا کیا اور جوہرِ عقل سے آراستہ کیا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ قادرِ مطلق کی تازہ ترین صنعت کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ مسٹر کینیڈی کے لئے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تمام فرشتے سرنگوں ہو گئے اِلّا ابلیس۔ جس نے نہایت تکبّر کے ساتھ انسان کا خلیفہ ہونا مسٹر کینیڈی

کی طرح تسلیم نہیں کیا، اور مرتد ہو گیا۔ پہلے خلیفہ کے پہلے دشمن نے خلیفہ کو روضۂ دارالسلام سے نکالا تو ضرور، لیکن زمین پر لا بٹھایا۔ مگر خدا کے آخری پیغمبر کے موجودہ خلیفہ کو یہ نئے دشمن صریحاً زمین سے بھی باہر نکال دینا چاہتے ہیں۔

دوسرا لفظ خلیفہ کا حضرت داؤد کے تذکرہ میں آیا ہے۔

"اے داؤد، ہم تجھے زمین کا خلیفہ بنائیں گے، اس لئے تُو بنی نوع انسان کے درمیان انصاف کر اور اپنی خواہش کو راہ نہ دے۔ یہ تجھے خدا کے راستہ سے دُور کر دے گی۔ بے شک جو خدا کی راہ سے بھٹک گئے ہیں ان کیلئے بڑا سخت عذاب ہے وہ یوم الحساب کو بھول گئے ہیں"۔

اس معنی میں خدا کے آخری خلیفہ حضرت محمدؐ تھے کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں، اُن کی وفات کے بعد اُن کا جانشین نائب رسول کہلاتا ہے۔ اور مختصر طور پر خلیفہ اور امیرُ المومنین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ نے بھی کم سے کم ایک موقع پر آنیوالے مہدی کو خدا کا خلیفہ فرمایا ہے۔

"جب کبھی کسی پیغمبر نے قضا کی تو اُس کی جگہ دوسرا بھیجا گیا۔ لیکن یقین جانو میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا مگر خلیفہ اور ان کی تعداد کثیر ہوگی"۔

اصحابؓ نے دریافت کیا یا حضرت! ہم لوگوں کے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا:

"تم آنے والے خلفاء کے یکے بعد دیگرے وفادار رہنا۔ تم اپنے فرائض بجا لاؤ، خدا اُن سے اُن کے اعمال کی باز پُرس کرلے گا"۔

یہ حدیث اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ خلیفہ ابتدا ہی سے ایک مخصوص تقدس رکھتا ہے جس کی مثال اُن نبیوں میں پائی جاتی ہے جو اسلام سے پہلے گذرے ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ کے فرماں بردار ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ باستثناء چند موقعوں کے جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں، خلیفہ کے احکام کی نافرمانی نہیں ہو سکتی۔ میں دوسری حدیث بھی پیش کروں گا جس سے ثابت ہے کہ صرف کھلے

ہوئے ارتداد کی صورت میں خلیفہ کے خلاف جنگ کی جاسکتی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے فرائض انجام دیں، اور خلفاء کے معاملات کو خدا پر چھوڑ دیں۔ خدا اُن سے باز پُرس کرلے گا۔

اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہو سکتی ہے یا یوں کہئے اس سے زیادہ اور مدبری کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ ابو حذیفہ حضرت کے ایک صحابی تھے اور اُن احادیث کی حفاظت کے لئے مشہور تھے جن کا تعلق مسلمانوں کے آئندہ مصائب سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت نے ایک حدیث میں خبر دی ہے کہ ایک زمانہ میں خلیفہ ظالم اور سفاک ہوا کریں گے۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ کہیں وہ زمانہ میری حینِ حیات میں نہ آ جائے، حضرت سے دریافت کیا کہ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت نے بے تامل فرمایا "خلوص کے ساتھ اُس کی اطاعت کرنی چاہیئے، اگرچہ وہ ظالم اور نامنصف خلیفہ سو دُرّوں کا بیجا حکم ہی کیوں نہ دے"۔ اس طرح ایک طرف تو حضرت داود کو جو بذاتِ خود نبی اور خدا کے خلیفہ تھے، یہ تاکید ہے کہ وہ اپنی رعایا کے درمیان انصاف اور عدل سے کام لیں اور اپنی ذاتی اور گمراہ کرنے والی آرزوؤں کو بالائے طاق رکھ دیں۔ کہیں وہ گمراہ ہو کر یوم الحساب کو نہ بھول جائیں جس دن وہ خدا کے سامنے اپنے اعمال کا حساب پیش کریں گے، اور غفلت اور بے پرواہی کی صورت میں عقوبتِ شدید کے مستوجب ہوں گے۔ دوسرے یہ حکم ہے کہ مسلمان بغیر کسی تصنع کے ایک ایسے شخص کی اطاعت کریں جو اُن ہی کی طرح ایک بندۂ خدا ہے اور جو رسالت کا مدّعی نہیں بلکہ جس کو انہوں نے خود اس درجہ پر پہنچایا ہے لیکن وہ نبی کا خلیفہ ہے، اور اس معنی کر کے خدا کا سایہ۔ مسلمان کو اس کی فرمانبرداری سے باوجود جسمانی تکلیف اور ذلتوں کے منہ نہ موڑنا چاہیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بادشاہ خود مختار نہیں، بلکہ وہ جمہور کا نمائندہ ہے جس کے سر پر ذمہ داری کا ایک بارِ گراں ڈال دیا گیا ہے۔ وہ خدا اور انسان کے نزدیک ذمہ دار ہے لیکن اس کے ساتھ ہی کسی قسم کی بدعنوانی خواہ وہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہو یا ناقابلِ برداشت اشتعال

کی وجہ سے، ہرگز روا نہیں رکھی گئی۔ یہ ممکن ہے کہ خلیفہ اپنے شخصی اقتدار کو لوگوں کی نظر میں اپنی زشت کاری سے کھو دے۔ لیکن خلیفہ کا عہدہ مقدس تھا اور ہے مسلمان اپنے فرائض کے جواب دہ ہیں اور خلیفہ اپنے فرائض کا۔ یہ ضرور ہے کہ مسلمان اُس وقت خلیفہ کے حکم کے پابند نہیں ہیں جب وہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کا صریح حکم دے۔ لیکن دوسری صورتوں میں مسلمان اپنے خلیفہ کے خلاف نبرد آزمائی نہیں کر سکتا۔

بجز اس کے کہ تم کھلم کھلا ارتداد دیکھو
جس کو خدا کے حضور میں دلیل ٹھہرا سکو

قرآن شریف نے جب مسلمانوں کو خلافت کا مژدہ دیا تو اُس کے الفاظ یہ تھے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورہ نور۔ ع ۷)

جس طرح خدا نے اگلوں میں سے خلیفہ بنایا تھا اسی طرح اب ان کو خلافت بخشنے کا وعدہ کرتا ہے جو تم میں سے سچے مسلمان ہوں، اور جو نیکی کیا کرتے ہوں بیشک وہ اُن کو اطمینانِ قلب عطا کرے گا جو اُس سے خوفزدہ ہیں اُس کی عبادت کرو اور اُس کا شریک کسی کو نہ سمجھو۔ یقیناً وہ تمہارے لئے ایک مذہب پیدا کرے گا جس کو وہ خود پسند کرتا ہے۔ جو دینِ راست کو قبول نہیں کرتا وہ غلط کار ہے

اسلامی خلافت یہی وعدہ ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ خدا کی عبادت کی جائے اور اُس کے فرمان کے آگے کسی دوسرے کے احکام کی پروا نہ کی جائے۔ قرآن پاک کی پہلی وہ آیت جس میں مسلمانوں کو اپنے ظالموں کے مقابل میں تلوار اُٹھانے کا صریح

حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾

(سورۂ حج آیہ ۳۹ تا ۴۱)

اُن مسلمانوں کو جو کافروں کے ہاتھ سے مظلوم ہو رہے ہیں تلوار اُٹھانے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ واقعی مظلوم ہیں۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔ وہ ان کو نصرت دے گا جو بلا کسی معقول وجہ کے خانہ برباد کئے گئے ہیں۔ یا محض اس لئے کہ وہ خدا کو اپنا معبود کہتے ہیں اگر خدا بعض حکمرانوں کو غارت نہ کر دیتا تو معابدوں کا جہاں خدا کی تسبیح و تہلیل بکثرت کی جاتی ہے نام نشان تک باقی نہ رہتا۔ یقیناً جو خدا کی طرف ہیں خدا اُن کی پوری پوری اعانت کریگا یقیناً وہ نہایت زبردست اور طاقتور پناہ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر خدا حکومت دے تو یہ زمین پر خدا کا نام جاری رکھیں گے۔ خیرات و زکوٰۃ دیں گے، اخلاقِ حسنہ کی تعلیم و اشاعت کریں گے اور لوگوں کو سیہ کاریوں سے روکیں گے۔ تمام چیزوں کی انتہا خدا ہے۔

حضرت کی وفات کے تیس برس تک جو خلیفہ ہوئے وہ مُلک گیر نہ تھے لیکن اُن کے بعد کے خلفاء عموماً بادشاہ بھی ہوتے تھے۔ انہوں نے بسا اوقات اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں کوتاہی کی اور خود غرضی کی بدولت دنیا کے حریص ہو گئے یا بعضوں نے

جس میں مسٹر کنیڈی کے "متعصب شاہزادے" بھی شامل ہیں - بجائے اس کے کہ وہ غلط کاریوں کی اصلاح کرتے اور سیہ کاروں کو سزا دیتے، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا تیار کر لی - نتیجہ یہ ہوا کہ ممالکِ مقبوضہ کی تقسیم زود تر عمل میں آگئی، اور طوائف الملوکی کا دَور دورہ شروع ہو گیا - یہاں تک کہ آج خلافت کی شمع سنبھالے لے رہی ہے خلیفہ انگریزوں کا قیدی ہے - انگریز اُس کے دارالسلطنت میں خود مختارانہ فرمانروائی کر رہے ہیں - مدافعت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی - خلیفہ کے بود و باش کا محل انگریزی بیڑوں کی زد پر ہے -

خلافت کی ضرورت اور پہلی ضرورت تو مذہب کی پشت و پناہی ہے، اور اس کے بعد سب سے بڑی ضرورت دنیوی اقتدار ہے - اسی ضرورت کی وجہ سے پاکباز مسلمانوں نے خلافت اور بادشاہت کا دست بدست ہونا قبول کر لیا - دنیوی اقتدار کی تنہا نشانی جو کہی جا سکتی ہے وہ قسطنطنیہ کی گورنمنٹ میں نہیں ملتی - بلکہ اُس گورنمنٹ میں پائی جاتی ہے جس کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے انگورہ میں سر دست قائم کیا ہے - پھر بھی تعجب یہ ہے کہ اُس اکیلی نشانی کو مٹا دینے کے لئے خلیفہ نے انگریزوں کے ایما سے افواجِ خلافت روانہ کیں - افسوس! کیا اسلام اس سے بھی زیادہ مصیبت میں ہو سکتا ہے؟

کیا تماشا ہے کہ جب علمائے کرام اور دیگر مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے ایسے مُلک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی تمام دنیا سے زیادہ ہے، ان کی پستی کے اسباب یعنی احکامِ خدا کی فروگذاشت جو یکساں طور پر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہے معلوم کر کے قومی بیداری کی تدبیریں کرتے ہیں تو مسٹر کنیڈی جوڈیشل کمشنر کے لئے لازم ہوتا ہے کہ ان تدابیر کو قابلِ پاداش قرار دیں - اور یہی بس نہیں، بلکہ اُن کو خاموشی کی تعلیم دیتے ہیں اور دفعتاً فوقتاً پند و نصیحت کو منع فرماتے ہیں - آپ کے نزدیک اگر وعظ کہنا ہی فرض ہے تو نغمہ و سرود کے شغلے اور ریشمی لباس کے پہننے کی ممانعت کرنا چاہیئے - بیشک ان باتوں کی روک تھام لازمی ہے - کوئی مسلمان

گناہ کو خواہ کسی کا ہو، روا نہ رکھے گا۔ لیکن خدا نے خود اس موقع پر فیصلہ کر دیا ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ تم پہلے گناہ کبیرہ سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے گناہ صغیرہ کو معاف کر دیں گے۔ اب سُوال یہ ہے کیا ہم کو ایک بے محل وعظ ریشمی لباس اور نغمہ و سرود کے عدمِ جواز پر دینا چاہیئے یا ایک بر محل تقریر ہر اسٹیج پر کھڑے ہو کر اُن مسلمان سپاہیوں کے خلاف کرنی چاہیئے جو بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے بھائی مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور اُس شخص کے خلاف جنگ کر رہے ہیں جو دنیا میں اُن کا سب سے بڑا فرمانروا ہے، جو اُن کے رسولؐ کا جانشین ہے، جو اُن کے خدا کا سایہ ہے اور یہ کہ جنگ بھی اُس حالت میں کر رہے ہیں جب وہ کافر اور ظالم گورنمنٹ کی ملازمت میں محض سوکھے ٹکڑوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ شاعر نے کس قدر سچ کہا ہے ؏

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

مسٹر کنیڈی نے باوجود اپنی تعجب خیز علمیت کے اس ارتداد کی طرف دعوت دی ہے۔ نہیں نہیں! مسٹر کنیڈی، آپ اپنا چلتا دھندا کیجئے، اور قرآن کے مقلدین کو چھوڑ دیجئے۔ کیا اللہ اپنے طالبوں کے لئے کافی نہیں، ہمارے لئے وہی بس ہے اور باقی ہوس ہے۔

مسٹر کنیڈی دریافت فرماتے ہیں۔ اگر خلافت کے مدعی ایک سے زیادہ ہوں تو مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہو گا؟ اسلام کوئی نامکمل مذہب نہیں۔ خاتم رسالت نے جس وقت عالمِ جاودانی کی راہ لی، اسلام کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ مسٹر کنیڈی اگر چاہیں اس کے اتمام کی کوشش کر دیکھیں۔ ہماری اطاعت کا مستحق خلیفہ اوّل ہے اور اس کے بعد اس کا جانشین، جیسا کہ متذکرہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔ لیجئے دوسری حدیث جو اوّل سے بھی زیادہ واضح ہے، حاضر ہے۔ "جب وہ خلیفہ تم سے وفاداری کے خواستگار ہوں تو خلیفہ دوم کو قتل کر ڈالو"۔ (حدیث شریف صحیح بخاری اور مسلم) مسٹر کنیڈی اس حدیث کو دیکھئے۔ یہاں ایک بھائی مسلمان کو قتل کر ڈالنے کا حکم محض ہدایۃً نہیں ہے بلکہ قطعی حکم ہے اور ناطق فیصلہ ہے۔ یہی ہے کہ آپ کا شریفِ مکہ اور نہ کوئی دوسرا قریشی

بچہ باوجود تخت و تاج کی ہوس کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اُس کو خوف ہے اور اُس کا خوف کھانا بجا ہے، اس لئے کہ صریح حکم ہے کہ قتل کر دو۔ اگر ضرورت سمجھتے ہو تو دوسری حدیث بھی سُن لیجئے۔

"جب تم اپنا منتظم مقرر کر لو تو اُس شخص کو جو تم میں نفاق ڈالتا ہو، قتل کر ڈالو، خواہ وہ کوئی ہو"

بیشک، خواہ وہ انگریزوں کا شریفِ مکہ ہو یا حضرت ہی کے خاندان کا چشم و چراغ کیوں نہ ہو، جس کو عربی سلطنت کے سبز باغ سر ہنری میک میکن سابق سکرٹری آف انڈیا اور چند روزہ ہائی کمشنر آف مصر نے دکھائے ہوں۔ ایسے جابرانہ حکم کی وجہ ظاہر ہے وہ کوڑوں کا حکم جو حضرت ابو حنیفہ کو اپنی پیٹھ پر برداشت کرنے کے لئے دیا گیا ہے، اس امر کی بیّن دلیل ہے۔

مسلمانوں کو ایسی جنگ میں حصہ نہ لینا چاہیئے جس کا نتیجہ اخوت کا خاتمہ اور قوم کی تباہی ہو۔ اگر خلیفہ مسندِ خلافت کے شایاں نہیں ہے تو اُس کو معزول کر دو لیکن اگر پاکباز سے پاکباز اور لائق سے لائق مسلمان خلافت کا دعویٰ محض اس لئے کرے، کہ خلیفہ نا اہل ہے تو اُس کو اُس کی گستاخی کی سزا دو۔"

اگر یہ صحیح ہے تو مسٹر کنیڈی کے شاہزادوں اور دیگر مسلمانوں کا جنہوں نے خلیفہ سے جنگ کی ہے اور اس کی عینِ حیات میں خلافت کا دعویٰ کیا ہے، کیا حشر ہو گا۔ مجھے ان کی حالت پر افسوس ہے۔ اگر مسٹر کنیڈی کا یہ مشتبہ بیان صحیح بھی مان لیا جائے کہ قرطبہ، سویل اور طلیطلہ کے علماء نے ہسپانیہ کے عبد الرحمٰن کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا تو یہ ہمارے لئے ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ اُمیّہ اور نہ کوئی عباسیہ خلیفہ اس طریقہ سے مقرر ہوا، جس طریقہ سے پہلے چار خلیفہ مقرر ہوئے تھے، یعنی بذریعہ انتخاب یا بوسیلہ نامزدگی جس کو کافۃ الناس نے تسلیم کر لیا ہو۔ لیکن چونکہ اُن کے قبضہ میں دنیوی طاقت یعنی بادشاہی تھی جس کا وہ جائز استعمال اسلام کی حفاظت میں کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے علماء نے حضور مقبول کی پیشین گوئی پر نظر ڈالتے ہوئے کہ خلفاء

کی تعداد کثیر ہوگی اور وہ بادشاہ بھی ہوں گے، اور دوسرے بجنیال اسلام کی بہبودی اور بہتری کے، اُن کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ بالجبر والاستقلال۔ عبدالرحمٰن جو عباسی اور عجمی مخالفین کے ہاتھوں سے کسی طرح جانبر ہوگیا تھا، ایڑی چوٹی کا زور لگاتا رہا، کہ بنی اُمیہ کا سلسلہ قائم رہے اور نوخیز عباسی اُس کا نام و نشان مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ نیز یہ کہ یورپ کے آئبیرین جزیرہ نما کے حلقہ کے باہر اور افریقہ کے دُور دراز مغربی گوشوں میں بنی اُمیہ کے خلفاء کو خلیفہ نہیں کہتے۔ اس میں کلام نہیں کہ بہتیرے "متعصب شاہزادوں" نے جنہوں نے اسلام کی حفاظت ہسپانیہ میں کی ہے، اسلام کی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن قابلِ غور یہ ہے کہ مسلمانوں کا قومی اقتدار کس قدر ہو جاتا اگر تمام دنیائے اسلام میں ایک ہی صدر خلافت ہوتا، جس کے ہر آئندہ خلیفہ کا انتخاب جمہور اسلام کرتا، یا دنیا سے گذرنے والا خلیفہ اپنا جانشین جمہورِ اسلام کی پسندیدگی سے نامزد کیا کرتا۔ ایک عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کو امیر معاویہؓ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ آج تمام یورپ میں اسلام کا دور دورہ نہیں ہے۔ صفین کے جگر خراش واقعہ پر جسقدر آنسو بہائے جائیں وہ کم ہیں۔ لیکن سانحہ کربلا کو کیا کہیں گے جس میں جنگ صفین کے فریقین کے صاحبزادگان شریک تھے۔ کیا کوئی مسلمان شیعہ ہو یا سُنّی، اس مجنونانہ اور نامنصفانہ سفید جھوٹ کو جو عدالت میں کہا گیا ہو، بھول سکتا ہے کہ "حسین ابن علیؓ عراق کیوں تشریف لے گئے"؟ میرے خیال میں وہ دجلہ اور فرات کے پانی کی تمنّا نہیں رکھتے تھے اور نہ بصرہ یا کوفہ میں وعظ و پند فرمانا چاہتے تھے بلکہ وُہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک شجاع شاہزادہ کی طرح شمشیر بکف تشریف لے گئے۔ بیشک وہ اپنے حقوق یا اپنے نانا کے حقوق کی حفاظت کے لئے شاہزادوں کی طرح تشریف لے گئے اور کیوں نہ لے جاتے ہ

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ

سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسینؓ

یہ حضرت حسینؓ کی اور ہر مسلمان کی جو اپنے حقوق کو یزید اور یزید کی طرح آئندہ آنے والوں کے خلاف برقرار رکھنا چاہتا ہے، نہایت صحیح اور سچی تعریف ہے۔ شاید مسٹر کنیڈی کے لئے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ عبارت کسی شیعہ کے زورِ قلم کا نتیجہ نہیں ہے جو خلافت اور جانشینی کو اہلِ بیت تک محدود سمجھتا ہے بلکہ ایک سُنّی المذہب درویش کی لکھی ہوئی ہے جو آج تک سلطان الہند کے نام سے مشہور انام ہے اگرچہ مدتیں گذریں کہ وہ راجپوتانہ میں اجمیر کی پہاڑی چوٹی پر محوِ خواب ہے۔

حضرت حسینؓ، حضرت علیؓ یا بنی ہاشم کی دنیوی میراث کے لئے اپنے قدیمی اعداء بنی امیہ کے خلاف تیغ آزمائی کرنے تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ اُس دینی اور دنیوی میراث کے لئے جس کا مستحق ہر مسلمان ہے جس کو رحمۃ للعالمین نے ہر مسلمان کے لئے وقف کر دیا ہے، یعنی احکامِ خدا کی خلاف ورزی کرنے والا مسلمانوں پر حکمران نہیں ہو سکتا۔ دجلہ اور فرات کے شیریں چشموں نے حضرت حسینؓ کو چاہِ زمزم کے کھاری پانی سے نہیں چھڑایا تھا۔ لیکن ہاں آبِ شہادت کی مٹھاس نے۔ وہ کربلا یا بصرہ وعظ فرمانے کے لئے تو نہیں گئے، لیکن لوحِ کربلا پر اُنہوں نے اپنے خون سے وہ سبق تحریر کر دیا ہے جو ہر انسان کی حشر تک رہنمائی کرتا ہے۔

پہلی وہ قربانیاں جس میں ایک وہ تھی جس کو خانۂ کعبہ میں حضرت اسمٰعیل نے پیش کیا، اور دوسری ہرم میں جس وقت حضرت عیسٰیؑ کو صلیب دی گئی "لوگوں نے اُس کو نہ صلیب دی اور نہ جان سے مار ڈالا۔ لیکن خدا کی نذر اُس کے بجائے رکھ دی گئی اور وہ اُٹھا لیا گیا" خدا نے چھو کر واپس کر دیں۔ لیکن یہ تیسری قربانی بحمد اللہ قبول کر لی گئی۔ تاکہ دینِ مستقیم کی بنا راسخ ہو جائے۔ اسلام کا سنگِ بنیاد وہ سر ہے جس کو حسینؓ نے بجائے اپنے ہاتھ کے دیا ہے۔

جس وقت حضرت حسینؓ کو معلوم ہوا کہ سیریا ایسے زبردست مقام میں لوگوں کی

ایک کثیر تعداد نے یزید کو خلیفہ مان لیا ہے تو انہوں نے یزید کے نائب سے کہا کہ تم ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی اجازت دو۔ یا تو یہ تم مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اس کو واقعات سے آگاہ کر دوں، یا اجازت دو کہ میں حجاز واپس چلا جاؤں یا یہ کہ مجھے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دو۔ (اس تیسری تجویز کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے خود کس قدر پسند کیا ہوگا)۔ لیکن اس ظالم اور خون کے پیاسے نے کسی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اور مجبوراً وہ جوہر شجاعت جو دنیا کی تاریخ میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیتا، ایک ایسی جنگ میں نمایاں ہوا جس میں فریقین کی طاقتیں مساوی نہ تھیں۔ گنے گنائے بہتر ۷۲ نوجوانوں نے ہزاروں کا مقابلہ کیا۔

شہیدانِ کربلا کے لئے مسٹر کنیڈی کا یہ فقرہ "متعصب شاہزادے جنہوں نے ایک مسلّمہ خلیفہ کا مقابلہ کیا اور اپنی خود غرضانہ بناء پر تلوار اٹھائی" باعثِ ننگ ہے۔

عام اس سے کہ قرطبہ، سویل اور طلمہ کے علماء نے کیا کیا۔ یہ علمائے اسلام پر تہمت ہے کہ انہوں نے اس متعصبانہ کارروائی پر نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ امام ابو منصور جو تیسری صدی کے ایک مشہور شخص سمرقند میں گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہمارے وقت کے بادشاہوں اور شاہزادوں کو جو شخص عادل کہتا ہے وہ کافر ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ سب ظالم اور شریعت کے مٹا دینے والے ہیں۔ اسی طرح امام جعفرؒ جو بخارا میں دو صدی بعد پیدا ہوئے، ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ اس وقت کے بادشاہوں کو عادل کہا جائے یا نہیں، فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بعض فقرے کفر کی حد تک پہنچتے ہیں، اور بعض گناہ سے مملو ہیں، کیونکہ وہ سب کے سب نااہل اور دغا کے پتلے ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب نے جن کی بیش قیمت امداد کا میں ممنون ہوں،

سینکڑوں مثالیں فراہم کی تھیں، لیکن میری رائے سے جیوری کے سامنے پیش نہیں نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ مدعی کی طرف سے کوئی شہادت اس قسم کی نہیں گذری جس کا بطلان ضروری ہوتا۔ لیکن یہ خبر نہ تھی کہ جج صاحب خود گواہ بن جائیں گے اور ایک

غلط تاریخ کا جوڈیشل نوٹس لیں گے۔ جج صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایسا محض میری رائے سے کیا ہے۔ کیونکہ میں نے کہا تھا کہ انصاف تو یہ ہوتا کہ ایسی شہادتیں پیش کی جاتیں اور وہ قانونی کسوٹی پر پرکھ لی جاتیں۔ لیکن جیسا میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ وہ عالم صاحب جو مسٹر راس السٹن کے ہمراہ تشریف لانے والے تھے اُس وقت کراچی پہنچے جب جج صاحب خود ہی شاہد بن کر ایک غلط شہادت دے چکے تھے۔

خواہ مذکورہ بالا شریعت کی رُو سے، خواہ اُس شریعت کی بنا پر جو بازاری کتابوں میں پائی جاتی ہے، جوڈیشنل کمشنر صاحب ہوا سے باتیں کرتے ہیں اور اپنے زعم میں اپنے دعوے کی تردید ناممکن سمجھ کر فرماتے ہیں کہ ان متعصب شاہزادوں نے صرف مسلمہ خلیفہ ہی کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ اپنے دامن کو ہمیشہ گناہ کے لوث سے پاک سمجھتے رہے"۔ بہتر تو یہ تھا کہ مسٹر کنیڈی جو محض دنیوی معاملات پر رائے زنی کرنا جانتے ہیں سزا اور جزا کے مسئلہ کو خدا پر چھوڑ دیتے جو حاکم الحاکمین ہے۔

لیکن کیا مسٹر کنیڈی سندھ کے سویلین نہیں ہیں اور کیا اُن کو اُس کام کے کرنے کا مجاز نہیں ہے جو مسٹر اسورتھ آگرہ کے سویلین نے کیا ہے مؤخرالذکر نے تو کچھ ایسی سنسنی پیدا کر دی تھی کہ ایک صبح کو جب وہ ایک دوست کے یہاں مہمان تھا، اس کو اُس کے ایک ہم پیشہ بھائی نے گذشتہ رات کا خواب سُنایا، یہ کہ اُس نے دیکھا وہ مر گیا اور دفن کر دیا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد پھر زندہ کیا گیا۔ اور خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے لایا گیا۔ اس کے بعد اُس نے میدانِ حشر کی کھلبلی، بے چینی، حساب کتاب اور شور و فریاد کا سماں کھینچا۔ دفعتہً ایک غیر معمولی اور بعید از فہم خاموشی طاری ہو گئی۔ جو لوگ بے ترتیب جمع ہو گئے تھے وہ ایک بارُعب ہستی کو آتا ہوا دیکھ کر کنارہ ہو گئے۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ اس کی ویسٹ کوٹ کی بغل میں، اسکی نگاہ نہ اِدھر اُٹھتی تھی نہ اُدھر۔ وہ اپنے خیالات میں ایسا مستغرق تھا، کہ دُنیا کے

دُور دراز حصّوں سے آئے ہوئے آدمیوں کی اُس کو خبر تک نہ ہوئی۔ یہ خاموشی کچھ ایسی مستعدی تھی کہ انسان تو انسان خدا نے بھی اپنا کاروبار سمیٹ کر طاق پر رکھ دیا اور اُس جلیل القدر انسان کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگیا۔ آخر کار جب وہ پایۂ عرش کے قریب پہنچا تو خدا نے معافی کے لہجہ میں کہا "کیا مَیں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کون بزرگ ہیں"۔ اُس نے نہایت کشادہ پیشانی اور خندہ روئی سے جواب دیا "کیا تم مجھ کو نہیں جانتے۔ میرا نام اسورتھ ہے، مَیں آگرہ کا سویلین ہوں"۔ یہ سُننا تھا کہ خدا عرشِ اعظم سے نیچے اُتر پڑا اور کہنے لگا "معاف فرمایئے گا، آیئے اِدھر تشریف لایئے مَیں تو آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا"۔

ممکن ہے کہ مسٹر کنیڈی جو سندھ کے سویلین ہیں، مسٹر اسورتھ کی طرح "رونق افروز" ہوں اور بیچارے خدا کو تخت پر بیٹھنا نصیب ہی نہ ہو۔

مسٹر کنیڈی نے نہ صرف سات ملزمین کے مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اور نہ محض تحریکِ خلافت کو بُرا بھلا کہہ کر جس کا اُنہیں قانونی مجاز تھا یا نہیں، اپنے دل کا بخار نکالا ہے، بلکہ دنیائے اسلام پر جو عالمِ وجود سے عالمِ شہود تک پھیلی ہے ایک غائر نظر ڈالی ہے مسلمانوں کا اور ایسے مسلمانوں کا جو ایک کافر اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار سلطنت کے ملازم ہوں، اپنے خلیفہ کا بغیر کسی معقول وجہ کے قتل کر دینا جائز قرار دیتے ہوئے اُن کی بریت کا حکم صادر فرماتے ہیں اور اُن کے دامن کو گناہ کے دھبوں سے صاف کر دیتے ہیں۔

مسٹر کنیڈی نے تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں جو غلطیاں کی ہیں۔ اُن کی اصلاح کی جائے یا نہ کی جائے تاہم جو بے ضرورت دینی مسائل ان غلط روایتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں، تردید کے محتاج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود میری صحت اچھی نہ ہونے کے مَیں نے اس موضوع پر اس قدر کاغذ سیاہ کئے ہیں۔ میں اپنے ان آخری الفاظ پر اس مضمون کو ختم کئے دیتا ہوں کہ اگر میں اس فرمانِ خدا (معاذ اللہ مترجم) کو جو خالص اسلامی اصول کے لباس میں ظاہر کئے گئے ہیں، سندھ سے باہر

بغیر تردید کے اشاعت پذیر ہونے دوں تو یقیناً مجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا گنہگار اس ہندوستان میں بارہ سو برس کے اندر نہ پیدا ہُوا ہوگا۔ اسلام ایک محمد کی کوشش سے سندھ سے داخل ہو کر ہندوستان میں داخل ہُوا۔ اب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ پھر اُسی راہ سے دوسرے (محمد۔ مترجم) کی ناروا غفلت سے باہر نکل جائے۔

مسٹر کنیڈی کے مذہبی مسائل میں سے ایک مسئلہ اور رہ گیا ہے جس کی تنسیخ لازمی ہے۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ ایک مسلمان جو کام جو مسلم آقا کی خدمت میں رہ کر نہیں کرسکتا وہ کام ایک غیر مسلم کا منقاد پذیر ہو کر بھی نہیں کرسکتا کسی بیّن بُرہان کی ضرورت نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فتویٰ جس کو مولانا حسین احمد صاحب نے دوران مقدمہ میں پیش کیا ہے محض برٹش گورنمنٹ کی فوجی ملازمت کو ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ سو برس پہلے مرہٹوں اور سکھوں کی خدمت کو بھی گناہ ٹھہراتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر فوجی امداد سے کفر کا غلبہ ہو تو ایک غیر مسلم کے خلاف کسی دوسرے غیر مسلم کی اعانت بھی حرام ہے۔

مسٹر کنیڈی نے اس مرتبہ بجائے علم کے عقل کو دخل دیا ہے لیکن ۹۰ فیصدی دلیلیں تارِ عنکبوت سے زیادہ مستحکم نہیں۔ مسٹر کنیڈی فرماتے ہیں کہ "ان مہذب اور تعلیم یافتہ مسلمانوں پر نظر کیجئے جو کسی زرخیز صوبہ میں ایک ہندو طاقت کے زیر سایہ آباد ہوں اور اس کی سرحد پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں جنگجو اور وحشی مسلمان رہتے ہوں جو وقتاً فوقتاً میدان میں نکل کر لوٹ مار کیا کرتے ہوں، لیکن ملک گیری اُن کا مقصد نہ ہو، تو کیا وہ مسلمان جو ہندوؤں کی ملازمت میں رہ کر پہاڑی مسلمانوں سے مقابلہ کرتا ہو اور اُن کو میدان میں نکلنے سے روکتا ہو، کافر ہو جائے گا" یہ خیال ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنے کے لئے نہایت کار آمد ہے اور ممکن ہے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سوءظنی پیدا کر دے جو سوراج کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ اور جلد سے جلد حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں کیونکہ اس سے زیادہ واضح اور کیا ہوسکتا ہے؟ وہ زرخیز صوبہ پنجاب کی سرزمین ہے، اور

وہ جنگ جو مسلمان سرحدی مسلمان ہیں جن کی سرکوبی کے لئے گورنمنٹ کو ایک جنگ کرنا پڑے گی۔ لیکن اس کو بھی اسلام نے صاف کر دیا ہے اور نہایت معقولیت کے ساتھ صاف کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ جو مسلمان مُلک کی بدنظمی کو روکنے اور جارحانہ حملوں کی مدافعت کے لئے تیار ہوتا ہے اُس کو اُمّید رکھنی چاہیئے کہ وہ نہایت تزک و احتشام سے جنّت میں داخل ہوگا۔

مَیں نے لندن میں نیشن کے اڈیٹر سے ایک حدیث بیان کی کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی اعانت لابُدی ہے خواہ وہ مظلوم ہو یا ظالم۔ اس کے سُنتے ہی مسٹر سینگھم کے لبوں پر ایک مبصرانہ ہنسی آگئی۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ دل کھول کر ہنس سکتے ہیں لیکن ایک ریگستان کا سادہ دل وحشی بھی ایسی صریح نامنصفی کو محسوس کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایک صحابی نے اُسی وقت حضرتؐ سے دریافت کیا کہ ایک ظالم کی مدد کیونکر کی جاسکتی ہے؟ آپؐ نے جواب دیا۔ اُس کی کمک یہی ہے کہ اُس کے مظالم کم کئے جائیں۔ یہ پنجاب کا رہنے والا اپنے سرحدی بھائی کی دست گیری یوں کر سکتا ہے کہ وہ غارت گری کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دے اور یہی ہندوستانی مسلمان کرنا چاہتے ہیں، اگر خدا نے چاہا۔ یعنی اگر برٹش حکومت سے پیشتر یہ راہزنی ختم نہ ہوگئی۔

مسٹر کنیڈی مدافعانہ جنگ کی طرف سے جارحانہ جنگ کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اگرچہ خود صاف طور پر بیان فرماتے ہیں کہ جارحانہ جنگ ہر صورت اور ہر حالت میں گناہ ہے۔ جج صاحب کے نزدیک "ہجوم" اور "دفاع" میں کوئی امتیاز ہی نہیں۔ اور بیشک، نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ تمام طاقت ور سلطنتیں مظلومیت کی اوٹ میں اکثر ظالمانہ کارروائیاں کرتی ہیں۔ لیکن وہ کچھ ہی کریں، ہمیں امتیاز کرنا لازم ہے۔ اسلام کے شارع نے ہجوم اور دفاع کے درمیان ایک حد فاصل قائم کی ہے۔ جو لوگ ہجوم کو اسلام میں جائز سمجھتے ہیں اُن کو لازم ہے کہ وہ "ہجوم" اور "اعتدا" کا فرق بھی بخوبی سمجھ لیں۔ "اعتدا" کی سخت ممانعت ہے۔ قرآن کی ابتدائی آیتوں میں جہاں مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کے لئے شمشیر بکف ہونے کی اجازت دی گئی ہے، یہ لفظ آیا ہے:

"تم ان کے خلاف جنگ کرو جو تمہارے درپے آزار ہیں۔ لیکن پیش دستی یعنی اعتدا کبھی نہ کرو۔ تحقیق خدا پیش دستوں سے محبّت نہیں رکھتا (سورہ بقرہ)
مسٹر کینیڈی مسجد کے تنگ و تاریک حجرہ کے رہنے والوں اور روایاتِ پارینہ کی چھان بین کرنے والوں پر فقرہ چست کرتے ہوئے یہ فرض کرتے ہیں "کہ ایک سیّد یا (معلوم نہیں جج صاحب ان فرقوں کو کیوں مخصوص کرتے ہیں) کسی بادشاہ کی ملازمت میں اُس کی ملکی عظمت کا حصّہ دار ہے۔ کیا اُس کو اس بناء پر اطاعت سے منہ موڑ لینا چاہیئے کہ اُس کا آقا غیر مسلم آقا کا دشمن مسلمان ہے۔ اور اپنے آقا کو موت کے منہ میں چھوڑ دینا چاہیئے"۔ بیشک یہ سوال ٹیڑھا ہے لیکن جتنا ٹیڑھا ہے اتنا ہی میرے دعوے کی مضبوط دلیل ہے کہ مسلمان سپاہیوں کو اپنی رضا سے اس گورنمنٹ کی ملازمت اس قلیل تنخواہ پر نہ کرنا چاہیئے۔ اُس کی تنخواہ اگرچہ وہ ایک سفید چمڑے والے سپاہی سے کہیں زیادہ دلیر، بہادر اور کامیاب سپاہی ہوتا ہے پھر بھی سفید چمڑی والے کا پانچواں حصّہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان سپاہیوں سے جنہوں نے نوکری کر لی ہے، ترک کر دینے کو بار بار کہتے ہیں۔ وہ مکرر سلطنت کی عظمت میں اپنے پیٹ کے بل چل کر اور اپنی ناک زمین پر رگڑ کر حصّہ لینے کے لئے طلب نہ کئے جائیں۔ عظمت بھی کیسی؟ وہ جس میں حصّہ لینے کے لئے باسورتھ اسمتھ صاحب ان کی مستورات کو ایسی شرمناک دھمکیاں دے کر بلاتے ہیں کہ جن کو میں زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔ اُس کو روزِ الست کے اقرار کے خلاف اب کوئی نیا اقرار نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ممنون ہوں کہ مسٹر کینیڈی نے بھی جیوری کے سامنے مقدمہ پیش کرتے ہوئے اس کو تسلیم کیا ہے۔ کیا ہم نے یہ کوشش نہیں کی کہ دنیا کے سپاہی خدا کے احکام کے خلاف خواہ اُن کا بادشاہ ہلاک ہوتا ہو خواہ تخت سے اُتارا جاتا ہو۔ کسی حالت میں بھی اطاعت کی قسم نہ کھائیں۔ کیا ہم نے کرنیل گائڈ کی چودہ باتوں کا صبر و استقلال کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا؟ گورنمنٹ یہ تو پوچھتی ہے کہ کیا تم کو اپنے قومی شعار کی بناء پر کسی فوجی کام سے عذر ہوگا یا نہیں لیکن یہ نہیں دریافت کرتی کہ کیا تم کو اپنے مذہب کی بھی پرواہ ہوگی یا نہیں؟ یہ تو پوچھتی ہے

کہ کیا تم کو دنیا کے کسی حصہ میں جانے سے تو عذر نہ ہوگا؟ لیکن یہ نہیں پوچھتی کیا دوزخ میں بھی جانا پڑے تو جاؤ گے؟ میرا خیال ہے کہ چربی والے کارتوس کے دردناک نتائج دیکھنے کے بعد گورنمنٹ یہ جرأت نہیں کر سکتی کہ وہ کسی ہندو یا مسلمان سے دریافت کرے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں مذہبی احکام کی پرواہ کرے گا یا نہیں اِس گورنمنٹ کو جو کسی زمانہ میں اس قدر محتاط تھی کہ چیچک کا ٹیکہ بھی سپاہیوں کی مرضی کے خلاف لگانا گوارا نہیں کرتی تھی، اس کو شک کا فائدہ ضرور دینا چاہیئے۔ بیشک مسٹر کنیڈی! ہمارے مذہب کا بانی بہترین انسان تھا اور اس کا لقب "الامین" تھا۔ جیسا کہ آپ اپنے مقصد کیلئے تسلیم کرتے ہیں چونکہ وہ امین تھا اسلئے خدا نے فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا	اے ایمان والو! خدا اور رسول کی
اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ	اور ایک دوسرے کی امانت میں خیانت
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ ۹ ع ۱۷)	نہ کرو اگر تم کو علم ہو۔

لہذا کسی مسلمان کو ایسی خدمت نہ کرنی چاہیئے کہ جس سے خدا اور رسول کی، یا کروڑوں مسلمانوں کی امانت میں خلل رونما ہو۔ جن لوگوں نے غلطی سے ایسی ملازمت کرلی ہے اُنہیں لازم ہے کہ وہ اپنے دھوکا دینے والوں سے اجتناب کریں۔ میرا خیال ہے کہ مسٹر کنیڈی کو اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہماری مذہب کی تعلیم کیا ہے، اگرچہ ہمارے مذہب کی، باوجود ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے، اُن کا مُلکی قانون حفاظت نہیں کرسکتا۔

مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس تفصیلی بحث اور مسٹر کنیڈی کی مذہبی تقریر کے جواب کے بعد جس سے ان کی لاعلمی ٹپکتی ہے، نہ میرے پاس وقت ہے اور نہ کاغذ، کہ میں تحریکِ خلافت کے متعلق کچھ عرض کروں۔ کیونکہ اس بارے میں نہ کوئی شہادت گذری ہے اور نہ مدعی کی طرف سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ لیکن آپ کا سویلین کامل ہے، اور اسی وجہ سے لارڈ مارلے نے اس کو سٹڈا فورڈ ثانی فرمایا ہے اور اس نتیجہ سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو اس کی کاملیت کی پالیسی سے ظہور میں آیا ہے۔ مسٹر

کنیڈی کو چاہیئے کہ تحریکِ خلافت کو جواب ہندوستان کے باہر نکل چکی ہے، قانون کے خلاف قرار دے کر اُس کا خاتمہ کر دیں۔ اور اس اثنار میں خاص خاص کام کرنے والوں کو پا بجولاں کر دیں۔

لیکن اس قدر محنتِ شاقہ کی کیا ضرورت ہے کہ تحریکِ خلافت کو ابتدا میں قانون کے مطابق بیان کیا جائے اور ملزمین کو فائدہ مشک کا تختہ میرے بھائی کے ان الفاظ کو مان کر دیا جائے کہ اس تحریک کو شروع شروع میں انگلستان اور ہندوستان کی گورنمنٹ نے بنظر پسندیدگی دیکھا تھا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ٹائمز آف انڈیا نے وائسرائے کی تقلید کرتے ہوئے ہماری گرفتاری کے چند دن بعد ہی مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی سعی کی کہ گورنمنٹ تحریکِ خلافت کے موافق ہے نہ کہ مخالف۔ لیکن ایک حد تک واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو جُدا کرنے کے بعد گورنمنٹ نے ہمیں اور ہماری طرح دوسرے کام کرنے والوں کو جو مذہبی کام کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، جُدا کرنا چاہتی ہے تحریکِ خلافت کی ایک خیالی ابتدا قائم کر لی گئی ہے جو موجودہ تحریک سے مختلف ہے اور جس کے ساتھ انگلستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے لوگوں کو ہمدردی ہے مسٹر کنیڈی فرماتے ہیں کہ اس تحریک نے اُن لوگوں کو بڑی تقویت پہنچائی جو انگلستان میں اتحادیوں کو مجبور کر رہے تھے کہ ٹرکی کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا جائے یا کم سے کم یونانیوں کی حمایت نہ کی جائے۔ مسٹر کنیڈی نے یہ الفاظ اس لئے نہیں فرمائے ہیں کہ ان کو خلافت یا خلافت کی گذشتہ تاریخ سے دلچسپی ہے بلکہ اس لئے کہ خلافت کی خیالی اور دلفریب تصویر کو حقیقت کا جامہ جلد سے جلد پہنانا چاہتی ہیں کیوں نہ ہو؟ خدا کے لئے کوئی یہ تو بتا دے کہ ترکوں کے لئے کام کرنے والی جماعت کہاں ہے اور اُس نے اب تک کیا کام کیا ہے۔ یہ محض ریاکاری نہیں ہے تو کیا ہے؟ ایک شور ہے کہ قسطنطنیہ سلطان کے لئے بچا لیا گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں قسطنطنیہ سلطان کو مقیّد رکھتا ہے۔ بہر کیف اس تھوڑی سی مہربانی کے لئے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم کو ہر اتحادی کا ممنون ہونا چاہیئے۔ ہم کو ان کی دار السلطنتوں میں جا جا کر اپنی عرضداشتے

پیش کی لیکن نتیجہ پہ غور کیجئے تو وہی ڈھاک کے تین پات۔ کیا خوب ابھی حضرت سر آغا خاں کو کو جو بمبئی پریسیڈنسی کے رولنگ چیف ہیں، جن کو ۹ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے اور جنہوں نے اپنے آپ کو یہ سمجھ کر کہ میری استدعا کبھی قبول نہ کی جائیگی ٹرکی کے خلاف ایک پرائیویٹ سولجر کی حیثیت سے لڑنے کے لئے پیش کیا تھا اب مجنونانہ تار ایسے وقت میں بھیج رہے ہیں جب ہم جیل میں مقیّد ہیں کہ تم ہمالین سنائی پہ یعنی جس کو شملہ کہتے ہیں، جا کر گورنمنٹ سے بھیک مانگو۔

ہم اپنی کہتے ہیں کہ کسی مہربانی یا ذرہ نوازی کی درخواست نہیں کرتے بلکہ اپنے حقوق کو چاہتے ہیں وہ یہ کہ ہمارے خلیفہ کا دنیوی اقتدار قائم رکھا جائے۔ جزیرۃ العرب آزاد کر دیا جائے اور فلسطین و سیریا و عراق سے نگہداشت اُٹھالی جائے عثمانی خلافت کے مریدوں کو اس سے کم میں آسودگی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس سے کم مہربانی کو مہربانی کرنے والے کے منہ پر دے ماریں گے۔ خدا کا شکر ہے ترکوں کو ایسی مہربانی درکار نہیں۔ جس دن وہ ایسی مہربانی کے خواستگار ہوں گے، اُسی دن وہ ہماری محبّت، اطاعت اور تحسین کے مستحق نہ رہیں گے جو خدا کے فضل سے اب ہر مسلمان کے دل میں یہ موجیں مار رہی ہے۔ فقط۔

مُقدّمۂ گلگشتہ

حروفِ اسمِ مبارک کے صفاتی و معنوی اشارے

"احمد محی الدّین ابوالکلام آزاد"

حضرت مولانا کے اسمِ مبارک کے حروف اوصاف و محاسن کی بھی نشانیاں ہیں جن میں ولادت و وفات کے سنہ بھی مضمر تھے، چنانچہ "احمد محی الدین" کے حروف جن صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان سے ولادت کا سنہ نکلتا ہے اور ابوالکلام آزاد کے حروف جن محاسن کی نشانیاں ہیں ان سے وفات کا سنہ نکلتا ہے۔ ابن الحسین مورخ کی یہ علمی و ادبی کاوش ذیل میں درج کی جا رہی ہے ــــــــــــــــ

احمد محی الدین

ولادت سنہ ۱۸۸۸ء

ا	احسن	=	۱۱۹
	و	=	۶
ح	محاسن	=	۱۱۹
م	مفسر	=	۳۸۰
د	دین	=	۶۴
	و	=	۶
م	مسلّم	=	۱۸۰
ح	حمد	=	۵۲
	و	=	۶
ی	یقین	=	۱۷۰
ا	امین	=	۱۰۱
	و	=	۶
ل	لطیف	=	۱۲۹
د	داعیِ حق	=	۱۹۳
	و	=	۶
ی	یاور	=	۲۱۷
	و	=	۶
ن	نگہبان	=	۱۲۸

احسن و محاسن مفسر دین و مسلّم حمد و یقین امین و لطیف داعیِ حق و یاور و نگہبان

۱۸۸۸

ابوالکلام آزاد

وفات سنہ ۱۹۵۸ء

ا	ادیب	=	۱۷
ب	بلند و اعلیٰ	=	۲۰۳
	و	=	۶
و	وکیل	=	۶۶
ا	اردو	=	۲۱۱
	و	=	۶
ل	لسان	=	۱۴۱
	و	=	۶
ک	کلیم	=	۱۰۰
	و	=	۶
ل	لبیب	=	۴۴
ا	امام	=	۸۲
م	ملت	=	۴۷۰
	و	=	۶
ا	انسان	=	۱۶۲
ز	زیرک	=	۲۳۷
	و	=	۶
ا	آزاد	=	۱۲
د	دمسازِ دین	=	۱۷۶

ادیب بلند و اعلیٰ و وکیل اردو و لسان کلیم و لبیب امام ملت و انسان زیرک و آزاد و دمسازِ دین

۱۹۵۸

مسٹر مجسٹریٹ!

اَب مَیں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصّہ میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے تمہارے حصّہ میں وہ مجسٹریٹ کی کُرسی۔ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کر دیں، مؤرخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے، ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلے لکھتے رہو ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا یہاں تک کہ ایک دُوسری عدالت کا دروازہ کھُل جائے یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے وقت اس کا جج ہے وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری ہوگا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

(مولانا آزاد کے بیان کا آخری ٹکڑا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

به بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ پارینہ ام پیمانہ بو دارد

اس مجموعہ میں سب سے پہلے وہ پیغام درج ہے جو گرفتاری سے دو دن پہلے مولانا نے لکھ کر اپنے کاغذات میں رکھ دیا تھا اور گرفتاری کے بعد شائع ہوا۔ اس کے بعد گرفتاری کی مختصر کیفیت درج ہے پھر تاریخ وار تمام پیشیوں کی روداد دی گئی ہے۔ اس کے بعد مولینا کا بیان ہے جو انہوں نے عدالت کے لئے لکھا۔ فی الحقیقت اصل مقصود اس رسالہ کی ترتیب سے اسی کی اشاعت ہے۔ آخر میں بطور ضمیمہ کے مولینا کا وہ مضمون بھی شامل کر دیا گیا ہے جو کلکتہ پہنچ کر انہوں نے پیغام میں شائع کیا تھا اور جس میں گورنمنٹ کے تازہ جبر و تشدد کے جواب میں ایک نئی مدافعانہ حرکت کی اپیل کی گئی تھی۔ ملک نے اس اپیل کا جس جوش و مستعدی کے ساتھ جواب دیا، اور خصوصاً بنگال میں جیسی یادگار اور غیر مسخر دفاعی پیشقدمی شروع ہوئی، وہ موجودہ تحریک کی تاریخ کا سب سے زیادہ شاندار اور پُر فخر کارنامہ ہے۔ اگر بدقسمتی سے اس فتحمندی کے تمام ثمرات ضائع نہ کر دیئے جاتے تو فی الحقیقت ملک نے میدان کا پہلا مرحلہ جیت لیا تھا اور قریب تھا ایک نیا کامیاب دور شروع ہو جائے، چونکہ مولانا کی گرفتاری ہی

۱؎ مولینا نے اپنے بیان کا عنوان اسی شعر کو رکھا ہے جیسا کہ ان کے مسودہ میں ہے لیکن چونکہ بیان اس لئے لکھا گیا تھا کہ اس کا انگریزی ترجمہ عدالت میں داخل کیا جائے، اس لئے ترجمہ کے وقت نکال دیا گیا۔

سے اس نئی حرکت کا سلسلہ شروع ہوا، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ یہ مضمون بھی روئداد میں شامل کر دیا جائے۔ پہلی دسمبر ۱۹۲۱ء سے ۱۱ر فروری تک ملک نے جو فتح مند وفارغ کیا ہے وہ گویا اسی دعوت کا عملی جواب تھا۔

مولانا کی گرفتاری اور اس کی نوعیت

ملک کے مسلمہ لیڈروں میں سے سب سے آخری گرفتاری مولینا اور مسٹر سی آر داس کی ہوئی۔ مسٹر داس کی گرفتاری بنگال کے مقامی حالات کا نتیجہ تھی، لیکن مولینا کا معاملہ اُن سے بالکل مختلف تھا۔ اگر ۱۷ر نومبر کے حالات پیش نہ آتے جب بھی ان کی گرفتاری اٹل تھی، اور ہر صبح وشام متوقع تھی۔ گذشتہ ایک سال کے اندر شاید ہی کسی نے اس قدر صاف صاف اور بے پردہ چیلنج گورنمنٹ کو دیا ہو گا جیسا کہ مولینا نے دیا۔ مسئلہ خلافت اور سوراج سے قطع نظر خاص طور پر بھی وہ برابر گورنمنٹ کو اپنی گرفتاری کے لئے دعوت دیتے رہے اور اُن کا طرزِ عمل ہمیشہ غیر صلح کن (UNCOMPROMISING) رہا۔

گرفتاری کے لئے مسلسل دعوت

مارچ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کے ہمراہ مولینا نے پنجاب کا تیسرا دورہ کیا۔ اس وقت ضلع لاہور اور امرتسر میں سڈیشن میٹنگس ایکٹ نافذ تھا، یعنی نہ تو کوئی پبلک جلسہ ہو سکتا تھا، نہ کوئی پبلک تقریر ہو سکتی تھی، اسی لئے گاندھی جی نے بھی گوجرانوالہ جا کر تقریر کی، لاہور اور امرتسر میں کوئی تقریر نہیں کی، کیونکہ اس وقت تک قانونی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی گئی تھی، لیکن مولانا نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ اس وقت اس قانون کی خلاف ورزی کرنے کا عام طور پر حکم نہیں دیا گیا ہے لیکن میرے لئے افضلیت (عزیمت) اسی میں ہے کہ خلاف ورزی کروں اور سچائی کے اعلان سے باز نہ رہوں۔ جب میں افضل بات پر عمل کر سکتا ہوں تو کم تر طریقہ کے دامن میں کیوں پناہ لوں؟[1] چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کے دن شاہی مسجد میں بیان

---

[1] مولینا نے اس موقع پر اسلام کی وہ اصطلاحیں بولی ہوں گی۔ "رخصت" اور "عزیمت"۔ ہر نیک عمل میں ایک طریقہ رخصت کا ہوتا ہے اور ایک عزیمت کا۔ اہل عزائم ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور رخصت کی آسانیوں کو عامۃ الناس کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی بات مولینا نے مضمون نگار سے بھی دہرائی ہو گی اور اس کا مطلب سمجھایا ہو گا۔ انہوں نے اسی کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ رخصت اور عزیمت دعوۃ کا فرق مولینا نے تذکرہ میں خوب واضح کیا ہے۔

کریں گے۔ بعض وزراء حکومتِ پنجاب نے گاندھی جی سے شکایت کی کہ مولٰنا کا طرزِ عمل آپ کے خلاف ہے لیکن گاندھی جی نے کہا۔ بلا شبہہ میں عام طور پر سول ڈس او بیڈین (CIVIL DISOBEDION) کی اجازت کا مخالف ہوں لیکن ایسے ذمہ دار افراد کے لئے جیسے کہ مولٰنا ہیں ہر وقت اس کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ جمعہ کے دن انہوں نے پہلے جمعہ کا خطبہ دیا، اس کا موضوع بھی وقت ہی کے مسائل تھے۔ پھر نماز کے بعد صحنِ مسجد میں ترکِ موالات پر ایسی دل ہلا دینے والی تقریر کی جو ہمیشہ اہلِ لاہور کو یاد رہے گی۔ لاہور کے نیم سرکاری اینگلو انڈین آرگن "سول اینڈ ملٹری" نے اس پر لکھا تھا کہ اس کاروائی کے ذریعہ اعلانیہ اہلِ پنجاب کو قانون شکنی کی دعوت دی گئی ہے، مسٹر گاندھی اپنے رفیق کو اس سے باز رکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اگر گورنمنٹ پنجاب نے اس پر فوری کارروائی نہیں کی تو پنجاب کے نوان کواپریٹرز (NON COOPRATORS) کی جرأتیں بہت بڑھ جائیں گی۔ یہ بھی لکھا تھا کہ مارشل لا کے حکام نے شاہی مسجد کو اسی مجبوری سے بند کر دیا تھا۔ اب سول حکام کو بھی اس پر غور کرنا چاہیئے۔ اس نوٹ کی سرخی، صحنِ مسجد میں باغیانہ لیکچر، تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد وہ امرتسر آئے، یہاں بھی تقریر ممنوع تھی لیکن جامع مسجد میں انہوں نے خطبہ دیا اور نماز کے بعد مکرر تقریر کی۔ اس وقت وہ میل ٹرین سے لکھنؤ جا رہے تھے۔ اِسی لئے دس پندرہ منٹ سے زائد نہ بول سکے، تاہم انہوں نے صرف اس لئے تقریر کی تھی، کہ گورنمنٹ پنجاب کو یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ جمعہ کا خطبہ معمولی تقریر نہیں ہے جس کے ارتکاب سے سرکاری آرڈر کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ پس عام بول چال کے مطابق جس تقریر کو پولٹیکل تقریر کہہ سکتے ہیں وہ بھی انہوں نے نماز کے بعد کر دی، اور گورنمنٹ کے لئے کسی حیلے حوالے کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔

مگر گورنمنٹ پنجاب نے بالکل تغافل کیا، گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکی۔ مولانا نے یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا تھا۔

اس کے بعد کراچی خلافت کانفرنس کے ریزولیوشن کی بنا پر علی برادران اور دیگر اصحاب کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اس موقعہ پر تو مولٰنا نے اپنی گرفتاری کے لئے یکے بعد دیگرے ایسے شجاعانہ بلاوے دیئے کہ شاید ہی کوئی نظیر اس کی مل سکے۔ علی برادران ۱۴ ؍ اگست کو گرفتار کئے گئے،

لیکن کلکتہ میں ۱۸ ر کی صبح کو خبر پہنچی ۔ انہوں نے اسی وقت ہالیڈے پارک میں جلسہ کے انعقاد کا اشتہار دیا اور شام کو بیس ہزار سے زیادہ کے مجمع میں تقریر کی ۔ انہوں نے کہا تھا ۔

جس ریزولیوشن کی بنا پر علی برادران گرفتار کئے گئے ہیں وہ اسلام کا ایک مانا ہوا ، اور مشہور و معروف مسئلہ ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا اعلان کرے ، وہ ریزولیوشن دراصل میرا ہی تیار کیا ہوا ہے اور میری ہی صدارت میں سب سے پہلے اسی کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں منظور ہوا ہے ۔ میں اس سے بھی زیادہ تفصیل اور صفائی کے ساتھ اس وقت اس کے مضمون کا اعلان کرتا ہوں ۔ یہ سی آئی ڈی کے رپورٹر بیٹھے ہیں اور میں انہیں کہتا ہوں کہ حرف بحرف قلمبند کر لیں ۔ اگر یہ جرم ہے تو گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا ارتکاب ہمیشہ جاری رہیگا ۔

اس کے بعد دہلی میں مرکزی جمعیۃ العلماء اور خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا ، اور ان دونوں جلسوں میں بھی انہوں نے کراچی ریزولیوشن کو زیادہ صاف اور واضح لفظوں میں پیش کیا ، نیز ایک تجویز اس مضمون کی بھی پیش کی کہ چونکہ گورنمنٹ نے اس اسلامی حکم کی تبلیغ کو جرم قرار دیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اب اس کے اعلان میں اپنی جان لڑا دے ، اور ہر مقام پر اس غرض سے جلسے منعقد کئے جائیں ۔

چنانچہ تمام ملک میں جلسوں کے انعقاد اور کراچی ریزولیوشن کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہو گیا اور گورنمنٹ حیران و درماندہ ہو کر رہ گئی ۔

پھر کراچی ، بمبئی ، آگرہ ، لاہور ، وغیرہ مقامات میں بھی وہ برابر اس کا اعلان کرتے رہے ۔ بمبئی ، آگرہ اور لاہور کی کانفرنسوں کے صدر بھی وہی تھے ۔ آگرہ کی پراونشل خلافت کانفرنس میں کراچی ریزولیوشن پیش کرتے ہوئے انہوں نے جس طرح گورنمنٹ کو چیلنج دیا ، اُسے سُن کر بڑے بڑے باہمت اشخاص بھی دم بخود ہو گئے تھے ، اور فیصلہ کر دیا تھا کہ صبح سے پہلے ہی وہ گرفتار کر لئے جائیں گے ۔

علی برادران کی گرفتاری کے بعد گاندھی جی نے ہندو مسلمان لیڈروں کو بمبئی میں جمع کر کے ایک مینوفسٹو (MANIFESTO) شائع کیا تھا ، اس میں کراچی ریزولیوشن کی اس بنا پر تائید کی تھی کہ موجودہ حالت میں سرکار کی سول اور فوجی ملازمت کو ملکی غیرت کے خلاف کہنا

کوئی جرم نہیں ہے، اور ایسا کہنا ایک جائز فعل ہے۔ اس پر اخبار ٹائمز آف انڈیا نے لکھا تھا کہ گورنمنٹ اس مینوفسٹو پر دستخط کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گی کیونکہ صرف اس خیال کو زبان سے ظاہر کر دینا یا شائع کرنا کوئی جرم نہیں ہے بلکہ عملاً سپاہیوں کو ورغلانا اور اُن کو ترکِ ملازمت کی دعوت دینا جرم اور سازش ہے۔ کراچی کا مقدمہ عملی اقدام کی بنا پر کیا گیا ہے، مجرد ریزولیوشن پاس کر دینے کی بنا پر نہیں ہے۔

یہ بات ہی کمزور دلوں کے لئے ایک حیلہ بن گئی۔ وہ کراچی ریزولیوشن کا اعلان کرتے مگر "ایسا کروں گا" اور "ایسا ہونا چاہیئے" وغیرہ الفاظ کے ساتھ بولتے، بالفعل عمل کرنے پر زور نہ دیتے نہ اپنے عمل کرنے کا اظہار کرتے، لیکن مولانا نے یہ تسمہ بھی لگا نہ رکھا۔ انہوں نے بمبئی، آگرہ، لاہور وغیرہ کی تقریروں اور اپنے تحریری اعلانات میں صاف صاف کہہ دیا، کہ یہ صرف میرا اعتقاد یا زبانی اعلان ہی نہیں ہے اور نہ لیڈروں کے مینوفسٹو کی طرح صرف اس بات کے جواز کا مدعی ہوں بلکہ دو سال سے اس پر عمل بھی کر رہا ہوں، آئندہ بھی کروں گا اور ہر شخص سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ایسا ہی کرے، میں پوری جدوجہد کروں گا کہ ہر سپاہی تک اس پیغامِ حق کو پہنچا دوں۔

بمبئی کی اس میٹنگ میں مَیں بھی شریک تھا۔ مولانا نے میٹنگ میں بھی اپنی یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ مینوفسٹو کا مضمون ناکافی ہے اور صرف ایسا کہنے کے "جواز" کا اظہار کرنا حصولِ مقصد کے لئے سودمند نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے عملاً ایسا کیا ہے، اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔

ابتدا میں گورنمنٹ نے علی برادران اور ان کے ساتھیوں کے برخلاف صرف کراچی ریزولیوشن کا الزام لگایا تھا لیکن جب مولانا نے بار بار اعلان کیا کہ کراچی ریزولیوشن خلافت اور جمعیۃ العلماء کی گذشتہ تجویزوں کا صرف اعادہ ہے، ورنہ سب سے پہلے خود انہوں نے ۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس کلکتہ میں اس کا اعلان کیا ہے، تو پھر گورنمنٹ بھی چونکی اور جونہی مقدمہ سشن کورٹ میں شروع ہوا، سرکاری وکیل نے دعوے میں ترمیم کر کے کلکتہ کانفرنس کا ریزولیوشن بھی شامل کر دیا۔ اس پر مولانا نے ایک

بہ۔ فی بیان فوراً تمام اخبارات میں شائع کرایا تھا جس کی بیباک شجاعانہ اسپرٹ نہایت ہی عجیب و غریب تھی اور ہمیشہ ہندوستان کی تاریخ میں یادگار رہے گی۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ صرف اتنی ہی ترمیم سے سرکاری دعویٰ مکمل نہیں ہو سکتا، اور مرحلے بھی ابھی باقی ہیں۔

"سب سے پہلے کلکتہ خلافت کانفرنس کے لئے یہ ریزولیوشن میں نے تیار کیا، خود اپنی قلم سے لکھا اور میری ہی صدارت میں منظور ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جمعیۃ العلماء کا جلسہ ہوا، اور میں نے اس ریزولیوشن پر بصورت فتویٰ کے دستخط کیا۔ پھر بریلی میں جمعیۃ کا جلسہ ہوا، اس کا بھی میں ہی صدر تھا، اور صدارت کی طرف سے اس ریزولیوشن کو پیش کر کے منظور کرایا تھا، علاوہ بریں رسالہ خلافت میں ایک خاص باب اس موضوع پر لکھ چکا ہوں اور اس کی بیشمار کاپیاں تقسیم ہو چکی ہیں۔ پھر کلکتہ، دہلی، کراچی، بمبئی وغیرہ میں بھی میں نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ میں اس کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ یہ صرف میرا زبانی اظہار ہی نہ تھا بلکہ میں نے اس پر عمل بھی کیا ہے اور ہمیشہ لوگوں سے کہتا رہا ہوں کہ اسکی تبلیغ کرتے رہیں۔ اگر یہ سازش اور اغواء ہے تو مجھے اس کے ارتکاب کا ہزار مرتبہ اقرار ہے، گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ علی برادران سے پہلے (جنہوں نے صرف نقل و اعادہ کیا ہے) مجھ پر مقدمہ چلاتی۔"

۳۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کو یہ بیان ملک کے تمام انگریزی اور ورنیکلر اخبارات میں شائع ہو گیا، مگر گورنمنٹ کی جانب سے بالکل اغماض کیا گیا اور کوئی کارروائی ان کے برخلاف نہ کی گئی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ تمام ملک کو اس پر سخت تعجب اور حیرانی ہوئی تھی جیسا کہ انہوں نے اپنے بیان کی دفعہ ۲ میں اشارہ کیا ہے۔

یہ واقعہ علاوہ ان بیشمار تقریروں اور کارروائیوں کے ہے جن میں وہ برابر بلا کسی ادنیٰ تزلزل کے یکساں قول و فعل کے ساتھ مشغول رہے۔

پس ان حالات میں اگر اس قدر توقف اور پس و پیش کے بعد گورنمنٹ نے انہیں گرفتار کیا تو جیسا کہ خود انہوں نے کہا ہے فی الحقیقت یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں

ہے اور ان کی طرح ہمیں بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

آخری دفاعی معرکہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی حکمت ان کی گرفتاری سے بروقت ایک خاص کام لینا چاہتی تھی، اسی لئے تعجب انگیز طور پر ان کی گرفتاری برابر ملتوی ہوتی رہی اور پھر ٹھیک اسی وقت ہوئی جب کہ تحریک کی نئی زندگی کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ اگر یہی واقعہ دسمبر سے پہلے ظہور میں آجاتا تو وہ نتائج کیونکر حاصل ہوتے جو دسمبر کے بعد کے حالات ہی میں وجود پذیر ہو سکتے تھے۔

۱۷ر نومبر کے بعد اچانک قومی تحریک جن حالات میں گھر گئی تھی، اس کا صرف انہی لوگوں کو اندازہ ہے جو تحریک کے اندرونی نظم و نسق میں دخل رکھتے ہیں۔ یہ وہ موقعہ تھا ملک نہایت بے چینی کے ساتھ کسی نئے اقدام کا انتظار کر رہا تھا۔ سال کے اختتام میں (جو نوان کوآپریشن پروگرام کے نفاذ کی مجوزہ مدت تھی) صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اور ساری اُمیدوں کا مرکز گاندھی جی کا یہ اعلان تھا کہ پہلی دسمبر سے وہ بردولی تعلقہ میں اجتماعی سول ڈس اوبیڈینس شروع کر دیں گے لیکن یکایک بمبئی میں پرنس آف ویلز کے دورہ کے موقعہ پر شورش نمودار ہوئی اور اس سے گاندھی جی کے ذکی الحس قلب پر ایسا شدید اثر پڑا کہ انھوں نے نہ صرف بردولی کا کام ملتوی کر دیا، بلکہ پے در پے تین بیانات شائع کر کے اعلان کر دیا کہ موجودہ حالات میں تحریک کی ناکامی کا ہمیں اعتراف کر لینا چاہیئے۔

اس اعلان نے تمام ملک میں افسردگی اور مایوسی کی ایک عام لہر دوڑا دی۔ قریب تھا کہ لوگوں کے دل بالکل ہی بیٹھ جائیں، چنانچہ ۲۲ر نومبر کو جب کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو تمام ممبروں پر یاس و حسرت چھائی ہوئی تھی اور کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے کونسا فوری عمل اختیار کیا جائے، مولانا اور مسٹر داس نے خود مجھ سے واپسی کے بعد کہا تھا۔

ہم بالکل تاریکی میں گھر گئے تھے لیکن خدا کی رحمت نے فوراً چارہ سازی کی، جبکہ ۲۲ر نومبر کو بمبئی میں لوگ راہ عمل سوچ رہے تھے تو ٹھیک اسی وقت گورنمنٹ کے نئے جبر و تشدد سے کلکتہ میں ایک نیا دروازۂ عمل کھل چکا تھا۔ جونہی گورنمنٹ بنگال نے

رضا کاروں کی جماعت اور مجالس کو خلافِ قانون قرار دیا، فوراً اہلِ کلکتہ نے ایک ہزار دستخطوں سے نئی جماعت رضا کاران کا اعلان شائع کر دیا۔ اس کے بعد مسٹر سی آر داس اور مولانا کلکتہ پہنچے اور انہوں نے معلوم کر لیا کہ فتح مندی کا اصلی میدان بنگال ہی میں گرم ہوگا۔ انہوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی یا ورکنگ کمیٹی یا گاندھی جی کی اجازت کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ رضا کاروں کی تنظیم اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ روزانہ چار چار پانچ پانچ سو گرفتاریوں کی تعداد پہنچ گئی۔ بنگال کی پیش قدمی نے دوسرے صوبوں پر بھی اثر ڈالا۔ نئی حرکت ہر طرف شروع ہو گئی اور اچانک ملک میں ایک ایسی زندگی پیدا ہو گئی کہ لوگوں کو پچھلی افسردگی و مایوسی کا ایک گذرے ہوئے خواب، جتنا بھی خیال باقی نہ رہا۔

خود مولانا کو بھی اس حقیقت کا پورا یقین تھا جیسا کہ ان کے پیغام مورخہ ۸ ردسمبر سے واضح ہوتا ہے۔ علاوہ بریں ۴ سے ۸ تک انہوں نے جو خطوط لوگوں کو لکھے ان میں بھی صاف صاف اپنا ارادہ اور یقین ظاہر کر دیا ہے۔ ایک خط کی نقل ہمیں اُن کے سکریٹری سے ملی ہے جو مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء دہلی کے نام انہوں نے لکھوایا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں:

"بدایوں کے جلسہ (جمعیۃ) میں شرکت کا قطعی ارادہ تھا، لیکن یہاں پہنچ کر جو حالات دیکھے اور جو حالات روز بروز ظہور پذیر ہو رہے ہیں، ان کے بعد بہت مشکل ہو گیا ہے کہ میں کلکتہ سے نکل سکوں۔ کلکتہ سے نکلنے کے یہ معنی ہوں گے کہ میں ایک بہترین مہلتِ عمل دیدہ و دانستہ ضائع کر دوں۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شاید سہ اطراف اس ادبیڈین کا عقدہ یہیں حل ہوگا۔ روز بروز ایک نئی شاہراہ کامیابی کی میرے سامنے کھلتی جاتی ہے۔ یقین کیجیے کہ بدایوں کے جلسہ میں عدمِ شرکت کا مجھے بھی نہایت افسوس ہے، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بحالتِ موجودہ کلکتہ سے نکلنا کم از معصیت نہ ہوگا۔

واقعات مابعد نے ثابت کر دیا کہ ان کا خیال کس قدر صحیح تھا، فی الحقیقت

کلکتہ نے پوری شجاعت کے ساتھ میدان سر کیا، اور اس کی کامیابی کے سامنے حریف کو علانیہ سر جھکانا پڑا۔ افسوس ہے کہ بدبختانہ عین وقت پر رہنمایانِ مُلک کے قوتِ فیصلہ نے غلطی کی اور یکے بعد دیگرے ایسی لغزشیں ہوگئیں کہ ۱۸ سے ۲۳ دسمبر تک جو عظیم الشان فتح ہوئی تھی وہی اب شکست بن کر ہمارے سامنے آگئی ہے۔

مقدمہ کی چند خصوصیات

اب ہم ان بعض اُمور کی توجہ دلانا چاہتے ہیں جنکی وجہ سے یہ سادہ اور مختصر مقدمہ ملک کے بے شمار پولیٹکل مقدمات میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور جن میں ہماری اخلاقی اور پولیٹکل زندگی کے لئے نہایت ہی قیمتی رہنمائی پوشیدہ ہے۔

کامل صادقانہ روش

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ مولانا کا مضبوط، یکسو اور ہر طرح کی دو رنگیوں اور تذبذب آمیز باتوں سے محفوظ کیریکٹر ہے۔ یہ اگرچہ ان کی پبلک لائف کے ہر حصہ میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے، اور نظربندی کی چار سالہ زندگی میں اچھی طرح ہم اس کا اندازہ کر چکے ہیں، لیکن عدالت اور باقاعدہ چارہ جوئی کی صورت، نظربندی سے بالکل ایک مختلف صورت ہے۔ پہلے میں کوئی موقعہ اظہارِ بریت اور بحث و دلائل کا نہیں ہوتا، دوسرے میں سزادہی کی بُنیاد ہی بحث و دلائل اور ڈیفنس پر ہوتی ہے۔ پس دراصل ایک لیڈر کی روش اور استقامت کی اصلی آزمائش گاہ عدالت ہی کا ہال ہے۔ اس حقیقت کو دونوں پہلوؤں سے جاننا چاہیئے۔ اس لحاظ سے بھی کہ عام طور پر ایک قومی رہنما اور سیاسی لیڈر کی روش گرفتاری کے بعد عدالت میں کیا ہونی چاہیئے، اور اس لحاظ سے بھی کہ خاص طور پر نان کوآپریشن اصولوں کے ماتحت ایک سچے نان کواپریٹر (NON COOPRATOR) کو عدالت میں کیا کرنا چاہیئے، مولانا کی روش دونوں حیثیتوں سے ہمارے لئے سبق آموز ہے۔

سب سے بڑی چیز قول اور عمل کی مطابقت ہے یعنی ہم جو کچھ کہا کرتے ہیں وقت پڑنے پر ٹھیک ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ کر دکھائیں، مولانا نے اپنے مضبوط طرزِ عمل سے دکھلا دیا کہ وہ وقت پر اپنی کوئی بات اور کوئی دعویٰ بھی واپس لینا نہیں چاہتے۔

ایک لیڈر جب گورنمنٹ کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اور اظہارِ حق میں اپنے آپ کو نڈر اور بے پروا بتلاتا ہے، تو وہ بار بار ظاہر کرتا ہے کہ ہر طرح کی قربانیوں کے لئے تیار ہے اور گورنمنٹ کو چیلنج دیتا ہے کہ اُسے جب چاہے گرفتار کرلے۔ لیکن جب گورنمنٹ خود اُسی کے اختیار کئے ہوئے اور پسند کئے ہوئے طریقہ کے مطابق اُسے گرفتار کرلیتی ہے اور اپنے نقطۂ نظر اور قانون کے مطابق مجرم ٹھہرا کر سزا دلانا چاہتی ہے، تو پھر اس وقت سونا آگ میں تپنے لگتا ہے اور کھوٹے کھرے کے پہچان کی گھڑی آجاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت تین طرح کی طبیعتیں تین طرح کی راہیں اختیار کرتی ہیں۔

(۱) کچھ لوگ جن کے دعووں کے اندر کوئی محکم ایمان اور سچائی نہیں ہوتی وہ تو فوراً اپنے دعووں سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور اپنے کئے پر پشیمانی ظاہر کرکے عجز و نیاز کا سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

(۲) کچھ لوگ جو اس سے بلند درجہ رکھتے ہیں، ان کی طبیعت اس درجہ گر جانے کو تو گوارا نہیں کرتی، لیکن سزا سے بچنے کے لئے وہ بھی بیقرار ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اپنا طرزِ عمل فوراً بدل دیتے ہیں اور عدالت پر ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا مقصد وہ نہیں ہے جو گورنمنٹ نے سمجھا ہے بلکہ کچھ دوسرا ہی ہے، پھر طرح طرح سے اس کی تاویلیں کرتے ہیں اور مخالفت کو موافقت بنانا چاہتے ہیں، کبھی پولیس اور سی آئی ڈی کی رپورٹوں کو بالکل جھوٹا کہہ دیتے ہیں، کبھی اپنے کہے ہوئے اور لکھے ہوئے جملوں کو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہتے ہیں، کبھی گورنمنٹ کا شکوہ کرتے ہیں کہ کیوں خواہ مخواہ بلا قصور اُنہیں گرفتار کرلیا، غرضکہ اپنی تمام پچھلی شجاعانہ اماوگیوں کو فراموش کرکے اچانک ایک نیا پوزیشن اختیار کرلیتے ہیں اور اگرچہ سزا سے نہ بچ سکیں لیکن سزا سے بچنے کے لئے جس قدر بھی حیلے حوالے کرسکتے ہیں اس میں کمی نہیں کرتے، پہلی قسم کی طرح اس قسم کے لوگ بھی بعد کو اپنے طرزِ عمل کی حمایت یا معذرت میں یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ لڑائی بھی ایک طرح کا فریب ہے ہم نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے دشمن سے

فریب کھیلا ورنہ دراصل ہمارے دل میں وہی ہے جو پہلے تھا، لوگ بھی اسے مان لیتے ہیں۔ یہ بات گویا اس قدر مسلم اور پیشتر سے سمجھی بوجھی ہوئی ہے کہ جب کوئی لیڈر عدالت میں ایسا رویہ اختیار کرتا ہے تو پبلک ذرا بھی تعجب نہیں کرتی اور سمجھ لیتی ہے کہ یہ سب کچھ صرف عدالت کے لئے کیا گیا ہے جہاں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ پالٹیکس میں ایسا ہی کرنا پڑتا ہے گویا پالٹیکس میں جھوٹ، نفاق، دورنگی، ذلتِ نفس اور مکرو فریب کے سوا چارہ نہیں۔

(۳) کچھ لوگ ان دونوں قسموں سے بھی بلند تر ہیں۔ وہ زیادہ باہمت اور نڈر دل رکھتے ہیں۔ اس لئے عدالت کے سامنے بھی اُن کی جرأت و شجاعت اسی آن بان کے ساتھ نظر آتی ہے جس طرح پبلک مجمعوں میں نظر آتی تھی، لیکن زیادہ دقّتِ نظر کے ساتھ جب اُن کے طرزِ عمل کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی بے لاگ اور یکسو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ گو وہ ساری باتیں ہمت اور بے باکی کی کرتے ہیں لیکن حقیقت اور اصلیت کے اقرار و برداشت سے اُنہیں بھی گریز ہوتا ہے یعنی عدالت کی سزا سے بچنے کے لئے وہ بھی کوئی دقیقہ حیلے حوالوں کا اُٹھا نہیں رکھتے، البتہ ان کی حیلہ جوئی بہت ہی مخفی اور باریک ہوتی ہے۔ پچھلی دو جماعتوں کی طرح کھلی ہوئی اور صاف نہیں ہوتی۔ وہ گورنمنٹ کی مخالفت سے انکار تو نہیں کرتے لیکن ساتھ ہی عدالت اور قانون کی آڑ میں پناہ بھی لینا چاہتے ہیں، یعنی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گو انہوں نے یہ سب کچھ کہا اور کیا ہے تاہم انہیں سزا نہیں چاہیئے کیونکہ عدالت اور قانون کی رُو سے وہ ہر طرح ایک جائز فعل تھا، کسی طرح بھی سزا کا موجب نہیں ہو سکتا، ساتھ ہی وہ اس بات کی بھی سخت شکایت کرتے ہیں کہ بلا قصور انہیں گرفتار کر لیا گیا، نیز عدالت کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو سزا کا دینا نہایت ناانصافی کی بات ہوگی۔ یہ طرزِ عمل اُن کا اس گورنمنٹ اور گورنمنٹ کی عدالت میں ہوتا ہے جس کے ظلم و ستم کا وہ شب و روز رونا رو چکے ہیں اور جس کے انصاف سے انہوں نے ہمیشہ مایوسی ظاہر کی ہے، نیز جس کی نسبت انہیں یقین بھی ہے کہ خواہ کتنی ہی قانون اور انصاف کے نام پر اپیلیں کی جائیں،

لیکن انہیں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا۔

یہ آخری قسم گویا سب سے بلند اور اعلیٰ جماعت ہے جو ہماری پولیٹکل جد وجہد کا دور اس وقت تک پیدا کر سکا ہے، لیکن قول اور فعل کی مطابقت سے اس کا طرزِ عمل بھی خالی ہے۔ اگر فی الواقع وہ اپنے تمام دعووں میں سچی تھی اور دعوت آزادی و حق پرستی کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار تھی تو چاہیئے تھا کہ اپنی گرفتاری اور سزایابی کا بلا کسی اعتراض اور شکایت کے استقبال کرتی، اور صاف صاف کہہ دیتی کہ فی الواقع اس نے ایسا ہی کام کیا ہے جس پر گورنمنٹ کے نقطۂ خیال کے مطابق سزا ملنی چاہیئے اور چونکہ اس نے خود اپنی پسند سے یہ راہ اختیار کی ہے اس لئے اُسی کے قدرتی نتائج کے لئے وہ کسی طرح گورنمنٹ کو ملامت بھی نہیں کرتی، گورنمنٹ دنیا کے تمام جانداروں کی طرح یقیناً اپنے مخالفوں کو سزا ہی دے گی، پھولوں کا تاج نہیں پہنائے گی پس جب ایک بات قدرتی طور پر ناگزیر ہے تو کیوں اس سے گریز کیا جائے، اگر گریز ہے تو آزادی و حق طلبی کی راہ میں قدم رکھنا ہی نہیں چاہیئے۔

لیکن مولانا کا طرزِ عمل اس اعتبار سے بالکل ایک نئی راہ ہمارے سامنے کھولتا ہے۔ انہوں نے بتلایا ہے کہ قول اور فعل کی مطابقت اور سچی اور بے لاگ حقیقت پرستی کے معنی کیا ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں سب سے پہلے اسی سوال پر توجہ کی ہے۔ انہوں نے صاف صاف تسلیم کر لیا ہے کہ وہ بحالتِ موجودہ گورنمنٹ کے نقطۂ نظر اور قانون سے واقعی مجرم ہیں اور یہ ہرگز قابلِ ملامت و شکایت نہیں ہے کہ گورنمنٹ انہیں سزا دلانا چاہتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب انہوں نے استغاثہ کے مواد کو بہت ہی کمزور پایا تو ایک ایسی جرأت کے ساتھ جس کی کوئی نظیر موجود نہیں استغاثہ کا بارِ ثبوت بھی اپنے ذمہ لے لیا اور خود اپنے قلم سے وہ تمام باتیں بتفصیل لکھ دیں جن کا ثبوت استغاثہ کے لئے بہت مشکل تھا، اور اس لئے وہ پیش نہ کر سکا تھا۔ اس طرح عدالت پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ استغاثہ کے دعوے سے بھی کہیں زیادہ وہ گورنمنٹ کے مجرم ہیں اور یہ بالکل ایک قدرتی بات ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔

چنانچہ ہم خود انہی کی زبانی سُنتے ہیں کہ اُن کا ارادہ بیان دینے کا نہ تھا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ ان کے خلاف گورنمنٹ کو جو کچھ کہنا چاہیئے وہ سب کچھ پیش کر دے گی، لیکن جب کارروائی شروع ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ صرف دو تقریروں کی بنا پر استغاثہ دائر کیا گیا ہے اور وہ ان بہت سی باتوں سے بالکل خالی ہیں جو ہمیشہ وہ کہتے رہے ہیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ گورنمنٹ میرے خلاف تمام ضروری مواد مہیا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی، اس لئے میرا فرض ہے کہ میں عدالت کو اصلیت سے باخبر کر دوں، وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قواعدِ عدالت کی رو سے یہ میرا فرض نہیں ہے، مگر چونکہ حقیقت کا قانون عدالتی قواعد کی حیلہ جوئیوں کا پابند نہیں ہے اس لئے یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا کہ ایک بات صرف اس لئے پوشیدگی میں چھوڑ دی جائے کہ مخالف اپنے عجز کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا۔

اس کے بعد انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ کیوں جرم کا اقرار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اس لئے کہ جب ایک قوم اپنے ملک کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہے تو اس کا مقابلہ اس طاقت سے ہوتا ہے جو عرصہ سے اس کے ملک پر قابض و متصرف ہے کوئی انسان یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے قبضہ میں آئی ہوئی چیز واپس چلی جائے، پس قدرتی طور پر یہ مطالبہ قابض طاقت پر شاق گذرتا ہے اور جہاں تک اس کے بس میں ہوتا ہے وہ اپنے فوائد کے تحفّظ کے لئے جد و جہد کرتی ہے۔ یہ جد و جہد کتنی ہی خلافِ انصاف ہو مگر کسی طرح بھی قابلِ ملامت نہیں ہے، کیونکہ ہر وجود اپنی حفاظت کے لئے ضرور ہاتھ پاؤں مارے گا، ایسا ہی مقابلہ ہندوستان میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ جو لوگ موجودہ بیوروکریسی کے خلاف جد و جہد کر رہے ہیں، بیوروکریسی بھی ان کی مخالفت میں جد و جہد کرے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہے ان کو سزائیں دے کیونکہ وہ نہ صرف جد و جہد کرنے والے ہی ہیں بلکہ اس جد و جہد کی دعوت دینے والے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ انہیں سزا دی جائے، بلکہ زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے وہ کہتے ہیں کہ میں کیوں گورنمنٹ سے یہ توقع رکھوں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی۔

وہ تو وہی کرے گی جو ہمیشہ طاقت نے آزادی کی جدوجہد کے مقابلہ میں کیا ہے، پس یہ ایک ایسا قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے شکوہ و شکایت کا کوئی موقعہ نہیں، دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے۔

انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ آزادی و حق طلبی کی جدوجہد کی مقاومت میں دنیا کی جابر گورنمنٹیں جو کچھ کر چکی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اس وقت جس قدر جبر و تشدد ہو رہا ہے، وہ بہت ہی کم ہے۔

کیسی بے لاگ صداقت شعاری ہے جو اس بیان سے ٹپک رہی ہے؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر راستبازی اور شجاعت و استقامت کی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟۔

لوگوں کو شیوۂ حق گوئی کے اس نئے نمونہ پر اگر تعجب ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ ابھی ہم اس مقام سے بہت ہی دور پڑے ہوئے ہیں، ابھی تک تو ہمارا یہ خیال ہے کہ پالیٹکس میں ہر طرح کی ہٹ دھرمی اور صریح غلط بیانی تک جائز ہے۔

مولانا کا یہ طرزِ عمل عام خیالات سے کس قدر مختلف ہے؟ اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو گا۔ مولانا نے مندرجہ بالا مطالب لکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں "کہا جا سکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح دوسرے فریق کی جدوجہد بھی قابلِ ملامت نہیں" یعنی قوم کی طرح گورنمنٹ بھی اپنی جدوجہد میں قابلِ ملامت نہیں چونکہ یہ خیال عام خیال سے بالکل ہی بعید تھا، لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ گورنمنٹ کو بھی اس کی جابرانہ جدوجہد میں ناقابلِ ملامت مانا جائے۔ اس لئے تمام اخبارات نے اسے کتابت کی غلطی سمجھا اور "کہا جا سکتا ہے" کی جگہ "کہا جاتا ہے" بنا دیا گویا گورنمنٹ یا اسکے طرفدار ایسا کہتے ہیں ورنہ در اصل ایسا نہیں ہے، حالانکہ اس کے بعد کی عبارت بالکل اس تبدیلی کے خلاف تھی۔

نان کوآپریشن اُصول جو کچھ پہلے نظر آیا مولانا کے مسلک کی عام حیثیت تھی اگر ترکِ موالات کا پروگرام نہ ہوتا جب بھی وہ ایسا ہی کرتے، لیکن

اب اس اعتبار سے یہی دیکھنا چاہیئے کہ ترکِ موالات کا اصول ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے طرزِ عمل کا کیا حال ہے۔

ترکِ موالات اور عدالت کے بائیکاٹ سے مقصود یہ تھا کہ عدالت میں کسی طرح کا ڈیفنس نہ کیا جائے یعنی اپنے کو سزا سے بچانے کے لئے کوئی کارروائی نہ کی جائے، کیونکہ نان کوآپریشن، عدالت کے انصاف اور جواز ہی سے منکر ہے۔ اس اعتبار سے مولانا نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ ڈیفنس نہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔

بہت سے لوگوں نے ڈیفنس نہ کرنے پر صرف اتنا ہی عمل کیا کہ عدالتی دستور کے مطابق وکلاء اور قانون پیشہ اشخاص کو اپنی طرف سے مقرر نہیں کیا، لیکن جہاں تک تعلق اصل ڈیفنس کا ہے، اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی، پوری طرح اپنی بے قصوری اور استغاثہ کے خلاف قانون و انصاف ہونے پر بحثیں کیں اور ہر طرح کے قانونی مواد سے استدلال کیا، بعض حالتوں میں عدالت سے انصاف کی اپیل بھی کی گئی، یعنی خود اپنی زبان و قلم سے سب کچھ کر گذرے جو وکیل اور کونسل کی جانب سے ڈیفنس میں کر سکتا تھا۔ پس فی الحقیقت یہ ڈیفنس نہ کرنا نہیں ہوا بلکہ براہ راست خود ڈیفنس کرنا ہوا۔

لیکن مولانا کا طرزِ عمل کس قدر یکسو اور کامل معنوں میں ڈیفنس سے مبرا ہے؟ انہوں نے اظہارِ بے جرمی کی جگہ جرم کا صاف صاف اعتراف کیا اور بجائے انصاف کی اپیل کرنے کے عدالت کو خود ہی اپنے جرائم کی فہرست سُنا دی، ساتھ ہی اول سے آخر تک کسی طرح کی قانونی بحث نہیں کی، ایک حرف بھی اس بارے میں ہم ان کی زبان سے نہیں سُنتے حتیٰ کہ یہ تک نہیں پوچھتے کہ جو دفعہ ان پر لگائی گئی ہے واقعی ان کی تقریریں اس میں آتی بھی ہیں یا نہیں؟ اور آتی ہیں تو کیونکر؟ وہ تو خود ہی اپنی تقریروں کے تمام سخت مقامات نقل کر دیتے ہیں اور سی آئی ڈی کے رپورٹروں کی نا قابلیت سے جہاں کوئی کمی رہ گئی ہے اس کو استغاثہ کے حسبِ منشاء مکمل کر دیتے ہیں۔ فی الحقیقت ترکِ موالات اور عدالتوں کے مقاطعہ سے اصل مقصود یہ تھا جس کا مکمل نمونہ ہم ان میں دیکھتے ہیں، یہ نہیں تھا کہ ڈیفنس اور بریت کا ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کر لیا جائے۔

جو لوگ صاحبِ نظر و انصاف ہیں وہ یقیناً اس طرزِ عمل سے متاثر ہوتے، اور متاثر ہوں گے۔ مولانا کے بعد ہی لاہور میں لالہ لاجپت رائے پر دوبارہ مقدمہ چلایا گیا، لیکن جب اُن سے پوچھا گیا کہ وہ کوئی بیان دیں گے؟ تو جواب میں انہوں نے کہا "چونکہ بیان میں ازروئے قانون اپنی بریت کو لازمی طور پر لکھنا پڑے گا اور یہ نان کواپریشن کے خلاف ہے اس لئے غور کرنے کے بعد اب میری رائے یہی ہو گئی ہے کہ بیان نہیں دینا چاہیئے۔ گویا انہوں نے بھی مولینا کے طرزِ عمل کی تائید کی۔

جب تک ایک حقیقت نظروں سے مستور رہتی ہے اس کا عام طور پر احساس نہیں ہوتا لیکن جب سامنے آجاتی ہے تو پھر تعجب ہوتا ہے کہ اتنی صاف بات کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ یہی حال اس معاملہ کا ہے۔ مولینا کا بیان فی الواقع تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اسقدر صاف اور سچی بات سے بڑے بڑے لیڈروں کو گریز رہا؟ یہ واقعہ ہے کہ ہم موجودہ گورنمنٹ اور بیوروکریٹک حکام کے جبر و ظلم کے خلاف جد و جہد کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ان کے قبضہ سے اپنا حق واپس لینا ہے پس یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہمارے دلائل اور عقائد کی رو سے کتنا ہی صحیح ہو لیکن موجودہ گورنمنٹ کے قانون اور پوزیشن کی رو سے تو ضرور جرم اور بلا کسی نزاع کے ۱۲۴۔ الف ہے یعنی گورنمنٹ کے خلاف حقارت و نفرت پھیلانا ہے۔ پس اگر ہم اس بات سے بے خبر ہیں تو ہم اس کام کے لائق ہی نہیں ہو سکتے، اگر جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو پھر ہم کو مان لینا چاہیئے کہ گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے نافذ کردہ قانون کی رو سے، ہم ضرور مجرم ہیں اور وہ سزا دلانے میں حق بجانب ہے، اس میں بچاؤ اور بریت کے لئے چناں چنیں کیوں کی جائے اور شکوہ و شکایت کیوں ہو۔ کیا لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ کے خلاف جد و جہد بھی کریں گے، اُسے جنگجو حریفوں کی طرح چیلنج بھی دیں گے، اور پھر وہ انہیں گرفتار بھی نہ کرے گی اور محض معمولی معمولی سزائیں بھی نہ دے گی۔ مولینا کے لفظوں میں کہنا چاہیئے کہ "گورنمنٹ مسیح نہیں ہے"۔

یا پھر تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جو کچھ زبان سے کہا جاتا ہے وہ دل میں نہیں ہے، زبان چیلنج دیتی ہے مگر دل میں یہی ہوتا ہے کہ ہم آخر تک بچتے رہیں گے اور یہ محض زبانی شیخی کر رہے ہیں ورنہ سچ مچ کو پکڑے نہیں جائیں گے۔

سی آئی ڈی کے رپورٹر

اسی سلسلہ میں مولانا کے طرزِ عمل کی ایک اور صداقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ انہوں نے کیسی صفائی اور راست بازی کے ساتھ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ سی آئی ڈی کے رپورٹروں نے ان کے خلاف جو کچھ کہا وہ صحیح ہے، اس میں کوئی بات شرارت کی نہیں۔

ہماری پولیٹکل جدوجہد کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مثال ہے کہ اس فراغ دلی کے ساتھ خود ملزم نے ان لوگوں کی شہادت کی تصدیق کی ہے جو ملزم کے برخلاف اسکی کوشش کر رہے ہیں کہ عمر بھر کی قید کی سزا دلا دی جائے۔

انسان کی ایک سب سے بڑی عام کمزوری یہ ہے کہ وہ فریقانہ تعصب سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ صداقت کے لئے سب سے زیادہ مشکل آزمائش اسی وقت ہوتی ہے جب وہ دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں کھڑی ہوتی ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بڑے بڑے لیڈر بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کہ مخالف فریق کو بوقتِ ضرورت غلط الزامات دے دیئے جائیں یا کم از کم ان کی موافقت میں کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مصالح جنگ ہیں، غلط بیانی اور جھوٹ نہیں لیکن فی الحقیقت یہ یورپ کا پولٹیکل اخلاق ہے جس پر یورپ سے بیزار ہو کر بھی ہم شوق سے عمل کر رہے ہیں۔

ابھی اسی سال کی بات ہے کہ علی گڑھ میں پولیس کے اشتعال سے فساد ہوا تھا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے پولیس کے اشتعال اور تشدد سے پبلک بھی مشتعل ہوئی، اور پھر مشتعل ہونے کے بعد اس نے بھی وہ سب کچھ کیا جو ایک پُرجوش مجمع کی فطرت کیا کرتی ہے لیکن اخبار "انڈی پینڈنٹ" کے نامہ نگار اور بعض دیگر مقامی لیڈروں نے اس سے صاف صاف انکار کر دیا۔ وہ آخر تک یہی کہتے رہے کہ مجمع نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ نہ تو

کوتوالی پر حملہ کیا گیا، نہ پولیس پر پتھر پھینکے گئے، نہ کوتوالی کا سامان جلایا گیا، یہ سب جھوٹ ہے، حالانکہ یہ سب سچ تھا، اور سچ کو سچ ماننے ہی میں ہماری طاقت اور عقلمندی ہے۔ آخر جب گاندھی جی نے سختی کے ساتھ مضامین لکھے تب جا کر لوگ کہیں خاموش ہوئے۔ اس طرح کی ہٹ دھرمیوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حریف کی نظر میں جو یقیناً اصلیت سے بے خبر نہیں ہے، ہمارے کیریکٹر کی کمزوری خود کھل جاتی ہے اور ہماری بات بالکل ہلکی اور بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہمیں یاد نہیں پڑتا کہ آج تک کبھی کسی نے یہ تسلیم کیا ہو کہ اُس کے خلاف پولیس کا بیان صحیح ہے۔ بلاشبہ یہ سچ ہے کہ پولیس کی کذب بیانیوں کی بھی کوئی حد نہیں، لیکن انہیں جھوٹ گھڑنے کی ضرورت وہیں پڑتی ہے جہاں اصل میں کچھ نہ ہو۔ جہاں فی الواقع گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کی گئی ہے وہاں تو وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کریں گے کہ مخالف کو مخالف ہی دکھلائیں، یا کچھ مبالغہ کر دیں، پھر کیوں واقعات کو صریح جھٹلایا جائے۔

اُن کا عفو و تحمل اور روش کی متانت

ایک بڑی سبق آموز حقیقت ان کے روش کی کمال درجہ سنجیدگی و متانت اور نہایت ہی مؤثر عفو و درگذر بھی ہے۔ یہ وصف بھی ایسا ہے کہ جس پر غور کرنے کی ہمارے قومی لیڈروں اور کارکنوں کو بڑی ہی ضرورت ہے۔

یہ قدرتی کمزوری ہم تمام انسانوں میں ہے کہ مخالف کے مقابلے میں غصہ اور غیظ و غضب سے بھر جاتے ہیں۔ علی الخصوص اس حالت میں جبکہ مخالف صاحبِ اختیار و طاقت بھی ہو لیکن ایک لیڈر اور بڑے آدمی کو عام انسانوں سے زیادہ جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے۔ کسی انسان کی بڑائی کیلئے یہ کم سے کم بات ہے کہ وہ وقت پر اپنے غصہ کو ضبط کر سکے۔ بہت سے لوگ یہ غلطی بھی کر جاتے ہیں کہ شجاعت و ہمت اور طیش و غضب میں فرق نہیں کرتے۔ بہت زیادہ غصہ میں آجانے کو ہمت اور بہادری کی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ سچا بہادر وہی ہے جو تکلیف جھیلنے میں اس قدر مضبوط ہو کہ تکلیف دیکھ کر اُسے غصہ ہی نہ آئے، علاوہ بریں غصہ اور طیش کے ہیجان میں واقعات اور حقیقت کی تاثیر بھی نمایاں نہیں ہو سکتی۔

مولانا کے طرزِ عمل کی ایک بڑی نمایاں بات ان کی بیحد متانت اور سنجیدگی ہے عدالت کی تمام کارروائیوں کے اثنا میں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا کہ وہ غصہ میں بھرے ہوتے ہیں یا دشمن کے قابو میں اپنے آپ کو پاکر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ برخلاف اس کے ان کے بیان کی ہر سطر سے کامل متانت اور ضبط ٹپکتا ہے اور جس حصہ کو دیکھا جائے جذبات کے جوش کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ انہوں نے سخت سے سخت جوش انگیز پولیٹکل معاملات پر اس طرح بحث کی ہے گویا ایک شخص نہایت سادگی کے ساتھ محض واقعات و حقائق پہ لیکچر دے رہا ہے۔ وہ گویا گرفتار ہونے کے بعد غضبی جذبات سے بالکل خالی ہو گئے تھے۔

اس سے بھی زیادہ مؤثر مقام بیان کا خاتمہ ہے جہاں انہوں نے ان تمام لوگوں کا ذکر کیا ہے جو ان کے خلاف مقدمہ میں کام کر رہے تھے۔ اپنے مخالف گواہوں، سرکاری وکیل، اور مجسٹریٹ کی نسبت پوری خوشدلی کیساتھ لکھ دیا ہے کہ انہیں کوئی شکایت یا رنج ان سے نہیں ہے اور اگر ان سے کوئی قصور اس بارے میں ہوا ہے تو وہ سچے دل سے معاف کر دیتے ہیں مجسٹریٹ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ تو اپنا فرض انجام رہا ہے اور حکومت کی مشینری کا ایک جزو ہے جبتک مشینری تبدیل نہ ہو اسکے اجزا کے افعال میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی پس اس سے بھی انہیں کوئی شکایت نہیں ہے۔

ان کے بیان کا خاتمہ بیحد مؤثر ہے وہ ضرب المثل کی طرح ہمارے لٹریچر میں زیادہ رہے گا۔ جس طرح بیان کے بہت سے جملے اپنی لفظی و معنوی خوبصورتی صداقت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ہم بیان کے مطالب کی اہمیت، طرزِ بیان کی دلنشینی، اسلامی حریت کی عالمانہ ترجمانی اور فرائض ملک و ملت کی بہترین سبق آموزی کی قدر و قیمت کا اندازہ ناظرین کے ذوقِ سلیم پر چھوڑتے ہیں اور مولانا ہی کے لفظوں میں یہ کہہ کر اپنی گذارش ختم کر دیتے ہیں کہ "مستقبل فیصلہ کرے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا"۔

پیغام

وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا
وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

مباش غمزہ عرفی کہ زلف و قامتِ یار
جز ار ہمتِ عالی و دست کوتہ ماست!

آج ۸ ردسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح ہے۔ کل شام کو مجھے قابلِ وثوق ذرائع سے اطلاع مل گئی ہے کہ گورنمنٹ بنگال نے وائسرائے کے مشورہ کے بعد میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کا فیصلہ کر لیا۔ میری نسبت گورنمنٹ کا ارادہ یہ ہے کہ اگر میں گیارہ تاریخ تک کلکتہ سے باہر نہ گیا تو مجھے گرفتار کر لے گی، لیکن اگر میں بدایوں کے جلسہ جمعیۃ العلماء کے لئے چلا گیا تو پھر گویا اس کے سر سے بلا ٹل جائے گی، صرف مسٹر داس گرفتار کر لئے جائیں گے۔

میرا وقت تمام تر بنگال سے باہر ہندوستان کے کاموں میں خرچ ہوتا رہا ہے۔ اس وقت بھی میں تحریک کے نہایت اہم کاموں میں مشغول تھا اور ۲۵ ردسمبر تک کا پروگرام میرے سامنے تھا، لیکن اچانک بنگال میں نئی سرگرمی شروع ہو گئی اور اس کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی اس کی تقلید کی گئی۔ میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے جلسہ کی وجہ سے بمبئی میں تھا۔ گاندھی جی سے میں نے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ چلا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ

یکم دسمبر کو میں کلکتہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ گورنمنٹ نے آخری حد تک تشدد کا ارادہ کر لیا ہے اور کوئی ناجائز طریقہ ایسا نہیں ہے جو ۲۴ کی ہڑتال روکنے کے لئے عمل میں نہ آ رہا ہو، تاہم لوگ پوری استقامت کے ساتھ صبر و سکون پر قائم ہیں۔

میرا پہلا کام یہ تھا کہ لوگوں کے ایمان اور استقامت دونوں کی نسبت اطمینان حاصل کر لوں۔ یہ اطمینان مجھے ۵ دسمبر تک حاصل ہو گیا۔ اب میں نے سوچا کہ کلکتہ سے باہر جاؤں یا نہ جاؤں بدایوں کے جلسۂ جمعیۃ میں جانا بھی نہایت ضروری تھا۔ ۶ دسمبر تک میں متذبذب رہا۔ میں نے گاندھی جی کو لکھ دیا کہ بقیہ کاموں کے لئے مسٹر سی آر داس کافی ہوں گے، میں بدایوں ہو کر بمبئی آتا ہوں، لیکن ۶ دسمبر کی شام کو یکایک حالات نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ میں نے محسوس کیا کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے اور گویا مقابلہ کا فیصلہ کن میدان یہیں پیدا ہو گیا ہے۔ پس میرے لئے ضروری ہو گیا کہ تمام کاموں کو ترک کر کے کلکتہ کے لئے وقف ہو جاؤں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں یہیں رہوں گا، یہاں تک کہ گورنمنٹ جابرانہ احکام واپس لے لے یا مجھے گرفتار کر لے۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ گورنمنٹ نے خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کو بالکل توڑ دینے اور معطل کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایک ایک کر کے تمام کارکن گرفتار کئے جا رہے ہیں، قومی اخبارات بھی عنقریب بند کر دیئے جائیں گے۔ مسٹر داس بالکل تنہا رہ گئے ہیں، اس بنا پر بھی میرے لئے کلکتہ چھوڑنا ناممکن تھا۔

یہ سچ ہے کہ گورنمنٹ بنگال مجھے گرفتار کرنے سے بچنا چاہتی ہے اور منتظر ہے کہ میں کلکتہ سے باہر چلا جاؤں۔ گورنمنٹ کے ایک بھیجے ہوئے دوست نے مجھے اس سے مطلع بھی کر دیا ہے لیکن افسوس کہ گورنمنٹ کی تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی میری خواہش سے متضاد ہے اور میرا موجودہ فرض تعمیل نہیں ہے بلکہ خلاف ورزی۔

میں نے پوری طرح غور کر کے یہ فیصلہ کیا ہے۔ بلاشبہ بہت سے کاموں کے لئے میں اپنی موجودگی ضروری دیکھتا ہوں۔ کام اور ضرورت کا یہ حال ہے کہ جس قدر بھی مہلت مل جائے اس سے کام لینا چاہیئے، لیکن اللہ کے فضل نے کلکتہ میں جو میدانِ عمل پیدا کر دیا ہے

وہ بھی ہر اعتبار سے مجھے قیمتی اور اہم معلوم ہوتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ میرا انتخاب غلط نہ ہوگا۔

گورنمنٹ نے میری گرفتاری کا فیصلہ کر کے مجھے بہت بڑے بوجھ سے نجات دیدی ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے لئے اب جیل سے باہر رہنا کس قدر تکلیف دہ ہو گیا تھا؟ جو چلے جاتے ہیں انہیں کیا معلوم کہ پیچھے رہ جانے والوں پر کیا گزرتی ہے؟ محمد علی، شوکت علی، لالہ لاجپت رائے، پنڈت موتی لال نہرو سب کا سفر پورا ہو گیا اور میں اب تک منزل کے انتظار میں تھا، اب منزل میرے سامنے ہے اور میرا دل خوشی سے معمور ہے کہ ایک آخری مگر فتحمند میدان اپنے پیچھے چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے کلکتہ کے موجودہ میدانِ عمل کو آخری اور فتحمند میدان کہا۔ یہ میرا یقین ہے اور عنقریب تمام ملک دیکھ لے گا کہ جو کام دو سال کے اندر تمام ملک میں انجام نہ پا سکا وہ ان چند دنوں کے اندر کلکتہ میں انجام پا جائیگا۔ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِيْنٍ۔

البتہ اس آخری کام کی تکمیل اور مضبوطی کے لئے ایک آخری مرحلہ باقی ہے، اور میں بے فکر ہو گیا ہوں کہ گورنمنٹ بنگال کے ہاتھوں وہ بھی پورا ہو جائے گا۔ اگر دو تین دن کے اندر مجھے اور مسٹر سی آر داس کو گرفتار کر لیا گیا تو یہ نہ صرف کلکتہ بلکہ تمام بنگال کو ایک نئی بیداری اور زندگی سے معمور کر دے گا، بنگال کو ہم دو سال تک آزاد رہ کر بیدار نہ کر سکے لیکن ہماری گرفتاری ایک منٹ کے اندر بیدار کر دے گی۔

میں اپنی گرفتاری میں تمام مسلمانانِ ہند کی ایک نئی کروٹ دیکھ رہا ہوں، مجھے خاص طور پر پنجاب، صوبہ سرحد اور بہار پر اعتماد ہے۔ ان تینوں صوبوں کے مسلمانوں نے ہمیشہ میری صداؤں کو محبت، اعتماد اور قبولیت کے ساتھ سُنا ہے۔ وہ گذشتہ دس سال سے میری تمام اُمیدوں کا مرکز ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری گرفتاری اُن کے لئے آخری دعوتِ عمل ہوگی، جو حقیقت تین سال کی پیہم تقریروں اور تحریروں میں نہیں سمجھا سکا تھا وہ میری گرفتاری کی خاموشی سمجھا دے گی۔

اس طرح گورنمنٹ بنگال صرف بنگال ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام ملک کے لئے ایک بہترین خدمت انجام دے رہی ہے۔

اوّلین مبارک باد اگر میں گرفتار ہوگیا تو گاندھی جی کو میرا یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔ میں آپ کو آپ کی فتح یابی پر سب سے پہلے مبارک باد دیتا ہوں۔ اس مبارکبادی کے لئے آپ مجھے جلد باز نہ سمجھیں، میں اُس اٹل وقت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کی مبارک باد دینے میں کوئی دوسرا مجھ پر سبقت نہ کر جائے۔ آپ کے ساتھ انسانی رفاقت روز بروز گھٹ رہی ہے مگر خدا کی مدد بڑھتی جا رہی ہے۔ بمبئی کے حادثہ نے آپ کے دل کو بہت صدمہ پہنچایا، میں آپ کو افسردہ اور غمگین دیکھ کر بہت دردمند ہوا تھا، لیکن اب کلکتہ اٹھا ہے تاکہ غمگینی کی جگہ خوشی اور کامیابی کا تحفہ آپ کے سامنے پیش کرے۔ آپ نے ۲۵ نومبر کی شام کو جب مجھ سے کلکتہ کے بارے میں گفتگو کی تو میں نے آپ کو اطمینان دلایا تھا۔ میں خوش ہوں کہ میرا اطمینان بالکل صحیح نکلا کلکتہ میں میں پندرہ سال سے کام کر رہا ہوں، نصف صدی کی خاندانی زندگی رکھتا ہوں اسلئے میرا اطمینان علم و یقین پر مبنی تھا۔ گذشتہ تین سال کے اندر تحریکِ خلافت کے سب سے اہم کام کلکتہ ہی کے مسلمانوں نے انجام دیئے ہیں، اب آخری منزل میں بھی پہلا قدم وہی اٹھائے گا۔ اُس نے بامن قربانی کا راز پالیا ہے، وہ نہ تو بھڑکے گا نہ بجھے گا، مگر اس کی آگ برابر سلگتی رہے گی۔ بامن سول ڈس اوبیڈینس کی منزل طے کرنا اسی کے حصہ میں آیا ہے اور وہ اس کا حق دار ہے۔

آخری پیغام میرا آخری پیغام وہی ہے جو اب سے دس برس پہلے پہلا پیغام تھا۔ لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝[۱]

نہ تو ہراساں ہو، نہ غمگین ہو، تم ہی سب پر غالب رہو گے اگر سچا ایمان اپنے اندر پیدا کر لو۔ ہماری تمام فتح مندی کی بنیاد چار سچائیوں پر ہے اور میں اس وقت بھی ملک

---

[۱] آل عمران۔ رکوع ۱۴۔ آیت ۱۳۹

کے ہر باشندے کو اسی کی دعوت دیتا ہوں۔

(۱) ہندو مسلمانوں کا کامل اتفاق (۲) امن (۳) نظم

(۴) قربانی اور اس کی استقامت۔

مسلمانوں سے میں خاص طور پر التجا کروں گا کہ اپنے اسلامی شرف کو یاد رکھیں اور آزمائش کی اس فیصلہ کن گھڑی میں اپنے تمام ہندوستانی بھائیوں سے آگے نکل جائیں اگر وہ پیچھے رہے تو اُن کا وجود چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم کے لئے شرم و ذِلت کا ایک دائمی دھبہ ہوگا۔

میں مسلمانوں سے خاص طور پہ دو باتیں اور بھی کہوں گا۔ایک یہ کہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔اگر ان میں سے کسی ایک بھائی یا کسی ایک جماعت سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اُسے بخش دیں اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتفاق کو صدمہ پہنچے۔دوسری بات یہ ہے کہ گاندھی جی پر پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی بات ایسی نہ چاہیں (اور وہ کبھی نہ چاہیں گے) جو اسلام کے خلاف ہو، اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی کے ساتھ اُن کے مشوروں پر کاربند رہیں۔

مرکزی خلافت کمیٹی

مرکزی خلافت کمیٹی کے کاموں سے مَیں مطمئن ہوں۔اس کے باہمت اور سرگرم صدر سیٹھ چھوٹانی صاحب کی موجودگی ہر طرح کفایت کرتی ہے۔میرے عزیز ڈاکٹر سید محمود سکریٹری منتخب ہو چکے ہیں اور نہایت سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔اُن کی اعانت کے لئے مسٹر احمد صدیق کھتری پیشتر سے موجود ہیں۔مجھے اُمید ہے کہ دفتر کے تمام اخوانِ کار ان باتوں کو فراموش نہ کریں گے جو گذشتہ قیامِ بمبئی کے موقعہ پر میں نے اُن سے کہی تھیں۔ان کی متحدہ زندگی اور سعی ہماری عدم موجودگی کی پوری طرح تلافی کر دے گی

حکیم محمد اجمل خان صاحب حکیم صاحب کو میرا پیغام پہنچا دیا جائے کہ اب آپ کی دوشِ ہمت پر صرف آپ ہی کے فرائض کا نہیں بلکہ ہم سب کا بوجھ آپڑا ہے۔ حکمتِ الٰہی کا منشا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے تمام کام آخر تک آپ ہی انجام دیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ بمبئی تشریف لے جائیں، اور دہلی کی فکر چھوڑ دیں۔

انگورہ فنڈ افسوس ہے کہ انگورہ فنڈ کی مزید تکمیل کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ غالباً اس وقت تک دس لاکھ روپیہ فراہم ہوگیا ہے۔ پہلے آخر دسمبر تک کا زمانہ قرار پایا تھا، اب بہتر ہوگا کہ ایک ماہ کی مدت اور بڑھا دی جائے، اور جنوری کے آخر تک فراہمی کا سلسلہ جاری رہے۔

میرا ارادہ تھا کہ دسمبر کے وسط میں ایک خاص تاریخ عام وصولی کے لئے قرار دی جائے اور جس طرح مردم شماری کے وقت انتظام ہوتا ہے اسی طرح ہر جگہ انتظام کیا جائے کہ فلاں وقت چندہ کرنے والے نکلیں گے، ہر شخص حتی الامکان اپنے مکان میں رہے پھر وصول کرنے والے تمام شہر میں پھیل جائیں اور ہر مسلمان کے آگے دستِ سوال دراز کریں کم از کم ایک مرتبہ تو ایسا ہو جانا چاہیئے، کہ ہندوستان کا ہر مسلمان حفاظتِ اسلام و خلافت کے لئے کچھ نہ کچھ مالی قربانی کر دے۔

لیکن کلکتہ پہنچ کر جب ملک کی عام حالت پر نظر ڈالی تو یہ وقت اس کے لئے موزوں معلوم نہ ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ احمد آباد خلافت کانفرنس میں اس کا اعلان ہو جائے، اور جنوری کے پہلے ہفتہ کی کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے۔

جمعیۃ العلماء جمعیۃ العلماء کا وجود اس وقت سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ ذمہ دار ہے۔ وہ علماء کا مجمع ہے اور علماء کے سوا اور کوئی نہیں جسے مسلمانوں کی دینی و دنیوی رہنمائی و پیشوائی کا منصب حاصل ہو جمعیۃ کے سامنے اس وقت ایک نہایت اہم اسلامی مسئلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ تمام ارکانِ جمعیۃ کو توفیق دے کہ اجتماعِ بدایوں میں کامل اتفاق و اجماع کے ساتھ کسی بہتر فیصلہ پر پہنچیں۔

سر دست میں ارکانِ جمعیتہ سے بہ ادب عرض کروں گا۔

(۱) آپ سب کا باہمی اتحاد ہر حال میں ضروری اور تمام مقاصد کیلئے بنیادکار ہے۔

(۲) ہندو مسلمانوں کے اتفاق کی ضرورت و اہمیت اور شرعی استحسان آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں، اس کی پوری طرح حفاظت کرنی چاہیئے اور اس کی حفاظت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(۳) احمد آباد کانگریس میں علماء اسلام کو اور خاصتہً ارکانِ جمعیتہ کو ضرور شریک ہونا چاہیئے اور جمعیتہ العلماء کی جانب سے اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(۴) لاہور میں ارکانِ عامہ کی جو تجویز منظور ہوئی ہے اس پر فوراً عمل درآمد شروع ہو جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو مجوزہ تعداد ممبروں کی بہم پہنچائی جائے۔

گورنمنٹ بنگال

آخر میں مجھے گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی ایک پیغام لکھنا ہے۔ ۲۴ کی ہڑتال ضرور ہوگی اور خلافت اور کانگریس رضاکاروں کا سلسلہ ہماری گرفتاری کے بعد دوگنی طاقت کے ساتھ جاری رہیگا۔

عزیزانِ ملک و ملت

میں چار سال نظر بند رہنے کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہا ہوا، اور دو سال کے بعد اب پھر جیل جا رہا ہوں، اور اللہ آپ سب کا مددگار ہو، اور راہِ خدمت میں مستقیم رکھے۔ وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

۸، دسمبر۔ کلکتہ

احمد

گرفتاری

۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ

شہپر زاغ و زغن زیبائے صید و بند نیست
ایں کرامت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند

۲ دسمبر سے مولانا اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کی افواہ گرم تھی لیکن ۷ دسمبر کو قابلِ وثوق ذرائع سے اس کی تصدیق ہوگئی، تاہم ۱۰ دسمبر تک گرفتاری عمل میں نہیں آئی اور ۸ اور ۹ کو صرف یہ نظر آیا کہ بڑی کاوش کے ساتھ یہ دریافت کیا جا رہا ہے، کہ مولانا بدایوں کے جلسہ جمعیۃ العلماء کے لئے جا رہے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ کئی دن پیشتر سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ اب وہ کلکتہ سے باہر نہ جائیں گے اور سفر کا پروگرام منسوخ کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ بعض درمیانی اشخاص سے بھی اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک اُن کے سفر کی توقع باقی تھی اسلئے تفتیش جاری رہی۔

بدایوں کا جلسہ ۱۰، ۱۱ تاریخ کو تھا۔ اس کے لئے کلکتہ سے روانگی کی آخری تاریخ ۸ تھی یا حد درجہ ۹، پس گویا ۹ کی شام تک اس کا انتظار کیا گیا۔

اس اثناء میں رضاکاروں کی تنظیم اور تبلیغ کا کام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ روزانہ گرفتاریوں کی تعداد بھی روز افزوں تھی۔ ۱۰ کی صبح تک ایک ہزار سے زیادہ رضاکار گرفتار ہو چکے تھے۔

۹ کو مولانا اور مسٹر داس نے آئندہ کام کے نظام کی نسبت از سرِ نو مشورہ کیا اور یہ بات بھی طے کر دی گئی کہ اگر وہ دونوں بہ یک دفعہ گرفتار کر لئے گئے تو مسٹر شیام سندر چکرورتی ان کی جگہ کام کریں گے وہ بھی گرفتار ہو گئے تو یکے بعد

دیگرے۔ فلاں فلاں اصحاب کام ہاتھ میں لیتے رہیں گے۔

۱۰ ار کو ساڑھے چار بجے مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر اسپیشل برانچ ایک یورپین انسپکٹر پولیس کے ہمراہ آئے اور مولانا کو دریافت کیا۔ مولانا اُوپر کی منزل میں اپنے نوشت وخواند کے کمرے میں تھے اور مسٹر فضل الدین احمد کو خطوط کا جواب لکھ رہے تھے۔ انہوں نے مسٹر گولڈی کو وہیں بلوا لیا۔ مسٹر گولڈی نے سلام کے بعد کہا، کیا وہ ان کے ہمراہ چلیں گے، وہ انہیں لینے کے لئے آئے ہیں۔ مسٹر احمد نے پوچھا۔ کیا آپ کے ہمراہ وارنٹ ہے؟ جواب میں انکار کیا گیا۔ مگر مولانا نے کہا، وہ بلا وارنٹ کے بھی جانے کے لئے مستعد ہیں۔ اس کے بعد وہ اندر مکان میں گئے اور پانچ چھ منٹ کے بعد واپس آکر جانے کے لئے مستعدی ظاہر کی۔ انسپکٹر نے کہا۔ اس قدر جلدی نہ کیجئے، اگر کوئی چیز اپنے آرام کے لئے ساتھ لینا چاہتے ہیں تو لے لیجئے، لیکن انہوں نے صرف ایک گرم چادر اوڑھلی اور کوئی چیز ساتھ نہ لی۔

جاتے وقت انہوں نے صرف یہ کہا "کلکتہ اور باہر کے تمام احباب اور قومی کارکنوں کو میرا پیغام پہنچا دیا جائے کہ تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں پوری مستعدی کیساتھ مشغول رہیں۔ مجھ سے ملنے کے لئے کوئی شخص نہ آئے، نہ اپنی جگہ اور کام کو چھوڑے۔ گرفتاریوں کو ایک معمولی اور متوقع واقع محسوس کرنا چاہیئے، کسی طرح کی خلاف معمول اہمیت نہ دینی چاہیئے۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوگا اگر کسی کارکن نے میری ملاقات کے لئے اپنا ایک گھنٹہ بھی ضائع کیا۔

اس کے بعد وہ روانہ ہوگئے۔ مسٹر گولڈی موٹر کار تک ساتھ گئے جو مکان سے کسی قدر فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی، لیکن مولانا کے ساتھ صرف انسپکٹر بیٹھا تھا۔ وہ خود دوسری کار پر چلے گئے۔

اس طرح زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے اندر کامل سکون اور خاموشی کے ساتھ یہ معاملہ انجام پاگیا۔ کسی شخص نے بھی محسوس نہیں کیا، نہ کوئی نئی بات پیش آئی ہے۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا، گویا روزمرہ کا ایک معمولی واقعہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے کوئی خلافِ توقع بات نہ تھی۔ جو لوگ آئے وہ بھی بالکل سنجیدہ اور معمولی انداز میں تھے اور جو گیا وہ بھی اپنی معمولی اور متین اور شگفتہ حالت میں تھا۔ دفتر کے تمام لوگوں کو تو ایسا معلوم ہوا، گویا وہ اپنے روزانہ معمول کے مطابق کانگریس آفس میں جا رہے ہیں۔

ٹھیک اُسی وقت مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس مع دو تین بنگالی انسپکٹروں کے مسٹر سی آر داس کے یہاں گئے اور اُنہیں اپنے ساتھ لے آئے۔

جو سادہ طریقہ گرفتاری کے لئے اختیار کیا گیا وہ بالکل نیا ہے۔ اس سے پہلے کبھی یہ روش اختیار نہیں کی گئی تھی۔ کوئی گرفتاری بھی ہمیں یاد نہیں جو بغیر پولیس اور فوج کی نمائش کے عمل میں آئی ہو۔ خود مولانا کو جب ۱۹۱۴ء میں نظر بند کیا گیا تو رات کی پچھلی پہر کا محفوظ وقت اس کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور ایک فوجی حملہ کی شان سے قوت کی نمائش ہوئی تھی۔ تین بجے پولیس اور سپاہیوں کی مسلح جماعت ڈپٹی کمشنر کے ماتحت پہنچی، جس میں علاوہ سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ دو انسپکٹر اور پانچ سب انسپکٹر بھی تھے اور سب انسپکٹروں کے سوا سب کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ سپاہیوں نے پہلے دور تک سڑک کی ناکہ بندی کی، پھر مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد دروازہ پر دستک دی گئی، برخلاف اس کے اس مرتبہ معمولی انتظام بھی نہیں کیا گیا۔ صرف دو آدمی بلا یونیفارم کے معمولی ملاقاتیوں کی طرح آگئے اور چپ چاپ اپنے ساتھ لے گئے۔ پولیس کی وردی اور فوج کے اسلحہ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

مولانا جس مکان میں رہتے ہیں وہ علاقے کے تھانے سے بالکل ملا ہوا ہے، صرف دیوار بیچ میں حائل ہے لیکن تھانے میں بھی کوئی تیاری نمایاں نہیں کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب گورنمنٹ نے کم از کم دو باتیں ضرور سمجھ لی ہیں جن کے سمجھنے سے اب تک اُسے انکار تھا۔ اوّل یہ کہ ملک کے لیڈر جب کہتے ہیں کہ گرفتار ہو جانے کے لئے بالکل تیار ہیں تو یہ کوئی ڈپلومیسی نہیں ہے بلکہ واقعی ان کے دل کی سچی آواز ہے۔ پس ان کو گرفتار کرنے کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں، صرف اطلاع دے دینا

ہی کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے موقعوں پر طاقت کی نمائش ہی سے گرفتاری کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ غیر معمولی اہتمام اور پولیس کا ہجوم دیکھ کر فوراً پبلک معلوم کر لیتی ہے کہ گرفتاری کے لئے لوگ آئے ہیں اور پھر اچانک عوام میں بھی جوش اور سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو گرفتاری کا بر وقت کسی کو بھی علم نہ ہو اور نہایت آسانی اور تیزی سے کام انجام پا جائے۔

چنانچہ مولانا کی گرفتاری کا واقعہ خود اطراف و جوانب کے لوگوں کو بھی اُسوقت علم ہوا جب شہر میں اس کا اعلان کیا گیا۔ جاتے وقت بہت سے لوگوں نے انہیں موٹر کار میں ایک یورپین کے ساتھ بیٹھے دیکھا لیکن کسی کو بھی یہ خیال نہ ہوا کہ وہ جیل میں جا رہے ہیں۔ جب وہ موٹر کار میں سوار ہو رہے تھے تو حسبِ معمول کچھ دکاندار اور کچھ راہگیر سلام کرنے کے لئے جمع ہو گئے جیسا کہ وہ ہر روز آتے اور جاتے کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔ فی الحقیقت یہ طریقہ فریقین کے لئے ہر طرح آرام دہ اور بہتر ہے۔ کاش گورنمنٹ ابتدا سے اسی پر عملدر آمد کرتی تو بہت سی دقتیں اور پریشانیاں نہ اُسے پیش آتیں نہ مُلک کو۔

مولانا کو پہلے پولیس کمشنر کے آفس میں پہنچایا گیا، تقریباً بیس منٹ وہاں بیٹھے ہوں گے کہ مسٹر سی آر داس بھی وہاں پہنچا دیئے گئے۔ پھر ایک موٹر کار لائی گئی ایمیں دونوں سوار ہوئے۔ ایک یورپین پولیس آفیسر موٹر ڈرائیور کیساتھ بیٹھ گیا اور موٹر پریسیڈنسی جیل (علی پور) کی طرف روانہ ہو گئی۔ موٹر کار اس وقت بھی بالکل کُھلی تھی پریسیڈنسی جیل میں پیشتر سے اطلاع دے دی گئی تھی اور تمام اُنتظامات مکمل تھے۔ پولیس آفیسر نے دونوں صاحبوں کو جیلر سے مِلایا اور اس کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔

مولانا نے جیل کے آفس میں مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد سپرنٹنڈنٹ سے اُنہیں ملایا گیا۔ یہ در اصل سپرنٹنڈنٹ کے سامنے قیدیوں کو حسبِ قاعدہ پیش کرنا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ میں نے کھانے کے لئے حکم دے دیا ہے۔ نہیں معلوم اس

حکم کا مقصد کیا تھا کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ ظہور میں نہیں آیا۔ اگر مقصد یہ تھا کہ تمہارے مکان سے کھانا طلب کر لینے کا حکم دے دیا ہے تو باوجودیکہ دونوں صاحبوں کے یہاں ٹیلیفون ہے لیکن کوئی اطلاع اُن کے یہاں نہیں دی گئی اگر مقصود جیل کے کھانے سے تھا تو جس وارڈ میں وہ رکھے گئے وہاں کوئی انتظام کھانے کا نہ تھا۔

اس کے بعد وہ یوروپین وارڈ میں پہنچا دیئے گئے جہاں الگ الگ کمروں میں فوراً مقفّل کر دیئے گئے۔ کمروں پر گورکھا سپاہیوں کا پہرہ تھا۔

یہ وارڈ جیل کا بہتر حصّہ سمجھا جاتا ہے اور یہاں صرف انڈر ٹرایل (UNDER TRIAL) یوروپین قیدی رکھے جاتے ہیں۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے، اُوپر نیچے پانچ پانچ کمرے ہیں۔ ہر کمرہ دس فٹ طول و عرض کا ہوگا۔ ہر کمرہ میں ایک صراحی، تام چینی کا کٹورا، اسٹول اور ایک ٹیبل ہوتا ہے۔ سونے کے لئے ٹاٹ کی گدیلی اور دو کالے کمبل ہوتے ہیں جو جیل میں مستعمل ہیں۔ تکیہ کی جگہ ٹاٹ کی ایک پتلی اور چھوٹی سی گدیلی سرہانے لگی ہوتی ہے۔

مولانا نے بعد کو بیان کیا "ہم تقریباً سات بجے اپنے اپنے کمروں میں بند کئے گئے۔ ساڑھے سات بجے میں نے دروازہ کی سلاخوں سے آسمان کو دیکھا تو عشا کا وقت اچھی طرح آچکا تھا۔ میں نے عشا کی نماز پڑھی۔ دو چار گھونٹ پانی کے پیئے اور لیٹ گیا۔ دو سال کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس قدر جلد اور ایسی گہری نیند آگئی۔ برسوں سے میری نیند بہت کمزور ہوگئی ہے۔ آج کل یہ حال تھا کہ گیارہ بارہ بجے لیٹتا تھا۔ ایک دو گھنٹہ کی تکلیف دہ انتظار کے بعد کہیں نیند آتی تھی، وہ بھی اس قدر کمزور کہ ذرا سی کھڑکھڑاہٹ خلل ڈال دیتی تھی۔ لیکن اس رات ساڑھے آٹھ بجے لیٹا اور لیٹتے ہی سو گیا۔ تین بجے سے پہلے آنکھ نہ کھلی۔ سنتری کے فوجی بوٹوں کی آواز سیمنٹ کے برآمدے میں بڑے زور سے ہو رہی تھی لیکن میری نیند میں ذرا بھی خلل نہ پڑا۔"

"یہ اطمینان اور بے فکری صرف اس لئے نہ تھی کہ جیل میں آگیا، بلکہ اس لئے تھی، کہ کاموں کی تکمیل کے لئے مجھے اپنی گرفتاری کے ضروری ہونے کا کامل یقین تھا۔ گرفتار ہونے

کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا گویا ایک بڑے پریشان کن بوجھ سے دماغ ہلکا ہو گیا ہے"۔
پہلے اسی وارڈ میں مولوی عبدالرزاق ایڈیٹر پیغام، بابو پدم راج جین، مسٹر داس کے لڑکے اور کئی پولٹیکل قیدی رکھے گئے تھے لیکن جب یہ دونوں صاحب یہاں لائے گئے تو دوسرے دن صبح ہی سب کو دوسرے وارڈ میں بھیج دیا گیا۔
صبح کو کرنل ہملٹن سپرنٹنڈنٹ اور جیلر وارڈ میں آئے۔ کرنل ہملٹن اپنی ذات سے ایک شریف سویلین ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ حالت کی نوعیت سے وہ متاثر ہیں اور ایک طرح کی شرمندگی محسوس کر رہے ہیں۔ اگرچہ بات بالکل واضح تھی مگر پھر بھی وہ بار بار کہتے "مجھے اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں، میں صرف احکام کی تعمیل کر رہا ہوں۔ ہم لوگوں کو جیل میں آپ جیسے لوگوں سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے"۔
جواب میں اُن سے کہا گیا۔ "درخواست، خواہش، شکایت، ان جذبات سے ہمارے دل بالکل خالی ہو چکے ہیں"۔
سپرنٹنڈنٹ نے یہ بھی کہا کہ میں صرف یہی ایک صورت اپنے اطمینان کی دیکھتا ہوں کہ آپ کو اپنی جگہ دے دوں اور خود آپ کے ان کمروں میں چلا آؤں۔ مسٹر داس نے کہا۔ "اگر میں سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا تو فوراً استعفا دے دوں گا"۔
معلوم ہوا کہ ان کے متعلق حکام جیل بلا چیف سیکریٹری گورنمنٹ بنگال کے استصواب کے خود کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ حکم آچکا ہے کہ ان لوگوں کو کسی شخص سے ملنے نہ دیا جائے حتیٰ کہ عزیز و اقارب سے بھی، اخبارات کے دینے کی بھی قطعی ممانعت ہے۔ یوروپین وارڈ کو انگلش مین (ENGLISH MAN) دیا جاتا ہے لیکن ان کے لئے وہ بھی ممنوع قرار پایا۔ کیونکہ باہر کی خبریں اس میں بھی درج ہوتی ہیں۔ صرف بستر اور کھانا لے لیا گیا اور سپرنٹنڈنٹ نے تھوڑی دیر کے بعد اپنے آفس سے دو کرسیاں بھیج دیں۔

لا اینڈ آرڈر

"لا اینڈ آرڈر" کی پابندی آج کل کی جارہی ہے وہ ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے معاملہ میں بھی ابتدار سے اس کی نمائش شروع ہوگئی گرفتاری جمعہ کے دن سہ پہر کو ہوئی۔ اُس دن کورٹ بند نہ تھا، وارنٹ لیا جاسکتا تھا لیکن کوئی وارنٹ حاصل نہیں کیا گیا۔ گرفتاری کے بعد حسب قاعدہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ اور جب تک پیش نہ ہوں پولیس کے چارج میں رہنا چاہیئے نہ کہ جیل میں، لیکن انہیں فوراً جیل بھیج دیا گیا۔ جیل میں ظاہر کیا گیا کہ آپ لوگ اس وقت تک گویا جیل میں نہیں ہیں، پولیس کے چارج میں ہیں۔

لیکن بہرحال مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا ناگزیر تھا، پیش کرنے کے لئے کورٹ میں لے جانا پڑتا، اور اس میں پبلک کے مظاہرہ کا خدشہ تھا، مجبوراً یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ چوتھے دن مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر کو بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کی موجودگی مجسٹریٹ کی قائم مقامی کا حکم رکھتی ہے۔ خیال یہ تھا کہ نان کوآپریشن کی وجہ سے کسی طرح کا اعتراض تو کیا نہیں جائے گا۔ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے اور مقدمہ کی تاریخ مقرر کرنے کی مشکل سے نجات مل جائے گی، لیکن مسٹر داس نے مذاق کرتے ہوئے کہدیا کہ شاید میری پریکٹس چھوڑنے کے بعد سے قانون بدل گیا ہے" اس سے ایک گونہ پریشانی ہوئی، اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں کارروائی بالکل بے ضابطہ مشہور نہ ہوجائے، اس لئے مجبوراً تین بجے مسٹر اے زید خاں فورتھ پریسیڈنسی مجسٹریٹ کو ایک پیش کار کے ساتھ جیل میں بھیج دیا گیا اور زیر دفعہ ۱۷-۲ کرمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ وارنٹ بھی تیار کر لئے گئے۔

پہلی پیشی

۱۰ دسمبر، یہ گویا پہلی پیشی تھی۔ ملزموں کو عدالت کے سامنے نہ جانا پڑا، خود عدالت ملزموں کے دروازے پر آگئی۔ ان کے کمروں کے سامنے جو برآمدہ ہے اسی میں وارڈ (محافظ وارڈ) کا ٹوٹا ہوا میز بچھایا گیا۔ اسی کی ٹوٹی ہوئی کرسی مجسٹریٹ کے لئے رکھی گئی۔ سامنے ملزموں کے لئے اسٹول تھے۔ اس ساز و سامان کے ساتھ عدالت کا اجلاس شروع ہوا۔

لیکن کارروائی نہایت ہی مختصر تھی اور مجسٹریٹ صاحب کی مضطربانہ عجلت، اور زیادہ اختصار کا باعث ہوئی۔ انہوں نے کہا "دفعہ ۱۷ کے تحت آپ گرفتار کر لئے گئے ہیں، مقدمہ کی تاریخ ۲۳ر دسمبر قرار دی جاتی ہے"۔ یہ کہہ کر جلدی سے انہوں نے وارنٹ پر مہر لگانے کے لئے کہا اور اُٹھنے لگے، لیکن بیچارہ پیش کار زیادہ ہوشمند ثابت ہوا۔ اُس نے کہا کہ ضمانت کے لئے حسبِ قاعدہ پُوچھ لیجئے۔ مجسٹریٹ صاحب کو بھی یاد آگیا کہ واقعی ملزموں کو ضمانت دینے کا بھی حق ہوا کرتا ہے، لیکن انہوں نے کہا "یہ حضرات ضمانت نہیں دیں گے اسلئے میں نے پوچھنا ضروری نہیں سمجھا"۔

آخر میں مسٹر خاں نے معذرت کے لہجہ میں کہا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے، اُن سے یہاں آنے کے لئے کہا گیا، وہ چلے آئے۔

۲۳ر تاریخ کے تعین میں یہ مصلحت تھی کہ ۲۴ر سے کرسمس کی تعطیل تھی۔ ۲۳ر کو جب مقدمہ ملتوی کر دیا جائے گا تو تعطیل کی وجہ سے ایک ہفتہ کی مہلت نکل آئیگی۔

دُوسری پیشی

۲۳ر دسمبر کو چار بجے پھر مسٹر اے زیڈ خاں بھیجے گئے، لیکن اس مرتبہ سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں عدالت کا اجلاس ہوا۔ میز کے سامنے ملزموں کے لئے بھی کرسیاں رکھ دی گئی تھیں، لیکن کارروائی کے اختصار کیوجہ سے بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔ کارروائی صرف اس قدر ہوئی کہ مقدمہ ۵ر جنوری پر ملتوی کر دیا گیا۔ مجسٹریٹ نے اپنی لاعلمی اور بے تعلقی کا بار بار اظہار کیا۔

۵ر جنوری

۵ر جنوری کی پیشی کی کارروائی یہ ہے کہ کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ دس بجے مسٹر سی آر داس کو پریسیڈنسی کورٹ جانے کے لئے طلب کیا گیا لیکن مولانا کی طلبی نہیں ہوئی۔

بعد کو معلوم ہوا کہ گو ابتدا میں مسٹر داس اور ان کی پیشی کے لئے ایک ہی تاریخ قرار دے دی گئی تھی لیکن پھر کسی مصلحت سے مولانا کا مقدمہ ایک دن پیچھے ڈال دیا گیا۔ عدالت کے قوانین کی رو سے ضروری تھا کہ یہ التوا بھی عدالت کے حکم و تصدیق سے ہوتا یعنی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا اور پھر کارروائی دوسرے دن کیلئے ملتوی کر دی جاتی۔

لیکن موجودہ عہد قانون و نظم (لا اینڈ آرڈر) میں ان پابندیوں کے دردِ سر سے بھی نجات مل گئی ہے نہ ان کو اپریٹر ڈیفنس کریں گے نہ بچنا چاہیں گے پھر قواعد و ضوابط کی پابندی سے کیا حاصل۔

۶ر کی کارروائی سے معلوم ہوگا کہ گورنمنٹ نے دفعہ ۱۷-۲ کرمنل لا ایمنڈمنٹ ایکٹ واپس لے لیا اور کارروائی از سرِ نو دفعہ ۱۲۴-الف پینل کوڈ کے ماتحت شروع ہوئی۔ گرفتاری کے بعد جو وارنٹ حاصل کیا گیا تھا وہ دفعہ ۱۷-۲ کا تھا، اس لئے ۱۲۴ کا مقدمہ شروع نہیں ہوسکتا تھا جب تک از سرِ نو ۱۲۴ کے ماتحت وارنٹ سرو نہ کیا جائے، اور اس کی گرفتاری کا نفاذ نہ ہو، لیکن پچھلے لطیفہ سے بھی بڑھ کر لطیفہ یہ ہے کہ ۱۲۴-الف کے ماتحت کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ نہ تو اس کا وارنٹ سرو کیا گیا، نہ ضابطہ گرفتاری کا نفاذ ہوا۔ تاہم ۶ر کو مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر سی آئی ڈی نے اپنے حلفیہ بیان میں کہا کہ اُس نے پریسیڈنسی جیل میں وارنٹ سرو کیا۔ مولانا اپنے بیان میں لکھتے ہیں۔

یہ معاملہ بے قاعدگی اور کذب بیانی کا انتہائی نمونہ ہے۔ ۶ر تاریخ تک تو مجھے اس کا بھی علم نہ تھا کہ ۱۲۴ کے ماتحت، دعویٰ کیا جائے گا؟ وارنٹ کے نفاذ سے کیا تعلق؟ نہ تو جیل میں کوئی شخص اس غرض سے آیا، نہ مجھ پر وارنٹ سرو کیا گیا۔

پس گویا ۵ر جنوری سے مولانا از روئے قانون بالکل آزاد تھے۔ ان کی گرفتاری شام کے بعد کوئی وجود نہیں رکھتی تھی۔ اگر وہ جیل کے افسروں پر ہرجانے کی نالش کردیں کہ کیوں انہیں ۵ر کے بعد جیل میں مقید رکھا گیا تو وہ کیا جواب دیں گے؟ البتہ یہ سب کچھ اسی صورت میں ہے جب کہ از روئے قانون کے کوئی معنی ہوں، لیکن در اصل اسی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

غرضیکہ بجائے ۵ر کے ۶ر جنوری کو ساڑھے گیارہ بجے مولانا پریسیڈنسی کورٹ میں لائے گئے اور اسی پیشی سے کارروائی شروع ہوئی۔ مولانا جیل کی بند موٹر لاری میں لائے گئے تھے۔ مسلح فوجی پولیس کا کپتان محافظ تھا۔

تیسری پیشی

۶ر تاریخ کو ساڑھے بارہ بجے مولانا کا مقدمہ مسٹر سوینہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔

کارروائی شروع ہونے سے پیشتر ہی کمرہ مشتاقانِ زیارت سے پُر ہو چکا تھا جس میں ہر قوم کے اشخاص مسلمان، ہندو، مارواڑی وغیرہ موجود تھے۔

احاطہ عدالت اور سڑک پر بھی ایک جمِ غفیر تھا، اور لوگ جوق جوق چلے آ رہے تھے۔

جس وقت مولانا کٹہرے میں لائے گئے، تمام حاضرین مع وکلاء تعظیم کیلئے سروقد کھڑے ہو گئے۔

مولانا نے سب کے سلام کا جواب نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ دیا۔ اس کے بعد مولانا کٹہرے میں اس انداز سے کھڑے ہوئے کہ آپ کا ایک ہاتھ کٹہرے پر تھا اور ہتھیلی پر سر تھا، چہرہ پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی اور نہایت ہی بے پروائی کے ساتھ اپنے اردگرد کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

کارروائی شروع کرتے ہوئے رائے بہادر تارک ناتھ سادھو سرکاری وکیل نے بیان کیا۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف دو مقدمے ہیں۔ ایک دفعہ ۱۷-۲، ترمیم ضابطہ فوجداری کے ماتحت، دوسرا زیر دفعہ ۱۲۴- الف تعزیراتِ ہند (بغاوت) چونکہ مؤخرالذکر جرم نہایت ہی سنگین ہے لہٰذا میں ان کے خلاف قانون ترمیم شدہ ضابطہ فوجداری کے ماتحت کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہتا اور اپنے اس دعویٰ کو واپس لیتا ہوں۔ مولانا اس دفعہ کے ماتحت آزاد ہیں"۔

مجسٹریٹ: (مولانا کو مخاطب کر کے) "آپ رہا کر دیئے گئے"۔

(کورٹ انسپکٹر نے مجسٹریٹ کو بتایا کہ مولانا انگریزی نہیں سمجھتے)

مولانا: "میں کچھ نہیں سمجھتا اور مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔

لیکن مجسٹریٹ نے ایک اردو مترجم کو بلوایا۔ بابو بی۔ سی چٹرجی کے سپرد یہ خدمت ہوئی۔ سرکاری وکیل نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا:-

"ملزم کے خلاف موجودہ مقدمہ ۱۲۴- الف تعزیراتِ ہند ہے۔ یہ ان کی دو تقریروں کی بنا پر ہے جو انہوں نے پہلی اور ۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزا پور پارک کلکتہ میں کی تھیں۔

پہلے جلسہ کا مقصد تین اشخاص حکیم سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔ اس کے بعد ملزم نے اسی جگہ ایک دوسری تقریر کی۔ اس میں مذکورہ بالا اشخاص کی سزایابی پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے، موجودہ وقت میں خلافت کے متعلق لوگوں کو ان کا فرض بتایا۔ یہ تقریریں اردو شارٹ ہینڈ میں لی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہیں صاف کر کے انگریزی ترجمہ کرایا گیا۔ یہ ترجمہ ابھی آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ میں نے خود یہ تقریریں پڑھی ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ تقریریں دفعہ ۱۲۴ کے تحت میں آتی ہیں، لیکن خیر یہ تو میری رائے ہے۔"

میں ان تقریروں کا انگریزی ترجمہ پڑھتا ہوں، فیصلہ یور آنر پر منحصر ہے کہ آیا اس دفعہ کے ماتحت آتی ہیں یا نہیں؟ مزید برآں میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ نے زیر دفعہ ۱۹۶ (تعزیراتِ ہند) اس مقدمہ کے لئے سینکشن دے دیا ہے اور اس کے اثبات کے لئے میں سب سے پہلے مسٹر گولڈی کو پیش کرتا ہوں

مسٹر گولڈی

اس کے بعد مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر اسپیشل برانچ شہادت کے لئے بلائے گئے۔ سرکاری وکیل نے دریافت کیا: "کیا ملزم کو گرفتار کرنے کے لئے تمہیں گورنمنٹ آف بنگال سے کوئی اختیار دیا گیا تھا"

جواب: ہاں۔

سوال: کیا انہی تقریروں کے لئے؟ یہ کن تاریخوں میں کی گئی تھیں؟

جواب: ہاں، یکم اور ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو۔

سوال: کیا یہی سینکشن تمہیں ملا تھا؟

جواب: ہاں۔

سوال: کیا اسی کے ذریعہ سے تمہیں مولانا ابوالکلام آزاد کو گرفتار کرنے کیلئے حکم دیا گیا تھا؟

جواب: ہاں۔

سوال : کیا اس پر گورنمنٹ آف بنگال کے چیف سیکریٹری کا دستخط ثبت ہے؟

جواب : ہاں، میں ان کے دستخط کو پہچانتا ہوں۔

سوال : سینکشن کس تاریخ کو دیا گیا تھا؟

جواب : ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو۔

سوال : کیا سینکشن ملنے کے بعد تم نے چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی خدمت میں کوئی درخواست پیش کی تھی؟

جواب : ہاں۔

سوال : تو پھر کیا تمہیں کوئی وارنٹ ملا؟

جواب : ہاں میں نے پریسیڈنسی جیل میں سرو کیا۔

سوال : عام طور پر جب تمہیں کسی جلسہ کی اطلاع ملتی ہے. تو کیا تم کوئی رپورٹر وہاں بھیجتے ہو؟

جواب : ہاں۔

سوال : کیا یہی وہ رپورٹ اور اس کی نقل ہے جو تمہیں دکھائی گئی تھی؟

جواب : ہاں۔

ابواللیث محمد

اس کے بعد سرکاری شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد پیش ہوا۔ اس نے بیان کیا "میں گورنمنٹ آف بنگال کا شارٹ ہینڈ رپورٹر ہوں۔"

یہاں مجسٹریٹ نے مولانا کو مخاطب کر کے کہا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کیلئے گواہی کا ترجمہ کرایا جائے؟ جواب میں مولانا نے فرمایا۔ مجھے کسی ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر عدالت کو ضرورت ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔

مجسٹریٹ : تو کیا آپ انگریزی سمجھتے ہیں؟

مولانا : نہیں۔

مجسٹریٹ : (مترجم سے) بہتر ہے کہ تم ترجمہ کرتے جاؤ۔

گواہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:-

"میں کلکتہ یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ہوں۔ تقریباً ۱۸ مہینہ تک لکھنؤ کرسچین کالج میں رہ چکا ہوں۔ وہاں میں نے اردو مختصر نویسی میں ایک آنرز سرٹیفکیٹ، اور سند حاصل کی۔ ۱۶۰ حرف فی منٹ میری رفتار ہے۔ میں اردو سمجھتا ہوں۔ اردو مختصر نویسی میں نے لکھنؤ میں سیکھی ہے۔

یکم جولائی مجھے یاد ہے۔ اس روز میں مرزا پور پارک کے ایک جلسہ میں مقرر ہوا تھا اردو میں وہاں جو جو تقریریں ہوئیں، ان کے میں نے نوٹ لئے تھے۔ ملزم نے وہاں اردو میں تقریر کی اور وہی اس جلسہ کے صدر رہے۔

حتی الامکان میں نے بہتر نوٹ لئے اور حسب معمول مسٹر گولڈی کمشنر کے پاس بھیج دیا۔ مسٹر گولڈی نے اس پر ۲۵ تاریخ کو دستخط کیا۔ اس کے بعد میں نے اسی تقریر کی نقل اردو لانگ ہینڈ میں لی اور مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کیا۔ اس پر مسٹر گولڈی کا ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء کا دستخط موجود ہے۔"

بابو باماچرن چٹرجی

اس کے بعد باماچرن چٹرجی سرکاری مترجم پیش ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ وہ اردو اور ہندی کا مترجم ہے اور الہ آباد یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ہے۔

سرکاری وکیل: پہلی جولائی کی اردو تقریر کو ذرا دیکھو۔

گواہ: میں نے ہی اس کا ترجمہ کیا تھا۔ اس پر میرا دستخط موجود ہے۔ میں نے حتی الامکان اس کا بہتر ترجمہ کیا۔

سرکاری وکیل: دوسری تقریر کو دیکھو جو ۱۵ر جولائی کی ہے۔

گواہ: میں نے اس کا بھی صحیح ترجمہ کیا ہے۔

انسپکٹر محمد اسمٰعیل

اس کے بعد محمد اسمٰعیل انسپکٹر اسپیشل برانچ بلوایا گیا۔ اس نے بیان کیا۔ "میں مرزا پور پارک میں متعین کیا گیا تھا۔ وہاں میں نے ملزم کو دیکھا۔ انہوں نے وہاں ایک تقریر کی تھی۔ میں نے اردو لانگ ہینڈ میں ——

پہلی جولائی کی تقریر کا نوٹ لیا تھا۔ ملزم اس جلسہ کے صدر تھے، اور اسی حیثیت سے تقریر کی تھی۔

سرکاری وکیل: جلسہ کس غرض سے ہوا تھا؟

گواہ: مبلغینِ خلافت، حکیم سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے متعلق۔

"جلسہ میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ ہر قسم کے لوگ جلسہ میں موجود تھے لیکن ۵۰ فی صدی مسلمان تھے۔ میں نے صحیح نوٹ لئے تھے۔ انسپکٹر کے، ایس گھوسال اور دوسرے افسر میرے ہمراہ تھے اور یہ (مولینا ابوالکلام آزاد) صدر جلسہ کی اُردو تقریر کا نوٹ ہے اس کے بعد بابو پنچکوری بنرجی نے تقریر کی تھی۔

"بابو پنچکوری بنرجی کی تقریر صدر جلسہ کی تقریر کے ساتھ شامل ہے۔ ۱۵ر جولائی کو بھی میں مرزا پور پارک میں متعین کیا گیا تھا۔ میں وہاں گیا تھا، میں نے وہاں کی تقریروں کے نوٹ لئے۔ انسپکٹر مکرجی اور مسٹر گرے بھی میرے ہمراہ تھے۔ مولوی نجم الدین اور ملزم نے اس جلسہ میں تقریر کی تھی۔ میں نے ان تقریروں کا نوٹ لانگ ہینڈ میں لیا۔ میں نے تقریر کے صرف انہی حصّوں کا صحیح نوٹ لیا جنہیں میں نے ضروری سمجھا تھا۔

"میں کلکتہ یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ اور بی، ایس، سی ہوں۔ میں اردو سمجھتا ہوں۔ تقریباً ۱۰ اور ۱۲ ہزار کے درمیان جلسہ کا مجمع تھا۔"

یہاں سرکاری وکیل نے گواہ سے کہا۔ نوٹ دیکھ کر ذرا اپنے حافظہ کو درست کرو۔ گواہ نے نوٹ دیکھ کر بتایا۔ ۱۰ ہزار کا مجمع تھا اور ہم نے ایک مشترکہ نوٹ داخل کیا تھا۔

پولیس انسپکٹر کے، ایس گھوسال

اس کے بعد کے، ایس گھوسال انسپکٹر اسپیشل برانچ کی شہادت لی گئی۔ اُس نے بیان کیا۔

"میں کلکتہ یونیورسٹی کا گریجوایٹ ہوں۔ یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزا پور اسکوائر کے جلسہ

میں گیا تھا۔ ملزم اس جلسہ کے صدر تھے۔ میں نے تقریروں کے نوٹ لانگ ہینڈ میں لئے تھے۔ میں تقریر کے صرف انہی حصوں کا نوٹ لیا کرتا ہوں جنہیں میں ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے ان کے صحیح نوٹ لئے تھے (نوٹ پیش کرتے ہوئے) یہ پہلی جولائی کی متفقہ رپورٹ ہے۔ اس میں صدر (ملزم) کی تقریر بھی شامل ہے۔ یہ نوٹ مسٹر گولڈی کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تھے، جن پر انہوں نے اپنا دستخط کر دیا تھا۔"

سرکاری وکیل: جلسہ کس غرض سے ہوا تھا؟

جواب: سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی غرض سے۔ تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ ہر قسم کے لوگ اس میں شریک تھے لیکن نصف کے قریب ہندوستانی مسلمان تھے، بقیہ نصف ہندوستانی ہندو اور بنگالی تھے۔

انسپکٹر بی۔ بی۔ مکرجی

اس کے بعد بی۔ بی مکرجی انسپکٹر سی آئی ڈی پیش ہوا۔ اس نے بیان کیا۔

"مرزا پور پارک کے ایک جلسہ میں نوٹ لینے کے لئے میں مقرر ہوا تھا۔ میں نے نوٹ لئے اور ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"ملزم اس جلسہ کے صدر تھے۔ انہوں نے وہاں ایک تقریر کی تھی، میں نے اس کے صحیح نوٹ لئے تھے۔ یہ نوٹ اسی روز شام کو مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ اس پر اُن کا دستخط موجود ہے۔ محمد اسمٰعیل اور میں دونوں نے ایک مشترکہ نوٹ داخل کیا تھا۔ ملزم نے اُردو میں تقریر کی تھی، میں کچھ کچھ اس زبان کو سمجھتا ہوں۔"

"یہ جلسہ تین مبلغینِ خلافت حکیم سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور لوگوں کو جیل جانے کی ترغیب دینے اور شوق دلانے کی غرض سے ہوا تھا۔"

"تقریباً ۱۰ ہزار کا مجمع تھا۔ مسلمان، ہندو اور ہوڑا اور نلوا کی ملوں کے بہت سے مزدور اس میں شریک تھے۔ تقریباً ۵۰ والنٹیر بیج لگائے ہوئے تھے، جس پر یہ لکھا تھا

"جیل جانے کے لئے تیار ہیں"۔

مسٹر گولڈی (دوبارہ)

مسٹر گولڈی پھر بلوائے گئے۔ انہوں نے رپورٹ اور نوٹ جو وہاں پیش کئے گئے تھے، اپنے دستخط ہونے کی تصدیق کی۔ اس کے بعد سرکاری وکیل نے پہلی جولائی کی تقریر کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر سنایا اور کہا۔ ۱۵ جولائی کو بھی اسی قسم کی تقریر ہوئی تھی"۔ پھر اُسے اپنے چارج مجسٹریٹ کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد لنچ کے لئے کارروائی ملتوی کی گئی۔

لنچ کے بعد کی کارروائی

۳ بج کر ۲۰ منٹ پر مجسٹریٹ عدالت میں داخل ہوا۔ مولانا کو بلوایا گیا۔ جس وقت مولانا صحن سے ہو کر عدالت کے کمرہ میں لائے جا رہے تھے تو باہر کے عظیم الشان مجمع نے جو سڑک پر کھڑا تھا، مولانا کی ایک ذراسی جھلک دیکھ پائی اور اللہ اکبر کی گونج سے در و دیوار ہلنے لگے۔

جب مولانا کمرے میں داخل ہوئے تو تمام حاضرین سرو قد اُٹھ کھڑے ہوئے، اور بلا قصد ان کی زبان سے بھی اللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا، اگرچہ خود مولانا ہاتھ کے اشارے سے روکتے رہے۔ مجسٹریٹ نے گھبرا کر فوراً سارجنٹ کو کمرہ خالی کرا دینے کا حکم دیا۔ اس پر فوراً عمل کیا گیا۔ صرف چند آدمی جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اندر رہ گئے۔ شارٹ ہینڈ اُردو رپورٹر نے ان دونوں تقریروں کو جن کی بنا پر دعویٰ کیا گیا تھا پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد ۱۲۴-الف کے ماتحت فرد قرار داد جرم لگا دی گئی۔

مجسٹریٹ: (مولانا سے) کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

مولانا: نہیں۔

مجسٹریٹ: کیا آپ کوئی گواہ پیش کرنا چاہتے ہیں؟

مولانا: نہیں۔ اگر میں نے ضرورت دیکھی تو آخر میں اپنا تحریری بیان پیش کر دونگا۔

مجسٹریٹ: کیا آپ کو کاغذ کی ضرورت ہے؟

مولانا: نہیں۔

مجسٹریٹ: کیا آپ کو اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟

مولانا: میں اپنی تقریروں کی نقل چاہتا ہوں۔ (جو انہیں دے دی گئی)۔

یہاں سرکاری وکیل نے مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ عرضی دعوائے کی بھی ایک نقل ملزم کو دے دی جائے۔

اس کے بعد مقدمہ ۱۱ر جنوری تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ مقدمہ کے تمام دوران میں عدالت کے احاطہ اور سڑک پر عظیم الشان مظاہرہ جاری تھا۔ قومی نعروں کی آوازیں برابر بلند ہو رہی تھیں۔ جونہی مولانا جیل کی گاڑی میں سوار ہونے لگے، ابوالکلام آزاد کی جے، بندے ماترم، مہاتما گاندھی کی جے اور اللہ اکبر کے پُرشکوہ نعروں سے تمام فضا گونج اٹھی۔ لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ کچھ عرصہ تک گاڑیوں کی آمد و رفت بھی رُک گئی تھی۔

نقل استغاثہ

بعدالت چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ، برائے گرفتاری زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند

جے، اے، ایم گولڈی ڈپٹی کمشنر آف پولیس اسپیشل برانچ کلکتہ — مدعی

مولانا ابوالکلام آزاد — مدعا علیہ

مذکورہ بالا مدعی کا بیان حسب ذیل ہے۔

یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو مدعا علیہ نے مرزا پور پارک میں نان کواپریشن اور بائیکاٹ کے مضمون پر اُردو میں ایک تقریر کی تھی۔

(۱) ایک اُردو مختصر نویس نے ان کی تقریر کے نوٹ اُردو میں لئے۔ مذکورہ بالا نوٹ کے نقل کی ایک اُردو کاپی جس پر انگریزی حرف "اے" کا نشان بنا ہے منسلک درخواست ھذا ہے۔ مذکورہ بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے جسے گورنمنٹ آف بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔ اس پر انگریزی حرف "بی" کا نشان ہے۔

(۲) پھر ۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء کو ملزم مذکور نے اُردو میں ایک دوسری تقریر اسی جگہ اور اسی مضمون پر کی اور ایک اردو رپورٹر نے ان کی پوری تقریر کا اُردو شارٹ ہینڈ میں نوٹ لیا۔ اس نوٹ کی ایک نقل جس پر حرف "سی" کا نشان ہے، منسلک ہے اور دوسرا کاغذ جس پر

حرف "ڈی" کا نشان ہے مذکورہ بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ ہے جسے گورنمنٹ بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔

(۳) دونوں موقعوں پہ اسپیشل برانچ کے تین اور افسروں نے بھی لانگ ہینڈ میں نوٹ لئے تھے، اور وہ اس شارٹ ہینڈ رپورٹ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۴) تقریروں کے دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مقرر نے اپنی تقریروں سے گورنمنٹ قائم شدہ بروئے قانون کے خلاف لوگوں میں حقارت و نفرت پھیلانے کی کوشش کی اور اس طرح ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے ۱۲۴-الف تعزیراتِ ہند کے ماتحت سزا کا مستوجب قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۵) گورنر ان کونسل نے مدعی کو یہ حکم اور اختیار دیا ہے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کو مذکورہ بالا جرم کی بنا پر زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیراتِ ہند گرفتار کرے اور اُن کے خلاف چارہ جوئی کرے۔ سینکشن کی اصل کاپی منسلک ہے اور اس پر حرف "ای" کا نشان ہے۔

لہٰذا مدعی یہ درخواست کرتا ہے کہ مدعی کے خلاف حکم نامہ جاری کیا جائے کہ وہ مذکورہ بالا الزامات کی جواب دہی کرے اور اس کے حاضر ہونے پر مقدمہ چلایا جائے نیز قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

چوتھی پیشی

(۱۱ر جنوری) ۱۱ر تاریخ کو مسٹر سوینہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں چوتھی پیشی ہوئی۔ حسبِ معمول کمرہ اور احاطۂ عدالت لوگوں سے پُر تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ کارروائی شروع ہو، سارجنٹ نے کمرہ لوگوں سے خالی کرالیا حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی رہنے نہ دیا جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد مولانا لائے گئے۔ جونہی انہوں نے کٹہرے میں قدم رکھا، تمام وکلاء جو وہاں موجود تھے تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مجسٹریٹ نے مولانا سے دریافت کیا۔ کیا آپ کوئی بیان دینا چاہتے ہیں؟

مولانا: ہاں اگر عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ایک تحریری بیان پیش کردں گا۔

مجسٹریٹ: کیا وہ آپ کے ساتھ ہے؟

مولانا : ہاں یہ اُردو میں ہے لیکن میں چاہتا ہوں اس کا انگریزی ترجمہ عدالت میں داخل کردوں۔

مجسٹریٹ : تو کیا آپ خود اس کا ترجمہ کرا لیں گے ؟

مولانا : ہاں، اگر عدالت کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہو۔

مجسٹریٹ : کیا آپ کو اور کسی چیز کی ضرورت ہے ؟

مولانا : اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں اپنی اس تقریر کا جسے مغویانہ بتایا گیا ہے انگریزی ترجمہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

مجسٹریٹ : کیا بیان کے لئے اس کی ضرورت ہے ؟

مولانا : میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

مجسٹریٹ نے عدالت سے دریافت کیا کہ انگریزی ترجمہ ملزم کو پہلے ہی کیوں نہ دیا گیا اب انہیں فوراً دے دیا جائے۔ سرکاری وکیل نے ایک پولیس افسر سے کہا۔ اس نے بیان کیا کہ اس وقت وہ وہاں موجود نہیں ہے، جیل میں بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد مقدمہ ۱۷ ر جنوری ۱۹۲۲ء تک کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔

سابق کی طرح آج بھی ایک بہت بڑا مجمع سڑک پر موجود تھا اور برابر قومی نعرے لگا رہا تھا۔

پانچویں پیشی

۱۷ ر جنوری کو مولانا کے مقدمہ کی سماعت پریسیڈنسی سول جیل میں ہوئی۔ حسبِ معمول ہزاروں آدمی وقت مقررہ پر پریسیڈنسی کورٹ پہنچ گئے تھے، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ مقدمہ کورٹ کی بجائے جیل میں ہوگا، تو اپنے اپنے گھروں کو مایوس واپس گئے۔ پھر بھی ایک معقول تعداد ہندو مسلمانوں کی فوراً ٹیکسیوں پر سوار ہو کر جیل پہنچ گئی، مگر وہاں انہیں احاطہ جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مولانا کے اعزا اور اخبارات کے نمائندوں کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔ عدالت کے اندر صرف مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر اسپیشل برانچ اور چند سی آئی، ڈی پولیس افسر موجود تھے۔ ۱۲ بجے مسٹر سوینہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ بمعیت رائے بہادر تارک ناتھ سادھو سرکاری وکیل آئے۔

اخبارات کے نمائندوں نے اندر جانے کی پھر کوشش کی لیکن عدالت کے پیش کار

نے کہا۔ حکام جیل سے اس کی درخواست کرنی چاہیئے، وہی اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں جیلر سے کہا گیا۔ اس نے کہا۔ وہ کمرہ اب عدالت کو دے دیا گیا ہے ان کا اس میں کوئی اختیار باقی نہیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع دی گئی لیکن جواب ملا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس درخواست دی جائے۔ سپرنٹنڈنٹ اس وقت موجود نہ تھا، اس لئے ملاقات نہ ہو سکی، لیکن بعد کو سپرنٹنڈنٹ نے مولانا سے کہا کہ نہ تو اس کی طرف سے کوئی روک تھی اور نہ وہ روکنے کا مجاز تھا۔ اس کا اختیار تو صرف مجسٹریٹ کو ہے۔

ٹھیک پونے بارہ بجے جیلر کے ہمراہ مولانا آئے۔ مولانا نے کمرۂ عدالت کے اندر قدم رکھتے ہی دریافت کیا۔

مولانا: یہ کارروائی — پبلک ہے یا پرائیویٹ؟

مجسٹریٹ: پرائیویٹ۔

مجسٹریٹ: آپ تشریف رکھیں۔

مولانا: کیا آپ نے مجھ سے کہا ہے؟ غالباً آپ کو یاد نہیں رہا کہ پہلے بھی میں دو مرتبہ آپ کے سامنے پیش ہو چکا ہوں۔

مجسٹریٹ: مجھے یاد ہے۔

مولانا: گذشتہ موقعوں پر جب میں دو تین گھنٹوں تک مسلسل کھڑا رہ سکا، تو آج بھی کھڑے رہنے میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔

مجسٹریٹ: افسوس ہے کہ مجھے ان موقعوں پر یاد نہ رہا۔

مولانا: (آپ کے اعتراف کا) شکریہ۔

مجسٹریٹ: کیا آپ اپنا بیان لائے ہیں؟

مولانا نے اپنا اردو بیان پیش کر دیا اور کہا کہ ان کے سیکریٹری کی عدم موجودگی کی وجہ سے انگریزی ترجمہ مکمل نہ ہو سکا۔

مجسٹریٹ: تو کیا آپ اس کے ترجمہ کے لئے اور مہلت چاہتے ہیں؟

مولانا: نہیں، میں نہیں چاہتا کہ محض ترجمہ کے لئے مقدمہ میں تاخیر ہو۔
مجسٹریٹ: لیکن اگر اس کا انگریزی ترجمہ ہو جاتا تو عدالت کیلئے اس میں بڑی آسانی ہوتی۔
اس کے بعد مقدمہ ۱۹ تاریخ تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا، لیکن بعد کو خود بخود، ۱۹ کے بجائے ۲۴ تاریخ کر دی گئی۔

چھٹی پیشی (۲۴ر جنوری) - ۲۴ر جنوری کو مولانا کا مقدمہ سول جیل میں چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا۔ آج خلافِ معمول پبلک کی ایک معقول تعداد کو اندر جانے کی اجازت مل گئی تھی۔

ایک بجے کے قریب مولانا تشریف لائے، اور صرف یہ کارروائی ہوئی کہ مولانا کا بیان عدالت نے لے لیا اور ۳۱ر جنوری آئندہ پیشی کے لئے قرار پائی۔

ساتویں پیشی ۳۱ر جنوری، مولانا کی طبیعت کئی دن سے سخت علیل تھی۔ جگر کا فعل ناقص ہو جانے کی وجہ سے اسہال کی شکایت لاحق ہو گئی۔ ۳۱ر کو ایک مرتبہ استفراغ بھی ہوا۔ جیل کے ڈاکٹر نے کہا، ایسی حالت میں ان کا عدالت میں جانا نہایت مضر ہوگا۔ سپرنٹنڈنٹ تیار ہے کہ عدالت کو اطلاع دے کر پیشی ملتوی کر دی جائے لیکن مولانا نے پسند نہیں کیا کہ ان کی وجہ سے کارروائی میں کسی طرح کا التوا، یا تاخیر ہو۔ انہوں نے کہا، جب کارروائی جیل ہی کے احاطہ میں ہوتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے چند قدم چلا جانا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ جیل سے کوئی اطلاع عدالت کو نہ دی جائے۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل مسٹر سوینہو پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی چٹھی لیکر آئے جو ۳۰ر کی لکھی ہوئی تھی اور اسمیں لکھا تھا کہ مولانا کا مقدمہ ۹ر فروری پر ملتوی کر دیا گیا۔

۵ر جنوری کی کارروائی کے مقابلہ میں یہ کارروائی غنیمت تھی کہ کم از کم اطلاع تو دیدی گئی۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی چٹھی مجسٹریٹ کی موجودگی اور ملزم کی حاضری کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو یہ گویا قوانین مسلمہ عدالت میں ایک نئے قاعدہ کا اضافہ ہوگا، ہم اسے ترمیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے ۱۹۰۸ء میں صرف ضابطہ فوجداری ہی کی ترمیم ہوئی تھی ضابطہ عدالت کی نہیں ہوئی تھی۔

اب ہم پہلے مولٰنا کا بیان درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد آخری پیشی کی روئداد اور عدالت کا فیصلہ نقل کریں گے۔

مولٰینا ابُوالکلام کا تحریری بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

عارضی وقفہ میرا ارادہ یہ نہ تھا کہ کوئی تقریری یا تحریری بیان پیش کروں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لئے نہ تو کسی طرح کی امید ہے، نہ طلب ہے، نہ شکایت ہے۔ یہ ایک موڑ ہے جس سے گذرے بغیر ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے، اس لئے تھوڑی دیر کے لئے اپنی مرضی کے خلاف یہاں دم لے لیتا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم سیدھے جیل چلے جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دو سال کے اندر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی، کہ کوئی نان کواپریٹر کسی طرح کا بھی حصہ عدالت کی کارروائی میں لے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی، سنٹرل خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند نے اگرچہ اس کی اجازت دے دی ہے۔ کہ پبلک کی واقفیت کے لئے تحریری بیان دیا جا سکتا ہے لیکن ذاتی طور میں لوگوں کو یہی مشورہ دیتا رہا کہ خاموشی کو ترجیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس لئے بیان دیتا ہے کہ مجرم نہیں، اگرچہ اس کا مقصد پبلک کی واقفیت ہو، تاہم وہ اشتباہ سے محفوظ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچاؤ کی ایک ہلکی سی خواہش اور سماعت حق کی ایک کمزور سی توقع اس کے اندر کام کر رہی ہو، حالانکہ نان کواپریشن کی راہ بالکل قطعی اور یکسو ہے وہ اس بارے میں اشتباہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

کامل مایوسی، اسلئے کامل تبدیلی کا عزم

نان کواپریشن موجودہ حالت سے کامل مایوسی کا نتیجہ ہے اور اسی مایوسی سے کامل تبدیلی کا عزم پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص جب گورنمنٹ سے نان کواپریشن کرتا ہے تو گویا اعلان کرتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے انصاف اور حق پسندی سے مایوس ہو چکا، وہ اس کی غیر منصف طاقت کے جواز سے منکر ہے اور اسی لئے تبدیلی کا خواہش مند ہے۔ پس جس چیز سے وہ اس درجہ مایوس ہو چکا کہ تبدیلی کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا، اس سے کیونکر یہ اُمید کر سکتا ہے کہ ایک منصف اور قابلِ بقا طاقت کی طرح اس کے ساتھ انصاف کرے گی۔

اس حقیقت سے اگر قطع نظر کر لیا جائے جب بھی موجودہ حالت میں بریت کی اُمید رکھنا ایک بے سُود زحمت سے زیادہ نہیں ہے، یہ گویا اپنی معلومات سے انکار ہوگا۔ گورنمنٹ کے سوا کوئی ذی حواس اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ بحالتِ موجودہ سرکاری عدالتوں سے انصاف کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایسے اشخاص سے مرکب ہیں جو انصاف کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ اس لئے کہ ایسے نظام (سسٹم) پر مبنی ہیں جن میں رہ کر کوئی مجسٹریٹ ان ملزموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا، جن کے ساتھ خود گورنمنٹ انصاف کرنا پسند نہ کرتی ہو۔

میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نان کواپریشن کا خطاب صرف گورنمنٹ، گورنمنٹ کے سسٹم، اور موجودہ حکومتی اور قومی اصولوں سے ہے، افراد و اشخاص سے نہیں ہے۔

عدالت گاہ نا انصافی کا قدیم ترین ذریعہ ہے

ہمارے اس دور کے تمام حالات کی طرح یہ حالت بھی نئی نہیں ہے تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمران طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بے خطا ہتھیار کا کام دیا ہے۔ عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور نا انصافی دونوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔ منصف گورنمنٹ کے ہاتھ میں وہ عدل و حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے

لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لئے اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا کوئی آلہ ہی نہیں۔ تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدانِ جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں ہی میں ہوئی ہیں۔ دنیا کے مقدس بانیانِ مذہب سے لے کر سائنس کے محققین اور مکتشفین تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں ہے جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانے کے انقلاب سے عہدِ قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گئی ہیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دُنیا میں دوسری صدی عیسوی کی خوفناک رومی عدالتیں، اور ازمنہ متوسطہ (MIDDLE AGES) کی پُراسرار انکوزیشن وجود نہیں رکھتی لیکن میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جو جذبات ان عدالتوں میں کام کرتے تھے اُن سے بھی ہماری عدالتوں کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرادی گئیں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے۔ لیکن اُن دِلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خود غرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہیں۔

ایک عجیب مگر عظیم الشان جگہ

عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہو سکی۔ ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کئے گئے[1] ہم کو اسمیں سقراط نظر آتا ہے، جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا، ہم کو اس میں فلورنس کے فداکار حقیقت گلیلیو کا نام بھی ملتا ہے۔ جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک ان کا اظہار جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا کیونکہ میرے اعتقاد میں وہ ایک مقدس انسان تھے جو نیکی اور محبت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے، لیکن کروڑوں انسانوں کے اعتقاد میں تو وہ اس سے بڑھ کر ہیں ہ تاہم یہ مجرموں کا کٹہرا کیسی عجیب مگر عظیم الشان جگہ ہے، جہاں سب سے اچھے اور سب سے بُرے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی ہستی کے لئے بھی یہ ناموزوں جگہ نہیں۔

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام۔

حمد و شکر اس جگہ کی عظیم الشان اور عمیق تاریخ پر جب میں غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اُسی جگہ کھڑے ہونے کی عزت آج میرے حصہ میں آئی ہے تو بے اختیار میری رُوح خدا کے حمد و شکر میں ڈوب جاتی ہے اور صرف وہی جان سکتا ہے، کہ میرے دل کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوتا ہے۔ میں مجرموں کے اس کٹہرے میں محسوس کرتا ہوں کہ پادشاہوں کے لئے قابلِ رشک ہوں۔ ان کو اپنی خواب گاہِ عیش میں وہ خوشی اور راحت کہاں نصیب، جس سے میرے دل کا ایک ایک ریشہ معمور ہو رہا ہے؟ کاش غافل اور نفس پرست انسان اس کی ایک جھلک ہی دیکھ پائے، اگر ایسا ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ لوگ اس جگہ کے لئے دعائیں مانگتے۔

میں بیان کیوں دیتا ہوں بہر حال میرا ارادہ نہ تھا کہ بیان دوں لیکن ۶ رجنوری کو جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو میں نے دیکھا، گورنمنٹ مجھے سزا دلانے کے معاملہ میں نہایت عاجز اور پریشان ہو رہی ہے۔ حالانکہ میں ایسا شخص ہوں جس کو اس کی خواہش اور خیال کے مطابق سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سزا ملنی چاہیئے پہلے میرے خلاف دفعہ ۱۷-۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کا دعویٰ کیا گیا، لیکن جب اس کا ویسا ثبوت بھی بہم نہ ہو سکا جیسا آج کل اثباتِ جرم کے لئے کافی تصور کیا جاتا ہے، تو مجبوراً واپس لے لی گئی۔ اب ۱۲۴-الف کا مقدمہ چلایا گیا ہے لیکن بدقسمتی سے یہ بھی مقصد براری کے لئے کافی نہیں، لیکن جو تقریریں پیش کی گئی ہیں وہ ان بہت سی باتوں سے بالکل خالی ہیں جو اپنی بے شمار تقریروں اور تحریروں میں، ہمیشہ کہتا رہا ہوں اور جو شاید گورنمنٹ کے لئے زیادہ کار آمد ہوتیں۔

یہ دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جو سبب بیان نہ دینے کا تھا، وہی اب متقاضی ہے کہ خاموش نہ رہوں، اور جس بات کو گورنمنٹ باوجود جاننے کے دکھلا نہیں سکتی، اُسے خود کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دوں۔ میں جانتا ہوں کہ قانون عدالت کی رُو سے یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ میری جانب سے پراسیکیوشن کے لئے یہی بہت بڑی مدد ہے کہ میں نے ڈیفنس نہیں کیا، لیکن حقیقت کا قانون عدالتی قواعد

کی حیلہ جوئیوں کا پابند نہیں ہے۔ یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا کہ ایک بات صرف اسلئے پوشیدہ رہنے دی جائے کہ مخالف اپنی عاجزی کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا۔

اِقرارِ جُرم

ہندوستان کی موجودہ بیوروکریسی ایک ویسا ہی حاکمانہ اقتدار ہے جیسا اقتدار ملک و قوم کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ طاقت ور انسان حاصل کرتے رہے ہیں۔ قدرتی طور پر یہ اقتدار قومی بیداری کے نشوونما اور آزادی و انصاف کی جِدّوجُہد کو مبغوض رکھتا ہے، کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ اس کی غیر منصفانہ طاقت کا زوال ہے، اور کوئی وجود اپنا زوال پسند نہیں کرتا، اگرچہ از روئے انصاف کتنا ہی ضروری ہو یہ گویا تنازع للبقاء (STRUGGLE FOR EXISTANCE) کی ایک جنگ ہوتی ہے جس میں دونوں فریق اپنے اپنے فوائد کے لئے جِدّ و جُہد کرتے ہیں۔ قومی بیداری چاہتی ہے کہ اپنا حق حاصل کرے، قابض طاقت چاہتی ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح آخر الذکر بھی قابلِ ملامت نہیں، کیونکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس کا وجود انصاف کے خلاف واقع ہوا ہو، ہم طبیعت کی مقتضیات سے تو انکار نہیں کر سکتے؟ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں نیکی کے ساتھ برائی بھی زندہ رہنا چاہتی ہے، وہ خود کتنی ہی قابلِ ملامت ہو لیکن زندگی کی خواہش تو قابلِ ملامت نہیں ہے

ہندوستان میں بھی یہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے اس لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جد و جہد جُرم ہو اور وہ ان لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق خیال کرے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس کا مجرم ہوں، بلکہ اُن لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی اپنی قوم کے دِلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے۔ میں مسلمانانِ ہند میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی عام دعوت دی اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے اُن کا رُخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پُرپیچ فریب نے ان کو مُبتلا کر رکھا تھا۔ پس اگر گورنمنٹ مجھے اپنے خیال میں مجرم سمجھتی ہے اور اس لئے سزا دلانا چاہتی

ہے تو میں پوری صاف دلی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کوئی خلافِ توقع بات نہیں ہے، جس کے لئے مجھے شکایت ہو۔

میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ فرشتہ کی طرح معصوم ہونے کا دعوٰی رکھتی ہے، کیونکہ اس نے خطاوں کے اقرار سے ہمیشہ انکار کیا، پھر میں کیوں امید کروں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی۔ وہ تو وہی کرے گی جو کر رہی ہے اور جو ہمیشہ استبداد نے آزادی کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس یہ ایک ایسا قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے شکایت کا کوئی موقعہ نہیں، دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے۔

گورنمنٹ بنگال اور میری گرفتاری

میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا معاملہ جو کچھ تھا، گورنمنٹ آف انڈیا سے وہ کسی خاص معین الزام کی بنا پر نہیں بلکہ موجودہ تحریک کی عام مشغولیت کی وجہ سے مجھے گرفتار کر سکتی تھی اور جیسا کہ قاعدہ ہے گرفتاری کے لئے کوئی حیلہ پیدا کر لیتی، چنانچہ ملک میں عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ علی برادران سے مجھے زیادہ مہلت دی گئی مگر اب زیادہ عرصہ تک تغافل نہیں کیا جائے گا لیکن یہ واقعہ ہے کہ گورنمنٹ بنگال کے سامنے اسوقت میرا معاملہ نہ تھا، نہ وہ دفعہ ۱۲۴-الف کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ اس دفعہ کے ثبوت میں جو تقریریں پیش کی گئی ہیں وہ نصف سال سے پہلے کلکتہ میں کی گئی ہیں اور گورنمنٹ نے مقدمہ کی اجازت ۲۲ دسمبر کو دی ہے یعنی میری گرفتاری سے ۱۲ دن بعد۔ اگر فی الواقع ان تقریروں میں سڈیشن تھا تو کیوں مجھے چھ ماہ تک گرفتار نہیں کیا گیا، اور اب گرفتار کیا بھی تو گرفتاری کے ۱۲ دن بعد (مقدمہ کی اجازت دی ہے) ہر شخص ان واقعات سے صاف صاف سمجھ لے سکتا ہے کہ صورتِ حال کیا ہے خصوصاً جب یہ تیسرا واقعہ بھی بڑھا دیا جائے کہ ابتداء میں جو دفعہ ظاہر کی گئی وہ ۱۲۴ نہ تھی، ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری تھی۔ پچیس دن کے بعد مجھ سے کہا جاتا ہے کہ وہ واپس لے لی گئی ہے۔

گرفتاری کا اصلی باعث

حقیقت یہ ہے کہ میری گرفتاری میں اس دفعہ کو کوئی دخل نہیں۔ یہ قطعی ہے کہ مجھے انہی حالات کے سلسلہ میں

گرفتار کیا گیا جو ۱۷ر نومبر کے بعد رونما ہوئے ہیں۔ اگر میں پہلی دسمبر کو کلکتہ نہ آتا یا ۱۰ر دسمبر سے پہلے باہر چلا جاتا جس کی جلسۂ جمعیتہ العلماء بدایوں کی وجہ سے توقع تھی تو گورنمنٹ بنگال مجھ سے کوئی تعرض نہ کرتی۔

۱۷ر نومبر کے بعد دنیا کی تمام چیزوں میں سے جو چاہی جا سکتی ہیں وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ ۲۴ر کو جب پرنس کلکتہ پہنچیں تو ہڑتال نہ ہو اور جو جابرانہ بیوقوفی ترمیم ضابطۂ فوجداری ۱۹۰۸ء کے نفاذ میں ہو گئی ہے وہ ایک دن کے لئے بھی قبول کر لی جائے۔ وہ خیال کرتی تھی کہ میری اور مسٹر سی آر داس کی موجودگی اس میں حارج ہے۔ اس لئے کچھ عرصہ تذبذب اور غور و فکر کے بعد ہم دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتاری بلا وارنٹ کے ہوئی تھی، لیکن جب دوسرے دن ضابطہ کی نمائش پوری کرنے کے لئے مجسٹریٹ جیل میں بھیجا گیا تو مسٹر داس کی طرح میری گرفتاری کے لئے بھی دفعہ ۱۷-۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کے ماتحت وارنٹ پیش کیا گیا۔

میں گذشتہ دو سال کے اندر بہت کم کلکتہ میں رہ سکا ہوں۔ میرا تمام وقت زیادہ تر تحریکِ خلافت کی مرکزی مشغولیت میں صرف ہوا یا ملک کے پیہم دوروں میں۔ اکثر ایسا ہوا مہینے دو مہینے کے بعد چند دِنوں کے لئے کلکتہ آیا اور بنگال پراونشل خلافت کمیٹی کے کاموں کی دیکھ بھال کر کے پھر باہر چلا گیا۔ وسط نومبر سے بھی میں سفر میں تھا۔ ۱۶ر کو کلکتہ سے روانہ ہوا تاکہ جمعیتہ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس لاہور میں شریک ہوں۔ وہاں گاندھی جی کے تار سے بمبئی کی شورش کا حال معلوم ہوا اور میں بمبئی چلا گیا۔ جنوری تک میرا ارادہ واپسی کا نہ تھا۔ کیونکہ ۱۰ دسمبر کو جمعیتہ العلماء کا اسپیشل اجلاس بدایوں میں تھا۔ اس میں شرکت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ مجھے تمام وقت انگورہ فنڈ کی فراہمی میں صرف کرنا تھا، لیکن یکایک گورنمنٹ بنگال کے تازہ جبر و تشدد اور ۱۸ر کے کمیونک کی اطلاع بمبئی میں ملی اور میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ایسی حالت میں کلکتہ سے باہر رہوں۔ میں نے گاندھی جی سے مشورہ کیا۔ اُن کی بھی یہی رائے ہوئی کہ مجھے تمام پروگرام ملتوی کر کے کلکتہ چلا جانا چاہیئے۔ زیادہ خیال ہمیں اس بات کا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گورنمنٹ کا جبر و تشدد لوگوں کو بے قابو کر دے اور کوئی بات صبر و ضبط کے خلاف کر بیٹھیں، علی الخصوص جب کہ سول گارڈ کے قیام کی خبریں بھی آ چکی تھیں اور اس بارے

میں ہمیں کوئی غلطی ہو سکتی تھی کہ یہ نئی اسلحہ بندی کن شریفانہ اور پُر امن اغراض کے لئے وجود میں آئی ہے۔

میں پہلی دسمبر کو کلکتہ پہنچا۔ میں نے ظلم اور برداشت دونوں کے انتہائی مناظر اپنے سامنے پائے۔

میں نے دیکھا کہ ۱۷ر نومبر کی یادگار ہڑتال سے بے لبس ہو کر گورنمنٹ اس آدمی کی طرح ہو گئی ہے جو ہوش اور غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور غیظ و غضب کی کوئی حرکت بھی اس سے بعید نہ ہو۔ ۱۹۰۸ء کے کرمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت قومی رضا کاروں کی تمام جماعتیں، مجمع خلاف قانون (UNLAWFUL) قرار دے دی گئی ہیں۔ پبلک اجتماعات یک قلم روک دیئے گئے ہیں، قانون صرف پولیس کی مرضی کا نام ہے وہ ان لا فل جماعت کی تفتیش اور شبہہ میں جو چاہے کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ راہ چلتوں کی جان و آبرو بھی محفوظ نہیں۔ گورنمنٹ نے پہلے ۱۸ر نومبر کے کمیونک میں صرف سابق اور موجودہ رضا کار جماعتوں کا ذکر کیا تھا لیکن ۲۴ کو دوسرا کمیونک جاری کر کے تمام آئندہ جماعتیں بھی خلاف قانون قرار دے دیں اور پولیس نے بلا امتیاز ہر شخص کو جو اس کے سامنے آگیا گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات بھی جس سے ۲۴ر کی ہڑتال رُکنے کا امکان ہو، پولیس اور پولیس سے بھی زیادہ شریف قوم سول گارڈ کے لئے ناجائز نہیں۔ سول گارڈ گویا قومی رضا کاروں کا جواب ہے۔ وُہ بالکل نہتے ہونے پر بھی جبر و تشدد سے ہڑتال کرا دیتے تھے، یہ ریوالور سے مسلح ہونے پر بھی امن و صلح کے ذریعہ ہڑتال روک دیں گے۔

اس کے مقابلہ میں لوگوں نے بھی برداشت اور استقامت دونوں کا گویا آخری عہد کر لیا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اپنی راہ سے ہٹیں گے نہ تشدد کا مقابلہ کریں گے۔

ان حالات میں میرے لئے فرض کی راہ بالکل صاف اور یکسو تھی۔ میں نے اپنے سامنے دو حقیقتیں بے نقاب دیکھیں۔ ایک یہ کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے، اس لئے فتح و شکست کا پہلا فیصلہ یہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ ہم کل تک پوری آزادی کیلئے جد و جہد کر رہے تھے، لیکن موجودہ حالت نے بتلا دیا کہ ہماری آزادی کی مبادیات تک

محفوظ نہیں ہیں ۔ آزادیٔ تقریر اور آزادیٔ اجتماع انسان کے پیدائشی حقوق ہیں ۔ ان کی پامالی مشہور فلاسفر مِل کی زبان میں انسانیت کے قتلِ عام سے کچھ ہی کم کہی جا سکتی ہے لیکن یہ پامالی بلا کسی جھجک کے علانیہ ہو رہی ہے پس میں نے باہر کا تمام پروگرام منسوخ کر دیا اور فیصلہ کر لیا کہ اس وقت تک کلکتہ ہی میں رہوں گا جب تک دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظہور میں نہ آ جائے ۔ یا گورنمنٹ اپنا کمیونک اور آرڈر واپس لے لے، یا مجھے گرفتار کر لے ۔

گورنمنٹ نے ۱۰ر دسمبر کو مجھے گرفتار کر لیا ۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ جیل کی طرف روانہ ہؤا، کیونکہ میں اپنے پیچھے ایک فتحمند میدان چھوڑ رہا ہوں میرا دل خوشی سے معمور ہے کہ کلکتہ اور بنگال نے میری توقعات پوری کر دیں ۔ وہ پہلے جس قدر پیچھے تھا اتنا ہی آج سب سے آگے ہے ۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کامیابی کے لئے گورنمنٹ کی امداد کا ہمیں پوری طرح اعتراف کرنا چاہیئے ۔ اگر وہ ۱۷ر نومبر کے بعد یہ طرزِ عمل اختیار نہ کرتی تو فی الواقع ہمارے لئے آئندہ کاموں کے انتخاب میں چند در چند مشکلات تھیں ۔ ہم ۲۲ر کو بمبئی میں انہی مشکلات پر باہم غور و خوض کر رہے تھے ۔

دو حقیقتیں حقیقت یہ ہے کہ ان گذشتہ ایام نے بہ یک وقت دونوں حقیقتیں صفحاتِ تاریخ کے لئے مہیا کر دیں ۔ اگر ایک طرف گورنمنٹ کے چہرے سے ادعار و نمائش کے تمام نقاب دُور ہو گئے تو دوسری طرف ملکی طاقت بھی ایک سخت آزمائش میں پڑ کر پوری طرح نمایاں ہو گئی ۔ دُنیا نے دیکھ لیا کہ گورنمنٹ ہر طرح کے جبر و تشدد میں بالکل بے حجاب اور بے لگام ہے تو ملک میں بھی صبر و برداشت کی طاقت روز افزوں نشو و نما پا رہی ہے ، جیسا کہ ہمیشہ انکار کیا گیا ہے ، آج بھی اس کا موقعہ ہے کہ انکار کر دیا جائے لیکن کل تاریخ کے لئے یہ ایک نہایت ہی عبرت انگیز داستاں ہو گی ۔ یہ مستقبل کی راہنمائی کرے گی کہ کیونکر اخلاقی مدافعت ، مادی طاقت کے جارحانہ گھمنڈ کو شکست دے سکتی ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف برداشت اور قربانی کے ذریعہ خونریز اسلحہ کا مقابلہ کیا جائے ۔ البتہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں فریقوں میں سے کس

فریق کے اندر اس بڑے انسان کی تعلیم تلاش کی جائے جو بُرائی کے مقابلہ میں صبر وعفو کی تعلیم لے کر آیا تھا۔ گورنمنٹ میں یا ملک میں، مَیں خیال کرتا ہوں کہ بیوروکریسی کے حکام اس کے نام سے ناواقف نہ ہوں گے، اُس کا نام مسیح تھا۔

گورنمنٹ کا فیصلہ اور شکست

فلسفہ تاریخ ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہمیشہ زوال پذیر طاقتوں کی رفیق ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے خیال کیا کہ وہ جبر و تشدد سے تحریکِ خلافت و سوراج کو پامال کر دے گی اور ۲۴ رکی ہڑتال رُک جائے گی۔ اُس نے والنٹیر کورز کو خلافِ قانون قرار دیا اور بلا امتیاز تمام کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ وہ سمجھتی تھی کہ والنٹیرز کی ممانعت اور کارکنوں کی گرفتاری کے بعد خلافت کا نظام معطل ہو جائے گا اور اس طرح خود بخود ہڑتال رُک جائے گی، لیکن بہت جلد گورنمنٹ کو معلوم ہو گیا کہ جبر و تشدد جب قومی بیداری کے مقابلہ میں نمایاں ہو تو وہ کوئی مہلک چیز نہیں ہوتی۔ نہ تو ہڑتال رُک سکی نہ خلافت اور کانگرس کمیٹیاں معطل ہوئیں اور نہ والنٹیرز کا کام ایک دن کے لئے بھی بند ہوا، بلکہ ہماری غیر موجودگی میں یہ ساری چیزیں زیادہ طاقتور اور غیر مسخر ہو گئیں۔ میں نے ۸ ردسمبر کو جو پیغام مُلک کے نام لکھا تھا، اس میں گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی یہ پیغام تھا "میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کے بعد کام زیادہ طاقت اور مستعدی کے ساتھ جاری رہے گا اور ۲۴ ر کو ہڑتال اس سے زیادہ مکمل ہو گی، جس قدر ہماری موجودگی میں ہو سکتی تھی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گورنمنٹ خود اپنے پسند کئے ہوئے میدان میں ہار گئی۔ اب وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور جن لوگوں کو گرفتار کر چکی ہے اُنہیں کسی نہ کسی طرح سزا دلانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ بالکل بے سُود ہے۔ طاقتور آدمی کو شکست کے بعد زیادہ غصہ آتا ہے لیکن کوئی شکست اس لئے فتح نہیں بن سکتی، کہ ہم بہت زیادہ جھنجھلا سکتے ہیں۔

دفعہ ۱۲۴۔ الف

غرض کہ میری گرفتاری صریح طور پر انہی واقعات کا نتیجہ ہے اور اسی لئے دو ہفتہ تک میرے خلاف دفعہ ۱۷ ترمیم ضابطہ

فوجداری ہی کا دعویٰ قائم رہا، لیکن جب اس بارے میں کوئی سہارا نہ ملا تو میرے پریس اور مکان کی تلاشی لی گئی، تاکہ میری کوئی تحریر حاصل کر کے بنارِ مقدمہ قرار دی جائے۔ جب وہاں سے بھی کوئی مواد ہاتھ نہ آیا تو مجبوراً سی آئی ڈی کے محفوظ ذخیرہ کی طرف توجہ کی گئی۔ یہ ذخیرہ ہمیشہ اس شریفانہ کام کے لئے مستعد رہتا ہے اور ضرورت کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ پس اس طرح بہ ہزار زحمت دفعہ ۱۲۴-الف کا دعویٰ تیار کیا گیا۔

اجتماعِ ضدّین

یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آ رہی ہے۔ ایک طرف تو وہ چاہتی ہے کہ شخصی حکمرانوں کی طرح بے دریغ جبر و تشدد کرے، دوسری طرف چاہتی ہے کہ نمائشی قانون و عدالت کی آڑ بھی قائم رہے۔ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں، جمع نہیں ہو سکتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کی پریشانی و درماندگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ جو لوگ اس کے خیال میں سب سے زیادہ مستحقِ تعزیر ہیں، انہی کو سزا دلانا اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ ابھی چند ہی مہینے گذرے ہیں کہ ہم کراچی میں گورنمنٹ کی سراسیمگی و درماندگی کا تمسخر انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو سرکاری استغاثہ اس دعویٰ اور اہتمام کے ساتھ شروع کیا گیا تھا، اس سے خود گورنمنٹ کی پسندیدہ اور انتخاب کردہ جیوری بھی اتفاق نہ کر سکی۔

لطف یہ ہے کہ یہ مشکلات گورنمنٹ کو ایسی حالت میں پیش آ رہی ہیں جب کہ وہ جانتی ہے کہ نان کواپریٹرز کی جانب سے ڈیفنس نہیں کیا جائے گا اور سخت سے سخت غلط بیانی اور قانون شکنی کی حالت میں بھی پردہ اور شکست کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔

نئی قانونی تشریحات

گورنمنٹ نے اس اطمینان سے پوری طرح کام لینے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے۔ نان کواپریٹرز کے مقدمات آج کل جس طرح نپٹائے جا رہے ہیں اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ لا اور آرڈر کے معنی بیورو کریٹک اصطلاح میں کیا ہیں۔ لا اور آرڈر کی طرح اب دعویٰ، ثبوت، شہادت، تشخیص (IDENTIFY) وغیرہ تمام عدالتی مصطلحات کے معنی میں بھی انقلاب ہو گیا ہے، گویا نان کواپریٹرز کو جا سزا دے دینے کے لئے ہر طرح کی بے قاعدگی اور قانون شکنی جائز ہے حتیٰ کہ اس بات کی بھی تحقیق ضروری نہیں کہ جس انسان کے ملزم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، کٹہرے کا ملزم وہی آدمی ہے یا نہیں۔

یا نہیں؟ ابھی اس ہفتہ جوڑا بگان کی عدالت سے ایک شخص عبدالرحمن ہاشم کو اس پُرزور قانونی اور منطقی ثبوت پر چھ ماہ کی سزا دیدی گئی ہے کہ اعظم ہاشم نامی ایک خلافت والنٹیر دنیا میں وجود رکھتا ہے اور دونوں کے نام میں لفظ ہاشم مشترک ہے۔ خود میرے مقدمہ میں جو صریح بے ضابطگیاں کی گئی ہیں، ان کا ذکر لاحاصل سمجھ کر نہیں کرنا چاہتا ورنہ وہی اس حقیقت کے انکشاف کے لئے کافی تھیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کروں گا جو بے قاعدگی اور غلط بیانی دونوں کا مجموعہ ہے۔ مجھے دفعہ ۷ اترمیم ضابطہ فوجداری سے بری کر دیا گیا اور ۱۲۴-الف کے ماتحت وارنٹ حاصل کیا گیا۔ قاعدہ کی رو سے رہائی اور از سرنو گرفتاری دونوں باتیں وقوع میں آنی چاہیئے تھیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ۱۲۴ کا کوئی وارنٹ مجھ پر تعمیل نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ ۶ جنوری تک مجھے اس کا علم بھی نہیں ہوا، لیکن میرے سامنے مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس نے یہ حلفیہ شہادت دی ہے کہ اُس نے پریسیڈنسی جیل میں مجھ پر وارنٹ سرو کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ نان کواپریٹر کسی طرح کا ڈیفنس نہیں کرتے، لیکن میں سمجھتا ہوں، کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اُتار ڈالے۔ اس لئے کہ شریف آدمی آنکھیں بند کرلیں گے۔ شریف۔ آدمیوں نے تو سچ مچ آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن دنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔

قانون کا ڈراما

فی الحقیقت لا اور آرڈر کا ایک ڈراما کھیلا جا رہا ہے جسے ہم کامیڈی اور ٹریجڈی دونوں کہہ سکتے ہیں۔

وہ تماشہ کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی طرح دردانگیز بھی، لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا۔ حسن اتفاق سے اس کا چیف ایکٹر انگلستان کا سابق چیف جسٹس ہے۔

میری تقریریں

پراسیکیوشن کی جانب سے میری دو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ جو میں نے پہلی اور پندرھویں جولائی کو مرزا پور پارک کے جلسہ میں کی تھیں۔ اس زمانہ میں گورنمنٹ بنگال نے گرفتاریوں کی طرف پہلا قدم اٹھایا تھا، اور چار مبلغینِ خلافت پر مقدمہ چلا کر سزائیں دلائی تھیں۔ میں اس وقت سفر سے بیمار واپس آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں میں بے حد جوش پھیلا ہوا ہے اور ہر طرح کے مظاہرے کیلئے لوگ بے قرار ہیں، چونکہ میرے خیال میں گرفتاریوں پر مظاہرہ کرنا نان کواپریشن کے اصول کے خلاف

تھا۔ اس لئے میں نے ہڑتال اور جلوس یک قلم روک دیئے۔ اس پر عوام کو شکایت ہوئی تو میں نے یہ جلسے منعقد کئے اور لوگوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہوئے سمجھایا کہ نان وائلنس نان کوآپریشن کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ گرفتاریوں پر صبر و سکون کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔ اگر فی الواقع ان گرفتاریوں کا تمہارے دل میں درد ہے تو چاہیئے کہ اصلی کام کرو، اور بیرونی کپڑا ترک کر کے دیسی گاڑھا پہن لو۔

استغاثہ نے جو نقل پیش کی ہے، وہ نہایت ناقص، غلط اور مسخ شدہ صورت ہے اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ اس کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے، تاہم میں اس کے غلط اور بے ربط جملوں کو چھوڑ کر (کیونکہ اس کے اعتراف سے میرا ادبی ذوق ابا کرتا ہے) باقی وہ تمام حصہ تسلیم کر لیتا ہوں جس میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار ہے یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جد وجہد کی اپیل کی گئی ہے استغاثہ کی جانب سے صرف دو تقریریں پیش کر دی گئی ہیں۔ یہ نہیں بتلایا ہے۔ کہ ان کے کن جملوں کو وہ ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہے، یا اس کے خیال میں، مائی ڈیر برادران سے لے کر آخر تک سب ۱۲۴۔ الف ہے۔ میں نے بھی دریافت نہیں کیا، کیونکہ دونوں صورتیں میرے لئے یکساں ہیں تاہم ان نقول کو دیکھتا ہوں تو استغاثہ کے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابل ذکر جملے حسب ذیل ہیں۔

"ایسی گورنمنٹ ظالم ہے جو گورنمنٹ ناانصافی کے ساتھ قائم ہو، ایسی گورنمنٹ کو یا تو انصاف کے آگے جھکنا چاہیئے یا دُنیا سے مٹا دینا چاہیئے۔"

"اگر فی الحقیقت تمہارے دلوں میں اپنے گرفتار بھائیوں کا درد ہے، تو تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے، کیا وہ اس بات کے لئے راضی ہے، کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے وہ اس برِ اعظم میں اسی طرح قائم رہے جس طرح گرفتاری کے وقت تھی۔"

"اگر تم مُلک کو آزاد کرانا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چالاک دشمنوں کے پاس خون ریزی کا بے شمار سامان موجود ہے، انہیں رائی برابر بھی اس کے استعمال کا

موقعہ نہ دو، اور کامل امن و برداشت کے ساتھ کام کرو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقریروں میں کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے تو اس سے مقرر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے بچاؤ کا سامان کر لے ورنہ اس کی دلی خواہش یہ نہیں ہوتی، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ آج تمہارے لئے کام کر رہے ہیں تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ وہ جیل جانے یا نظر بند ہونے سے ڈرتے ہیں (پس) اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ امن و نظم کے ساتھ کام کرنا چاہیئے تو ان کا مطلب یہ نہیں (ہو سکتا) کہ اس ظالمانہ گورنمنٹ (کیساتھ) وفاداری کرنی چاہتے ہیں۔ جو گورنمنٹ، اس کی طاقت اور (اس کا) تخت آج دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے یقیناً وہ اس گورنمنٹ کے وفادار نہیں ہو سکتے"۔

اس کے بعد میں نے کہا ہوگا مگر کاپی میں نہیں ہے :-

"وہ تو صرف اس لئے یہ کہتے ہیں کہ خود تمہاری کامیابی باامن رہنے پر موقوف ہے۔ تمہارے شیطانی ہتھیار نہیں ہیں جن سے یہ گورنمنٹ مسلح ہے۔ تمہارے پاس صرف ایمان ہے۔ دل ہے۔ قربانی کی طاقت ہے، تم انہی طاقتوں سے (اصل میں ہتھیاروں سے ہوگا) کام لو۔ اگر تم چاہو کہ اسلحہ کے ذریعہ فتح کرو تو تم نہیں کر سکتے۔ آج امن و سکون سے بڑھ کر (تمہارے لئے) کوئی چیز نہیں"۔

"اگر تم صرف چند گھڑیوں کے لئے گورنمنٹ کو حیران کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے میرے پاس بہت سے نسخے ہیں۔ اگر خدانخواستہ میں اس گورنمنٹ کا استحکام چاہتا تو وہ نسخے بتلا دیتا (لیکن) میں تو ایسی جنگ چاہتا ہوں (جو) ایک ہی دن میں ختم نہ ہو جائے بلکہ فیصلہ کے آخری دن تک (جاری رہے) اور جب فیصلہ کی گھڑی آجائے تو پھر یا تو یہ گورنمنٹ باقی نہ رہے، یا تیس کروڑ (انسان) باقی نہ رہیں"۔

جو الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں وہ تقریر کی پیش کردہ کاپیوں میں نہیں ہیں، لیکن عبارت کے بامعنی ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ میں نے اس لئے تصحیح کر دی کہ پراسیکیوشن کو استدلال میں مدد ملے، اگر اس کے مقصد کے لئے پوری تصحیح و تکمیل ضروری ہو تو میں اسی طرح کر دینے کو تیار ہوں۔

ان کے علاوہ دونوں تقریروں میں لوگوں کو نان کوآپریشن کی دعوت دی ہے مطالبات خلافت اور سوراج کو دہرایا ہے، پنجاب کے مظالم کو وحشیانہ کہا ہے۔ لوگوں کو بتلایا ہے کہ جو گورنمنٹ جلیانوالہ باغ امرتسر میں چند منٹوں کے اندر سینکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالے اور اس کو جائز فعل بتلائے، اُس سے ناانصافی کی کوئی بات بھی بعید نہیں۔

اقرار میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہی دو موقعوں پر بلکہ گذشتہ دو سال کے اندر اپنی بے شمار تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے لئے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں۔ ایسا کہنا میرے اعتقاد میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لئے باز نہیں رہ سکتا کہ وہ ۱۲۴۔الف کا جرم قرار دے دیا جائیگا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور جب تک بول سکتا ہوں ایسا ہی کہتا رہوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے یقیناً میں نے کہا ہے موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے لیکن اگر میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ میں نہیں جانتا۔ کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اس کے اصلی نام سے نہ پکاروں؟ میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔

میں کم سے کم اور نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہوں یہی ہے۔ ایسی ملفوظ صداقت جو اس سے کم ہو، میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمارے فرض کے سامنے دو ہی راہیں ہیں۔ گورنمنٹ، ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے اور اگر باز نہیں آسکتی تو مٹا دی جائے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ انسانی اعتقاد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عمر کہے جا سکتے ہیں۔ جو چیز بری ہے اُسے یا تو درست ہو جانا چاہیئے یا مٹ جانا چاہیئے، تیسری بات کیا ہو سکتی ہے جب کہ میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں تو یقیناً یہ دعا نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو۔

میرا یہ اعتقاد کیوں ہے

میرا اور میرے کروڑوں ہم وطنوں کا ایسا اعتقاد کیوں ہے ؟ اس کے وجوہ اور دلائل اب اس قدر آشکارا ہو چکے ہیں کہ ملٹن کے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے " سورج کے بعد دنیا کی ہر چیز سے زیادہ واضح اور محسوس " محسوسات کے لئے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ انکار نہ کرو، تاہم میں کہنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ اعتقاد اس لئے ہے کہ میں ہندوستانی ہوں، اس لئے ہے کہ میں مسلمان ہو، اس لئے ہے کہ میں انسان ہوں۔

شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے

میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گڑھی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لئے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لئے جائیں لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے پس میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز تسلیم نہیں کرتا۔ اور اپنا ملکی، مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اسکی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔

اصطلاحات اور بتدریج توسیع اختیارات کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کر سکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے، اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں حد بندی اور تقسیم کرے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم کو اسکی آزادی بتدریج ملنی چاہیئے بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اس کی جائداد اور قرضدار کو اس کا قرض ٹکڑے ٹکڑے کر کے دینا چاہیئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس نہ مل سکے تو قرض دار کو یہی کرنا پڑے گا کہ قسط کی صورت میں وصول کرے، لیکن یہ ایک مجبوری کا سمجھوتہ ہو گا، اس سے یک دفعہ وصولی کا حق زائل نہیں ہو سکتا۔

ریفارم کی نسبت میں روس کے عظیم الشان لیو ٹالسٹائی (LEO TALSTOY) کے لفظوں میں کہوں گا۔ " اگر قیدیوں کو اپنے ووٹ سے اپنا جیلر منتخب کرنے کا اختیار مل جائے تو اس سے وہ آزاد نہیں ہو جائیں گے "۔

میرے لئے اس کے اچھے بُرے کاموں کا سوال ایک ثانوی سوال ہے۔ پہلا سوال خود اس کے وجود کا ہے، میں ایسے حاکمانہ اقتدار کو بہ اعتبار اس کی خلقت ہی کے ناجائز یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ تمام ناانصافیاں ظہور میں نہ آتیں جو اس کثرت سے واقع ہو چکی ہیں، جب بھی میرے اعتقاد میں وہ ظلم تھا کیونکہ اس کی ہستی ہی سب سے بڑی ناانصافی ہے اور اس کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ موجود ہو۔ اگر وہ اچھے کام کرے تو اس کی اچھائی تسلیم کر لی جائے گی، لیکن اس کا وجود ناجائز اور ناانصافی ہی رہے گا۔ اگر ایک شخص ہماری جائداد پر قابض ہو کر بہت اچھے اور نیک کام انجام دے تو اس کے کاموں کی خوبی کی وجہ سے اس کا قبضہ جائز نہیں ہو سکتا۔

بُرائی میں کم و کیفیت کے اعتبار سے تقسیم کی جاسکتی ہے لیکن حسن و قبح کے اعتبار سے اس کی ایک ہی قسم ہے۔ یعنی اس اعتبار سے تقسیم ہو سکتی ہے کہ وہ کتنی ہے اور کیسی ہے، اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھی ہے یا بُری ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ بُری چوری اور کم بُری چوری، لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اچھی چوری اور بُری چوری۔ پس میں بیوروکریسی کی اچھائی اور جائز ہونے کا کسی حال میں بھی تصور نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فی نفسہٖ ایک ناجائز عمل ہے البتہ اس کی برائی کم اور زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن ہندوستان کی بیوروکریسی تو اتنا بھی نہ کر سکی کہ اپنی خلقی بُرائی ہی پر قانع رہتی۔ جب اس کی خلقی بُرائی پر اس کی بے شمار عملی برائیوں کا بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے تو پھر کیونکر اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ظلم کا اعلان نہ کیا جائے۔

اسلام اور بیوروکریسی میں مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان ہونے کے میرا یہی فرض ہے۔

اسلام کسی ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو یا چند تنخواہ دار حاکموں کی بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوعِ انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقت ور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق

طاقت اور قبضہ ہے، لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے بلکہ خود حق ہے اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم اور غلام بنائے اُس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیئے اور دُنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ معیارِ فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف عمل ہے اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے کام سب سے اچھے ہوں۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (سورہ الحجرات ۔ آیہ ۱۳)

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا یہ وہ اعلان ہے جو انقلابِ فرانس سے گیارہ سو برس پہلے ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک عملی نظام تھا جو مشہور مورخ گبن کے نفظوں میں "اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا" پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی اور صرف قوم کی رائے نیابت اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لئے موجود ہیں، شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے پادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے اور صرف ایک رئیسِ جمہوریۃ (پریذیڈنٹ آف ری پبلک) کا عہدہ قرار دیا ہے، لیکن اس کے لئے بھی خلیفہ کا لقب تجویز کیا، جس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں، گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے شوریٰ کا لفظ استعمال کیا۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ۔ چنانچہ ایک پوری سورت اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ شوریٰ کے معنی باہم مشورہ کے ہیں یعنی جو کام کیا جائے جماعت کے باہم رائے اور مشورے سے کیا جائے، شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو، اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔

قومی اور مسلم بیوروکریسی بھی ظلم ہے

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے۔ اگر آج ہندوستان میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو، یا چند حاکموں کی بیوروکریسی ہو تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی میرا فرض یہی ہو گا کہ اس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علماء حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی مطالبہ و اعلان کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پر شوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ جو بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا، انہوں نے قیصر و کسریٰ بننے کو ترجیح دی، تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے جنہوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے، بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دست بردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے اس مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو ظلم نہ کہے کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد اس کی سب سے بڑی مابہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں۔ ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے۔ ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اسے علم و یقین دیا گیا ہے، ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے اور ادائے فرض کی

راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے، علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جور کا دور دورہ ہو جائے اور جبر و تشدد کے ذریعہ اعلانِ حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چُپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے اور دو اور دو کو اس لئے چار نہ کہا جائے کہ ایسا کہنے سے انسانی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے اور حق کے اُبھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ حقیقت کا قانون نہ تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے، نہ اس لئے بدل جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گذرتی ہے وہ تو حقیقت ہے اور اس وقت بھی حقیقت ہے جب اس کے اعلان سے ہمیں پھولوں کی سیج ملے اور اس وقت بھی حقیقت ہے جب اس کے اظہار سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا، آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا ہو سکتی۔

شہادۃ علی الناس

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی کتاب شریعت (قرآن) میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ خدا کی زمین میں شاہد ہیں، یعنی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ بحیثیت ایک قوم کے یہی ان کا قومی وظیفہ (نیشنل ڈیوٹی) ہے اور یہی ان کی قومی خصلت (نیشنل کیریکٹر) ہے جو اُن کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ[1] اسی طرح پیغمبرِ اسلام نے فرمایا۔ انتم شهداء الله فی الارض[2] ۔ تم خدا کی زمین پر خدا کی طرف سے سچائی کے گواہ ہو۔ پس ایک مسلمان جب تک مسلمان ہے اس گواہی کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔

کتمانِ شہادت

اگر وہ باز رہے تو یہ قرآن کی اصطلاح میں "کتمانِ شہادت" ہے یعنی گواہی کو چھپانا۔ قرآن نے ایسا کرنے والوں کو خدا کی پھٹکار کا سزاوار بتلایا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ اسی کتمانِ شہادت کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی

---

[1] سورۃ البقرہ۔ رکوع ۱۷۔ آیۃ ۱۴۳ [2] بخاری

قومیں برباد و ہلاک ہو گئیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ۔ رکوع ۱۹۔ آیۃ ۱۵۹)۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ۔ رکوع ۱۱۔ آیۃ ۷۸۔ ۷۹)۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسی لئے اسلام کے واجبات و فرائض میں ایک اہم فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے یعنی نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا۔ قرآن نے عقیدۂ توحید کے بعد جن کاموں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اُن میں سے ایک کام یہ ہے۔ قرآن نے بتلایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام قومی برائی کی بنیاد اسی کام پر ہے۔ وہ سب سے بڑی اور اچھی قوم اسی لئے ہیں کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی کو روکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اپنی ساری بڑائی کھودیں۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (سورۂ آل عمران۔ رکوع ۱۲۔ آیۃ ۱۱۰)۔

قرآن سچے مسلمانوں کی پہچان یہ بتلاتا ہے "وہ حق کے اعلان سے بالکل نہیں ڈرتے نہ دنیا کی کوئی لالچ اُن پر غالب آسکتی ہے نہ کوئی خوف۔ وہ طمع بھی رکھتے ہیں تو صرف خدا سے اور ڈرتے بھی ہیں تو صرف خدا سے۔

پیغمبر اسلام کے بیشمار قولوں میں سے جو اس بارے میں ہیں ایک قول یہ ہے "نیکی کا اعلان کرو برائی کو روکو، اگر نہ کروگے تو ایسا ہوگا کہ نہایت بُرے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے اور خدا کا عذاب تمہیں گھیر لیگا، تم دعائیں مانگوگے کہ یہ حاکم ٹل جائیں مگر قبول نہ ہوں گی (ترمذی و طبرانی عن حذیفہؓ و عمرؓ)۔

لیکن یہ فرض کیونکر انجام دیا جائے۔ تو اسلام نے تین مختلف حالتوں میں اس کے

ہیں مختلف درجے بتلائے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے فرمایا "تم میں سے جو شخص بُرائی کی بات دیکھے تو چاہیئے اپنے ہاتھ سے درست کر دے۔ اگر اس کی طاقت نہ پائے، تو زبان سے اعلان کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل میں اسکو بُرا سمجھے لیکن یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے" (مسلم)۔ ہندوستان میں ہمیں یہ استطاعت نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گورنمنٹ کی بُرائیاں دور کر دیں اسلئے ہم نے دوسرا درجہ اختیار کیا جس کی استطاعت حاصل ہے، یعنی زبان سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

ارکانِ اربعہ

قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بُنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ ۱: ایمان۔ ۲: عملِ صالح۔ ۳: توصیۂ حق۔ ۴: توصیۂ صبر۔

توصیۂ حق کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیّت کرنا۔ توصیۂ صبر کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور رکاوٹوں کو جھیل لینے کی وصیّت کرنا۔ چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مصیبتیں پیش آئیں، اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیّت بھی ضروری تھی تاکہ مصیبتیں اور رکاوٹیں جھیل لینے کے لئے ہر حق گو تیار ہو جائے۔ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ع (سورۂ والعصر)۔

اسلامی توحید اور امر بالمعروف

اسلام کی بنیادِ عقیدۂ توحید پر ہے اور توحید کا ضد شرک ہے جس سے بیزاری اور نفرت ہر مسلمان کی فطرت میں داخل کی گئی ہے۔ توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا۔ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا۔ پس سچائی کے اظہار میں بے خوفی اور بیباکی ایک مسلمان کی زندگی کا مایۂ خمیر ہے۔ توحید مسلمانوں کو سکھلاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزاوار صرف خدا ہی کی عظمت و جبروت ہے۔

اس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیئے یا جس کے آگے جھکنا چاہیئے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے ڈرنا، خدا کے ساتھ اس کو شریک کرنا اور اپنے دل کے خوف و اطاعت کا حقدار ماننا ہے۔ یہ بات توحید کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اسلام تمام تر بے خوفی اور قربانی کی دعوت ہے۔ قرآن جا بجا کہتا ہے مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے، ہر حال میں سچی بات کہے۔ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ[1] پیغمبر اسلام نے فرمایا "سب سے بہتر موت اس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے"[2] وہ جب کسی آدمی سے اسلام کا عہد و قرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا "میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا، خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں" (بخاری و مسلم)۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں حق گوئی اور حق گوئی کے لئے قربانی کی ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں جن سے تاریخ اسلام کا ہر باب معمور ہے۔ اسلام کے عالموں، پیشواؤں، بزرگوں، مصنفوں کے تراجم (BAIOGRAPHY) تمام تر اسی قربانی کی سرگذشت ہیں۔

جن مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ موت قبول کر لیں مگر حق گوئی سے باز نہ آئیں، ان کے لئے دفعہ ۱۲۴-الف کا مقدمہ یقیناً کوئی بڑی ڈراؤنی چیز نہیں ہو سکتا، جس کی زیادہ سے زیادہ سزا سات برس کی قید ہے۔

اسلام میں کوئی دفعہ ۱۲۴ نہیں

تاریخ اسلام کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پیغمبر اسلام اور ان کے چار جانشینوں کا ہے۔ یہ دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا۔ یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصلی صورت میں قائم تھی۔ ایرانی شہنشاہی اور رومی امارت (ARISTOCRACY) کا کوئی اثر بھی اسلامی مساوات عامہ (DEMOCRACY) پر نہیں پڑتا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام (ڈیموکریٹ) کا ایک فرد ہوتا تھا اور ایک عام فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ دار الخلافت کے ایک خس پوش چھپر میں رہتا اور چار چار پیوند لگے ہوئے

---

[1] پارہ ۱۰، ع ۹- [2] ابو داؤد

کپڑے پہنتا۔ اسلام کے دار الخلافت میں امریکی ری پبلک کا کوئی قصرِ سفید (وہائٹ ہاؤس) نہ تھا۔

دوسرا دور شخصی حکمرانی اور شہنشاہی کا ہے جو خاندان بنی امیہ سے شروع ہوا۔ اس دور میں اسلامی جمہوریت درہم برہم ہوگئی، قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت و تسلط کا دور شروع ہوگیا۔ شاہی خاندان سے طبقہ امراء (ارسٹوکریٹ) کی بنیاد پڑی اور اسلام کے گلیم پوش خلیفہ کی جگہ شہنشاہیت کا تاج و تخت نمودار ہوگیا۔

تاہم مسلمانوں کی زبانیں جس طرح پہلے دَور کی آزادی میں بے روک تھیں، اسی طرح دوسرے دَور کے جبرِ استبداد میں بھی بے خوف رہیں۔ میں بتلانا چاہتا ہوں، کہ تعزیراتِ ہند (پینل کوڈ) کی طرح اسلامی قانون میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہیں ہے۔

پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دار الخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفۂ وقت سے برسرِ عام کہہ سکتی تھی "اگر تم انصاف نہ کرو گے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکال دیں گے" لیکن وہ مقدمۂ بغاوت چلانے کی جگہ خدا کا شکر کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز زبانیں موجود ہیں۔ عین جمعہ کے مجمع میں جب خلیفہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا اور کہتا "اسمعوا واطیعوا۔" سنو اور اطاعت کرو۔ تو ایک شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا "نہ تو سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے" کیوں؟ "اس لئے کہ تمہارے جسم پر جو جُبّہ ہے وہ تمہارے حصّہ کے کپڑے سے زیادہ کا بنا ہوا ہے اور یہ خیانت ہے۔" اس پر خلیفہ اپنے لڑکے سے گواہی دلاتا۔ وہ اعلان کرتا کہ میں نے اپنے حصّہ کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دے دیا تھا، اس سے جُبّہ تیار ہوا۔

قوم کا یہ طرزِ عمل اس خلیفہ کے ساتھ تھا جس کی صولت و سطوت نے مصر اور ایران کا تخت الٹ دیا تھا، تاہم اسلامی حکومت میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہ تھی۔

دوسرا دَور شخصی جبر و استبداد (AUTOCRACY) کا تھا، جس کی پہلی ضرب آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تقریر ہی پر پڑتی ہے لیکن اس دَور میں بھی زبانوں کی بیباکی اور دلوں کی بے خوفی اسی طرح سرگرم رہی، اور قید خانے کی تاریک کوٹھڑیاں، تازیانوں کی ضرب اور جلاد کی تیغ بھی انہیں روک نہ سکی۔ پیغمبرِ اسلام کے ساتھی (صحابہ کرامؓ) جب تک زندہ رہے

وقت کے جابر بادشاہوں کے ظلم کا اعلان کرتے رہے اور برابر مطالبہ کرتے رہے کہ حکومت قوم کے مشورہ اور انتخاب سے ہونی چاہیئے۔ جو لوگ ان کے تربیت یافتہ تھے (تابعین) اُن کا اعلان بھی بعینہٖ یہی رہا کہ "درست ہو جاؤ یا مٹ جاؤ"۔ امام غزالی نے (جن کو یورپ کے مورخین فلسفہ بھی (ALGAZEL) کے نام سے پہچانتے ہیں اور اب میڈم کاریلی کے ناول ARDATH کے دوسرے باب نے انگریزی علم و ادب کو بھی روشناس کر دیا ہے) صرف ان صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک موجود تھے اور جنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا اعلان کر کے ہمیشہ منصفانہ اور نیابتی گورنمنٹ کا مطالبہ کیا تھا، ان کی تعداد ۲۳ سے بھی زیادہ ہے۔

ہشام بن عبدالملک نے طاؤس یمانی کو بُلایا۔ وہ آئے مگر اس کا نام لے کر سلام کیا۔ امیر المؤمنین یعنی قوم کا سردار نہ کہا جو مسلمان خلفاء کا لقب تھا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو کہا۔ قوم تیری حکومت سے راضی نہیں، اس لئے تجھے اُن کا امیر کہنا جھوٹ ہے۔ ہشام نے کہا نصیحت کیجئے۔ فرمایا۔ خدا سے ڈر کیونکہ تیرے ظلم سے زمین بھر گئی۔

مالک بن دینار بصرہ کی جامع مسجد میں اعلان کرتے "ان ظالم بادشاہوں کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا تاکہ ان کی رکھوالی کریں۔ پر انہوں نے بکریوں کا گوشت کھا لیا، بالوں کا کپڑا بن کر پہن لیا اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں۔

سلیمان بن عبدالملک جیسے ہیبت ناک خلیفہ سے ابو حازم کہتے۔ "ان اباءك قهروا الناس و اخذوا الملك عنوة من غير مشورة من المسلمين ولا رضاهم"۔ تیرے باپ دادوں نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مقہور کیا اور بلا قوم کی رائے اور انتخاب کے مالک بن بیٹھے۔ سلیمان نے کہا، اب کیا کیا جائے۔ جواب دیا۔ جن کا حق ہے انہیں لوٹا دے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا۔ خدایا اگر سلیمان حق پر چلے تو اسے مہلت دے، لیکن اگر ظلم سے باز نہ آئے تو پھر تُو ہے اور اس کی گردن۔

سعید بن المسیب بہت بڑے تابعی تھے۔ وہ اعلانیہ بر سرِ دربار حکام کے ظلم و جور کا اعلان کرتے، اور کہتے۔ کتوں کا پیٹ بھرتے ہو مگر انسانوں کو تم سے امان نہیں۔

اس عہد کے بعد بھی مسلمانوں عالموں اور پیشواؤں کی حق گوئی کا یہی عالم رہا۔ منصور عباسی کے خوف و ہیبت سے گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کانپا کرتے تھے۔ سفیان ثوریؒ سے اُس نے کہا۔ مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اتق اللہ فقد ملاءت الارض ظلماً وجوراً۔ "خدا سے ڈر زمین ظلم و جور سے بھر گئی ہے"۔

جب مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید تخت نشین ہوا (جس نے فرانس کے شارلیمن کو ایک عجیب گھڑی بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور قیصر روم کو بقول گبن "اے کتے کے بچے" کے لقب سے خط لکھا تھا) تو اُس نے انہی سفیان ثوریؒ کو اپنے ہاتھ سے اشتیاقِ ملاقات کا خط لکھ کر بھیجا۔ خط میں لکھا تھا کہ میں نے تخت نشینی کی خوشی میں بے شمار مال و دولت لوگوں میں تقسیم کی ہے تم بھی مجھ سے آکر ملو۔ سُفیان کوفہ کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کے اندر بیٹھے تھے کہ یہ خط پہنچا لیکن اُنہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے، میں اُسے چھونا نہیں چاہتا۔ جب اُسے پڑھ کر سُنایا گیا تو اُسی کی پُشت پر جواب لکھوا دیا۔ "خدا کے مغرور بندے ہارون کو جس کا ذوقِ ایمانی سلب ہو چکا ہے، معلوم ہو۔ تُو نے قوم کا مال بلا کسی حق کے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں لُٹایا اور اس کا حال لکھ کر اپنے گناہ پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی گواہ ٹھہرایا۔ پس ہم سب کل کو اللہ کے آگے اس کی گواہی دیں گے۔ اے ہارون! تو نے انصاف و حق سے کنارہ کیا۔ تو نے پسند کیا کہ ظالم بنے اور ظالموں کی سرداری پائے۔ تیرے حاکم بندگانِ خدا کو ظلم و جور سے پامال کر رہے ہیں اور تُو تختِ شاہی پر عیش و عشرت کر رہا ہے"۔ ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بے اختیار رونے لگا اور کہا۔ یہ خط ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔

مسلمان عالموں اور اماموں پر موقوف نہیں، اس عہد کا ہر عام فرد بھی اس اعلان میں بالکل بے خوف تھا۔ منصور عباسی ایک دن کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ آواز آئی۔ کہ کوئی شخص دعا مانگ رہا ہے۔ خدایا میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں، ظلم غالب آگیا ہے اور حق اور حق داروں کے درمیان روک بن گیا ہے۔ منصور نے اس شخص کو بلا کر پوچھا۔ وہ کون ہے جس کا ظلم روک بن گیا ہے؟ کہا۔ تیرا وجود اور تیری حکومت۔

حجاج بن یوسف کا ظلم و ستم تاریخ اسلام کا نہایت مشہور واقعہ ہے لیکن اسکی بے پناہ تلوار بھی مسلمانوں کی حق گوئی پر غالب نہ آسکی۔ حطیط جب گرفتار ہو کر آیا تو پوچھا۔ اب میرے لیئے کیا کہتے ہو۔ اُس نے کہا۔ "تو خدا کی زمین پر اس کا سب سے بڑا دشمن ہے"۔ پوچھا، خلیفہ کیلئے کیا کہتے ہو۔ کہا، "اس کا جرم تجھ سے بھی زیادہ ہے، تیرا ظلم تو اس کے بے شمار ظلموں میں سے صرف ایک ظلم ہے"۔

مامون الرشید کے عہد میں ایسے مسلمان موجود تھے جو پکار پکار کر بر سرِ دربار کہتے۔

یَا ظَالِمُ اَنَا ظَالِمٌ اِنْ لَمْ اَقُلْ لَکَ یَا ظَالِمُ۔ اے ظالم، میں ظالم ہوں اگر تجھے ظالم کہہ کر نہ پکاروں۔

فتنہ تاتار اور فتنہ یورپ

یہ تو تاریخِ اسلام کے ابتدائی اوراق ہیں لیکن اس عہد کے بعد بھی ہر دور کا یہی حال رہا۔ مسلمانوں کیلئے موجودہ عہد کا عالمگیر فتنہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، وہ ایک ایسے ہی سیلاب میں ڈوب کر اُچھل چکے ہیں۔ جس طرح آج یورپ اور علی الخصوص انگلستان کے ظہور اور تسلّط سے تمام ایشیا اور اسلامی ممالک کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا ہے، ٹھیک اسی طرح پندرھویں صدی مسیحی میں بھی تاتاریوں کے وحشیانہ تسلط سے ظہور میں آیا تھا۔ یورپ کے فتنہ کا آخری نتیجہ عثمانی خلافت کی پامالی اور ایشیاء کوچک کا قتلِ عام ہے۔ تاتاری فتنہ کی آخری وحشتناکی عباسی خلافت کا خاتمہ اور بغداد کا قتلِ عام تھا۔ تاتاری انسان نہیں تھے درندے تھے، تاہم ہلاکو خاں، منکو خاں، اباقاآن خان جیسے سفاکوں کے زمانہ میں بھی وہ مسلمان موجود رہے جن کی زبانیں اعلانِ حق میں ان کی تلواروں سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ شیخ سعدی شیرازیؒ نے (جن کی گلستان کا نام اس کورٹ نے بھی سُنا ہوگا) ہلاکو خاں کے منہ پر اُسے ظالم کہا۔ شمس الدین تیاریؒ نے منکو خاں کے دربار میں اس کی ہلاکت کی دعا مانگی۔ شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ نے اباقاآن پر بر سرِ دربار لعنت بھیجی۔ تاتاریوں کے بے دریغ قتل کر دینے کا قانون تھا، تاہم تورہ چنگیز خانی (قوانین چنگیز خاں) میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہ تھی۔

حجاج اور ریڈنگ

ہم مسلمانوں کا جب اپنی قومی گورنمنٹوں کے ساتھ (جن کی اطاعت از روئے شرع ہم پر واجب ہے) ایسا سلوک رہا ہے تو پھر ایک اجنبی گورنمنٹ کے کارندے ہم سے کیا اُمید رکھتے ہیں۔ کیا ہندوستان کی از روئے قانون قائم شدہ گورنمنٹ ہمارے لئے اس گورنمنٹ سے بھی زیادہ محترم ہے جو از روئے شریعتِ اسلام واجب الاطاعت ہے۔ کیا انگلستان کی بادشاہت اور لارڈ ریڈنگ کی نیابت، عبدالملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی نیابت سے بھی ہمارے لئے زیادہ مقتدر ہو سکتی ہے؟ اگر ہم اجنبی و غیر مسلم اور قومی و مسلم کا عظیم الشان اور شرعی فرق بالکل نظر انداز کر دیں، جب بھی ہم سے صرف یہی امید کی جا سکتی ہے کہ جو کچھ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کی گورنمنٹوں کے لئے کہہ چکے ہیں، وہی چمسفورڈ اور ریڈنگ کی گورنمنٹوں کے لئے بھی کہیں۔ ہم نے اُن سے کہا تھا۔ اتق اللہ فقد ملأت الارض ظلماً وجوراً۔ خدا سے ڈرو، کیونکہ تمہارے ظلم سے زمین بھر گئی ہے۔ یہی ہم آج بھی کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے آج ہندوستان میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ دراصل قومی حکمرانوں کے ظلم و جور کے لئے ہمیں بتلایا گیا تھا، نہ کہ ایک اجنبی قبضہ و تصرف کے مقابلہ میں اگر برٹش گورنمنٹ کے ارکان اس حقیقت کو سمجھتے تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ مسلمانوں کے تسامح اور درگذر کی حد ہو گئی ہے اس سے زیادہ وہ اسلام کو برطانیہ کے لئے نہیں چھوڑ سکتے۔

اسلام نے حکمرانوں کے ظلم کے مقابلہ میں دو طرح کے طرزِ عمل کا حکم دیا ہے کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں۔ ایک ظلم اجنبی قبضہ و تسلط کا ہے، ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے۔ پہلے کے لئے اسلام کا حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔ دوسرے کے لئے حکم ہے کہ تلوار سے تو مقابلہ نہ کیا جائے لیکن امر بالمعروف اور اعلانِ حق جس قدر بھی امکان میں ہو ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا۔ دوسری صورت میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں جھیلنی پڑیں گی۔ مسلمانوں کو

دونوں میں دونوں طرح کی قربانیاں کرنی چاہئیں اور دونوں کا نتیجہ کامیابی و فتح مندی ہے چنانچہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دو طرح کی قربانیاں کیں۔ اجنبیوں کے مقابلے میں سر فروشی بھی کی اور اپنوں کے مقابلے میں صبر و استقامت بھی دکھلائی۔ پہلی صورتوں میں جس طرح ان کی جنگی جد و جہد کوئی مثال نہیں رکھتی، اسی طرح دوسری صورت میں اُنکی شہری جد و جہد بھی عدیم النظیر ہے۔

ہندوستان میں آج مسلمانوں نے دوسری صورت اختیار کی ہے حالانکہ مقابلہ اُن کا پہلی حالت سے ہے۔ ان کے لئے جنگی جد و جہد کا وقت آگیا تھا لیکن انہوں نے شہری جد و جہد کو اختیار کیا۔ انہوں نے نان وائلینس رہنے کا فیصلہ کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہتھیار سے مقابلہ نہ کریں گے یعنی صرف وہی کریں گے جو اُنہیں مسلمان حکومتوں کے ظلم کے مقابلہ میں کرنا چاہیے بلاشبہہ اس طرزِ عمل میں ہندوستان کی ایک خاص طرح کی حالت کو بھی دخل ہے۔ لیکن گورنمنٹ کو سوچنا چاہیئے کہ اس سے زیادہ بدبخت مسلمان اور کیا کر سکتے ہیں۔ حد ہو گئی کہ اجنبیوں کے ظلم کے مقابلہ میں وہ بات کر رہے ہیں جو انہیں اپنوں کے مقابلہ میں کرنی تھی۔

انقلابِ حال

میں سچ کہتا ہوں مجھے اس کی رائی برابر بھی شکایت نہیں کہ سزا دلانے کے لئے مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ یہ بات تو بہر حال ہونی ہی تھی لیکن حالات کا یہ انقلاب میرے لئے بڑا ہی درد انگیز ہے کہ ایک مسلمان سے کتمانِ شہادت کی توقع کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ ظلم کو صرف اس لئے ظلم نہ کہے کہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلایا جائے گا۔

مسلمانوں کو حق گوئی کا جو نمونہ ان کی قومی تاریخ دکھلاتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک جابر حکمران کے سامنے ایک بے پروا انسان کھڑا ہے، اس پر الزام یہی ہے کہ اُس نے حکمران کے ظلم کا اعلان کیا۔ اس کی پاداش میں اس کا ایک عضو کاٹا جا رہا ہے، لیکن جب تک زبان نہیں کٹ جاتی، وہ یہی اعلان کرتی رہتی ہے کہ حکمران ظالم ہے۔ یہ واقعہ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ کا ہے جس کی حکومت افریقہ سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ تم دفعہ ۱۲۴۔ الف کو اس سزا کے ساتھ تول سکتے ہو۔

میں اس درد انگیز اور جانکاہ حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ اس انقلاب حالت کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں۔ انہوں نے اسلامی زندگی کے تمام خصائص کھو دیئے اور ان کی جگہ غلامانہ زندگی کے تمام رذائل قبول کر لئے۔ ان کی موجودہ حالت سے بڑھ کر دنیا میں اسلام کے لئے کوئی فتنہ نہیں۔ جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو میرا دل شرمندگی کے غم سے پارہ پارہ ہو رہا ہے کہ اسی ہندوستان میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے علانیہ ظلم کی پرستش کر رہے ہیں۔

آزادی یا موت

لیکن انسانوں کی بدعملی سے کسی تعلیم کی حقیقت نہیں جھٹلائی جا سکتی۔ اسلام کی تعلیم اس کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتی کہ آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیئے یا آزاد رہنا چاہیئے تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔

اسی لئے میں نے آج سے بارہ سال پہلے الہلال کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جان فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے۔ ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گئیں مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مسئلہ خلافت و پنجاب

میں یہاں گورنمنٹ کی ناانصافیوں کا افسانہ نہیں چھیڑوں گا جو مسئلہ خلافت اور مظالم پنجاب کا عالمگیر افسانہ ہیں۔ لیکن میں اقرار کروں گا کہ گذشتہ دو سال کے اندر کوئی صبح و شام مجھ پر ایسی نہیں گذری ہے جس میں مَیں نے خلافت اور پنجاب کے لئے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان نہ کیا ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے، جو گورنمنٹ اسلامی خلافت کو پامال کر رہی ہو اور مظالم پنجاب کے لئے کوئی تلافی اور شرمندگی نہ رکھتی ہو، ایسی گورنمنٹ کے لئے کسی ہندوستانی کے دل میں وفاداری نہیں ہو سکتی، گورنمنٹ کی جگہ وہ ایک فریق محارب کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے ۱۳ ردسمبر ۱۹۱۸ء کو (جب مَیں رانچی میں گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے نظر بند تھا) لارڈ چمسفورڈ کو ایک مفصل چٹھی لکھی تھی، اس میں واضح کر دیا تھا کہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں - میں نے لکھا تھا کہ برٹش گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ممالک پر خلافِ وعدہ متصرف ہو گئی تو اسلامی قانون کی رُو سے ہندوستانی مسلمان ایک انتہائی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے - ان کے لئے صرف دو ہی راہیں رہ جائینگی یا اسلام کا ساتھ دیں یا برٹش گورنمنٹ کا - وہ مجبور ہوں گے کہ اسلام کا ساتھ دیں -

بالآخر وہی ہوا - گورنمنٹ صریح وعدہ خلافی سے باز نہ رہی - اس وعدہ کا بھی ایفاء ضروری نہ سمجھا گیا جو گورنمنٹ آف انڈیا نے ۲ر نومبر ۱۹۱۴ء کے اعلان میں کیا تھا، اور وہ وعدہ بھی فریب وقت ثابت ہوا جو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے ۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنز کی تقریر میں کیا تھا - شریف آدمیوں کے لئے وعدہ خلافی عیب ہے لیکن طاقتور حکومتوں کے لئے کوئی بات بھی عیب نہیں ہے -

اس حالت نے مسلمانوں کے لئے آخری درجہ کی کشمکش پیدا کر دی - اسلامی قانون کی رُو سے کم از کم بات جو اُن کے فرائض میں داخل تھی، یہ تھی کہ ایسی گورنمنٹ کی اعانت اور کوآپریشن سے ہاتھ کھینچ لیں - چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا - وہ اس وقت تک اس پر قائم رہیں گے جبتک اُنہیں اپنا مذہب اور مذہب کے اٹل احکام عزیز ہیں -

مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر وہ حق و انصاف چاہتے ہیں تو اُس کی راہ صرف ایک ہی ہے - سوراج کا حصول، یعنی ایسی قومی گورنمنٹ کا حصول جو ہندوستانیوں کی ہو، ہندوستان میں ہو، ہندوستان کے لئے ہو -

اگر ظلم نہیں تو کیا عدل ہے؟

غرض کہ اس بارے میں میرا اقرار بالکل صاف اور واضح ہے - موجودہ گورنمنٹ محض ایک ناجائز بیورو کریسی ہے - وہ کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہش کے لئے محض نفی ہے، وہ ہمیشہ انصاف اور سچائی پر پرسٹیج (PRESTIGE) کو ترجیح دیتی ہے - وہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا وحشیانہ قتلِ عام جائز رکھتی ہے - وہ انسانوں کے لئے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چار پاؤں

کی طرح پیٹ کے بل چلائیں جائیں - وہ بے گناہ ترکوں کو صرف اس لئے تازیانے کی ضرب سے بے ہوش ہو جانے دیتی ہے کہ کیوں ایک بُت کی طرح یونین جیک کو سلام نہیں کرتے - وہ بیس کروڑ انسانوں کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں آتی - وہ اپنے تمام وعدوں کے توڑ دینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی - وہ سمرنا اور تھریس کو صریح نامنصفانہ طور پر یونانیوں کے حوالہ کر دیتی ہے اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل و غارت کا تماشا دیکھتی ہے -

انصاف کی پامالی میں اس کی جرأت انتھک اور دلیری بالکل بیباک ہے اور حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے اس کے منہ میں کوئی لگام نہیں - سمرنا میں ۸۰ فیصد مسلمانوں کی آبادی ہے، مگر وزیر اعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے - یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو خون اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے لیکن وہ الٹے طرح ترکی مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا رہتا ہے اور خود انگلستان کے بھیجے ہوئے امریکن کمیشن کی رپورٹ پوشیدہ کر دی جاتی ہے -

پھر نہ تو ان تمام مظالم و جرائم کے لئے اس کے پاس اعتراف ہے نہ تلافی، بلکہ ملک کی جائز اور باامن جد و جہد کو پامال کرنے کے لئے ہر طرح کا جبر و تشدد شروع کر دیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو گذشتہ ایک سال کے اندر ہو چکا ہے اور ۱۸ر نومبر سے اس وقت تک ملک کے ہر حصہ میں ہو رہا ہے - میں اگر ایسی گورنمنٹ کو ظالم، اور یا درست ہو جاؤ یا مِٹ جاؤ، نہ کہوں، تو کیا عادل، اور نہ تو درست ہو اور نہ مِٹو، کہوں؟

کیا صرف اس لئے کہ ظلم طاقت ور ہے اور اس کے پاس جیل ہے، اس کا حقدار ہو جاتا ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے - میں اٹلی کے نیک اور حریت پسند جوزف میزینی کی زبان میں کہوں گا - ہم صرف اس لئے کہ تمہارے ساتھ عارضی طاقت ہے، تمہاری برائیوں سے انکار نہیں کر سکتے -

جرم کا قدیم اور ناقابلِ شمار ارتکاب

میں نہایت متعجب ہوں کہ میرے خلاف صرف یہی دو ناتمام اور ناکافی تقریریں کیوں

پیش کی گئی ہیں۔ کیا ان ہزاروں صفحات سے جو میرے قلم سے لکھے جا چکے ہیں، اور ان بے شمار تقریروں سے جن کی صدائیں ہندوستان کے ایک ایک گوشہ میں گونج چکی ہیں، صرف یہی سرمایہ گورنمنٹ بہم پہنچا سکی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری کوئی تقریر گذشتہ دو سال کے اندر ایسی نہیں ہوئی ہے جسمیں یہ تمام باتیں میں نے نہ بیان کی ہوں۔

میں متصل بارہ سال سے اپنی قوم و ملک کو آزادی اور حق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں۔ میری ۱۸ برس کی عمر تھی جب میں نے اس راہ میں تقریر و تحریر شروع کی۔ میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب صرف اسی مقصد کے عشق میں قربان کر دیا۔ میں اسی کی خاطر چار سال تک نظر بند رہا مگر میری نظر بندی میں ہر صبح و شام اسی کی تعلیم و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ رانچی کے درودیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں جہاں میں نے نظر بندی کا زمانہ بسر کیا ہے۔ یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے، میں صرف اسی ایک کام کے لئے جی سکتا ہوں۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

آخری اسلامی تحریک

میں اس جرم سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں، جبکہ میں ہندوستان کی اس آخری اسلامی تحریک کا داعی ہوں جس نے مسلمانانِ ہند کے پولٹیکل مسلک میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دیا اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آرہے ہیں یعنی ان میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اردو جرنل الہلال جاری کیا جو اس تحریک کا آرگن تھا اور جس کی اشاعت کا تمام تر مقصد وہی تھا جو اُوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔ پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی پولٹیکل سرگرمیوں سے نہ صرف الگ تھے، بلکہ اس کی مخالفت میں بیورو کریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح کام دیتے تھے۔ گورنمنٹ کی تفرقہ انداز پالیسی نے انہیں اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ملک میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہندوستان اگر آزاد ہو گیا تو ہندو گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ مگر الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پہ اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اسی

سے وہ تبدیلیاں رُونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریکِ خلافت و سوراج ہے۔ بیورو کریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی، پھر جب البلاغ کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظربند کر دیا۔

میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال تمام تر آزادی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اُس نے جس مسلک بحث و نظر کی بُنیاد ڈالی، اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج گاندھی جی مذہبی زندگی کی جو رُوح پیدا کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی نئی اور طاقت ور سرگرمی اسی وقت شروع ہوئی جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پالیا۔

خلافت کانفرنس کلکتہ

چار سال کے بعد پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو میں رِہا کیا گیا۔ اسوقت سے گرفتاری کے لمحہ تک میرا تمام وقت انہی مقاصد کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوا۔ ۲۸-۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو اسی کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا اور مسلمانوں نے مایوس ہو کر اپنا آخری اعلان کر دیا تھا۔

"اگر برٹش گورنمنٹ نے مطالباتِ خلافت کی اب بھی سماعت نہ کی تو مسلمان اپنے شرعی احکام کی رو سے مجبور ہو جائیں گے کہ تمام وفادارانہ تعلقات منقطع کر لیں"۔

میں اس کانفرنس کا پریذیڈنٹ تھا۔

میں نے اس کے طولانی پریذیڈنشل ایڈریس میں وہ تمام امور بہ تفصیل بیان کر دیئے تھے جو اس قدر ناقص شکل میں ان دو تقریروں کے اندر دکھلائے گئے ہیں۔

موالات اور فوجی ملازمت

میں نے اسی ایڈریس میں اس اسلامی حکم کی بھی تشریح کر دی تھی جس کی بنا پر مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ سے ترکِ موالات کریں یعنی کواپریشن اور اعانت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یہی ترکِ موالات ہے جو آگے چل کر نان کواپریشن کی شکل میں نمودار ہوا اور

گاندھی جی نے اس کی سربراہی کی۔

اسی کانفرنس میں فوج کے متعلق وہ ریزولیوشن منظور ہوا تھا جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لئے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی تھی کیونکہ گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ کراچی کا مقدمہ اسی ریزولیوشن کی بنا پر چلایا گیا۔ میں بار بار اخبارات اور تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ ریزولیوشن سب سے پہلے میں نے ہی تیار کیا تھا اور میری ہی صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا۔ سب سے پہلے کلکتہ میں پھر بریلی اور لاہور میں۔ پس اس جرم کی تعزیر کا بھی پہلا حقدار میں ہی ہوں۔

میں نے اس ایڈریس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں بھی مرتب کیا جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے اور گویا میرے جرائم کا ایک تحریری ریکارڈ ہے۔

میری زندگی سرتاسر ۱۲۴ ہے

میں نے گزشتہ دو سال کے اندر تنہا اور گاندھی جی کے ساتھ تمام ہندوستان کا بار بار دورہ کیا۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں میں نے خلافت، پنجاب، سوراج اور نان کوآپریشن پر بار بار تقریریں نہ کی ہوں اور وہ تمام باتیں نہ کہی ہوں جو میری ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا اپریل ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کا بریلی میں جلسہ ہوا۔ گزشتہ اکتوبر میں یو۔ پی پراونشل خلافت کانفرنس آگرہ میں منعقد ہوئی۔ نومبر میں آل انڈیا علماء کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ ان تمام کانفرنسوں کا بھی میں ہی صدر تھا، لیکن ان میں بھی تمام مقررین نے جو کچھ کہا اور صدارتی تقریروں میں میں نے جو خیالات ظاہر کئے، ان سب میں وہ تمام باتیں موجود تھیں جو ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔ بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان سے بہت زیادہ قطعی و واضح خیالات ظاہر کئے گئے تھے۔

اگر میری ان دو تقریروں کے مطالب دفعہ ۱۲۴۔ الف کا جرم ہیں تو میں نہیں سمجھتا، کہ صرف پہلی اور پندرھویں جولائی ہی کا ارتکاب کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ میں تو اس کثرت کے ساتھ اس کا ارتکاب کر چکا ہوں کہ فی الواقع اس کا شمار میرے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔

مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نے گزشتہ سالوں کے اندر بجز ۱۲۴-الف کے اور کوئی کام ہی نہیں کیا۔

نان وائیلنس، نان کوآپریشن[1]

ہم نے آزادی اور حق طلبی کی اس جنگ میں نان وائیلنس نان کوآپریشن کی راہ اختیار کی ہے۔ ہمارے مقابلے میں طاقت اپنے تمام جبر و تشدد اور خونریز وسائل کے ساتھ کھڑی ہے، لیکن ہمارا اعتماد صرف خدا پر ہے اور اپنی غیر مختتم قربانی اور غیر متزلزل استقامت پر۔ گاندھی جی کی طرح میرا اعتقاد نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی ہتھیار کا مقابلہ ہتھیار سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام نے جن حالتوں میں اس کی اجازت دی ہے، میں اُسے فطرتِ الٰہی اور عدل و اخلاق کے مطابق یقین کرتا ہوں، لیکن ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی اور موجودہ جدوجہد کے لئے گاندھی جی کے تمام دلائل سے متفق ہوں اور ان دلائل کی سچائی پر پورا اعتماد رکھتا ہوں میرا یقین ہے کہ ہندوستان نان وائیلنس جدوجہد کے ذریعہ فتحمند ہوگا اور اس کی فتحمندی اخلاقی و ایمانی طاقت کی فتحمندی کی ایک یادگار مثال ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ لوگوں کو باامن جدوجہد کی تلقین کی اور اس کو کامیابی کی سب سے پہلی شرط قرار دیا۔ خود یہ تقریریں بھی اسی موضوع پر تھیں جیسا کہ پیش کردہ نقول سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ میں ان چند مسلمانوں میں سے ہوں جو بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انہوں نے نہایت مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کو باامن جدوجہد پر قائم نہ رکھا ہوتا تو نہیں معلوم مسئلہ خلافت کی وجہ سے ان کا صبر آزما اضطراب کیسی خوفناک شکل اختیار کر لیتا۔ کم از کم ہندوستان کے ہر حصہ میں ایک مالابار کا منظر تو ضرور نظر آجاتا۔

سی آئی ڈی کے رپورٹرز

اب جب کہ میں ان دو تقریروں کے ان تمام حصوں کا اقرار کرچکا ہوں، جن سے پراسیکیوشن استدلال کر سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اگر چند الفاظ ان کی پیش کردہ صورت کی نسبت بھی کہہ دوں۔

سی آئی ڈی کے گواہوں نے بیان کیا ہے کہ میری تقریروں کے نوٹس بھی لئے گئے اور

---

[1] NON VIOLENCE , NON CO-OPERATION

مختصر نویس کے ذریعہ قلمبند بھی کی گئیں۔ جو کاپی داخل کی گئی ہے (اگزوبیٹ اسے اور سی) وہ مختصر نویس کی مرتب کی ہوئی ہے لیکن یہ میری تقریروں کی ایک ایسی مسخ شدہ صورت ہے کہ اگر چند ناموں اور واقعات کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو میرے لئے شناخت کرنا ہی بہت مشکل تھا۔ وہ بلاشبہ ایک چیز ہے جو دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے۔ محض بے جوڑ بے تعلق اور اکثر مقامات پر بے معنی جملے ہیں جو بغیر کسی ربط اور سلسلہ کے صفحوں پر بکھیر دیئے ہیں۔ گرامر اور محاورہ دونوں سے انہیں یک قلم انکار ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹر تقریر سمجھنے اور قلمبند کرنے سے عاجز تھا، اس لئے درمیان سے جملوں کے جملے چھوڑتا جاتا ہے اور تمام حروفِ ربط و تعلیل تو بالکل ہی حذف کر دیئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام وہ الفاظ جن کی آواز یا اسپلنگ (املا) میں ذرا سا بھی تشابہ ہے بالکل ہی بدل گئے ہیں اور عبارت یا تو بے معنی ہو گئی ہے یا محرف۔

مثلاً میں نے یکم جولائی کی تقریر میں مشہور فرنچ شاعر اور ادیب وکٹر ہیوگو کا قول نقل کیا تھا۔

"آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک ظلم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔"

مختصر نویس نے ظلم کی جگہ دھرم لکھ دیا ہے جو صریح غلط اور بے موقعہ ہے البتہ اسکی آواز ظلم سے مشابہ ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر ہے۔

"انہوں نے جیل خانہ کی مصیبت کو برباد کیا ہے"

حالانکہ مصیبت برباد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ غالباً میں نے "برداشت کیا ہے" کہا ہوگا، یعنی انہوں نے جیل کی مصیبت جھیل لی ہے۔ چونکہ دونوں لفظوں کی آواز ملتی جلتی ہے اور مختصر نویس خود فہم و امتیاز سے محروم ہے اسلئے برداشت کی جگہ برباد لکھ گیا۔

اردو مختصر نویسی

اصل یہ ہے کہ اردو مختصر نویسی کا قاعدہ اور مختصر نویس کی ناقابلیت دونوں ان نقائص کے لئے ذمہ دار ہیں۔

اردو مختصر نویسی کا قاعدہ ۱۹۰۵ء میں کرسچین کالج لکھنؤ کے دو پروفیسروں نے ایجاد کیا

جن میں سے ایک کا نام مرزا محمد ہادی بی۔اے ہے۔ میں اس وقت لکھنؤ ہی میں تھا۔ اس لئے مجھے ذاتی طور پر اس کے دیکھنے اور موجدوں سے گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کے موجدوں نے انگریزی علامات کو بہت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ منتقل کر لیا ہے لیکن وہ اردو حروف و املا کو پوری طرح محفوظ کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خود انہیں بھی اس نقص کا ایک حد تک اعتراف تھا لیکن وہ خیال کرتے تھے کہ مختصر نویس کی ذاتی قابلیت اور حافظہ و مناسبت سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ تجربہ سے ان کا خیال درست نہ نکلا۔

صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے ابتدائی تجربے کے لئے دو پولیس سب انسپکٹروں کو تعلیم دلائی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے آزمائشی طور پر جن پبلک تقریروں کو قلمبند کیا، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ میری اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تقریریں تھیں۔ ہم دونوں نے انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسہ میں لیکچر دیئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، کہ مولانا شبلیؒ نے فی منٹ ساٹھ لفظوں کی رفتار سے تقریر کی تھی اور میری تقریر فی منٹ ۸۰ سے ۹۰ تک تھی۔ جیسا کہ خود مختصر نویس نے ظاہر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی رفتار نہ تھی۔ تاہم جب انہوں نے اپنا کام مرتب کر کے دکھلایا تو بالکل ناقص اور غلط تھا۔ اس کے بعد بھی مجھے بارہا اپنی تقریروں کے قلمبند کرانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ نکلا۔ ابھی حال کی بات ہے کہ خلافت کانفرنس آگرہ میں میرا زبانی پریزیڈنشل ایڈریس ایک مشاق مختصر نویس سید غلام حسنین نے قلمبند کیا، جو عرصہ تک یو۔پی کے محکمہ سی آئی ڈی میں کام کرنے کے بعد مستعفی ہوا ہے۔ لیکن جب لانگ ہینڈ میں مرتب کر کے مجھے دکھلایا گیا، تو اس کا کوئی حصہ صحیح اور مکمل نہ تھا۔

یہ تو اصل قاعدہ کا نقص ہے لیکن جب اس مختصر نویس کی ناقابلیت کا بھی اضافہ ہو جائے تو پھر کوئی خرابی ایسی نہیں ہے جس سے انسانی تقریر مسخ نہ کی جا سکے۔ کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت نے اس نقص کو اور زیادہ پُر مصیبت بنا دیا ہے۔ یہاں کے دیسی اور یوروپین افسر

خود اُردو زبان سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ معمولی طور پر بول بھی نہیں سکتے۔ ان کے نزدیک ہر وہ آدمی جو انگریزی زبان سے کسی مختلف لہجہ میں آواز نکالے، اردو کا سکالر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اور عدالت ان رپورٹروں اور مختصر نویسوں کو بطور سند کے استعمال کر رہی ہے جن بے چاروں کی استعداد پر ہمیشہ ہم لوگ تمسخر کیا کرتے ہیں۔

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کلکتہ کی پولیس اور عدالتوں میں ایک شخص بھی اُردو زبان کے لئے قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ اگر یہاں اس حقیقت کا کچھ بھی احساس ہوتا، تو صرف یہی بات ایک عجیب واقعہ خیال کی جاتی کہ میری تقریروں کے لئے پولیس اور سی آئی ڈی کے غریب رپورٹروں کی شہادت لی جا رہی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کم از کم یہ منظر ضرور میرے لئے تکلیف دہ ہے۔

مشرقی لٹریچر اور سرکاری وسائل علم

یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں اپنے ڈیفنس کی غرض سے ان شہادتوں کی بے اعتمادی ثابت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو پورا پورا اقرار کر چکا۔ مقصود صرف دو باتوں کا اظہار ہے۔

اوّلاً جو سرکاری مقدمات اردو تقریر و تحریر کی بنا پر چلائے جاتے ہیں، ان کے وسائل ثبوت کس درجہ ناکارہ اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔

ثانیاً ہندوستان کی بیوروکریسی کی ناکامیابی اور ناموافقت کہ وہ ڈیڑھ سو برس تک حکومت کرنے پر بھی اس قابل نہیں ہوئی کہ ہندوستانی زبانوں کے متعلق صحیح اور مستند معلومات حاصل کر سکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نظر بند کیا گیا، اور بہار گورنمنٹ کے حکام اور پولیس افسر (جن کو اردو زبان سے بمقابلہ بنگال زیادہ تعلق ہے) تلاشی کے لئے آئے تو انہوں نے میری تمام کتابوں کو بھی ایک خوفناک لٹریچر سمجھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ قبضہ میں کر لیا۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تھیں اور تاریخ، فقہ، فلسفہ کا معمولی مطبوعہ ذخیرہ تھا جو بازاروں میں فروخت ہوتا رہتا ہے۔ صرف ایک کتاب مطالب عالیہ نامی قلمی تھی جو سب سے زیادہ پُر اسرار سمجھی گئی۔ لُطف یہ ہے کہ ان کی فہرست ڈپٹی کمشنر کی درخواست سے مجھے ہی مرتب کرنی پڑی کیونکہ تفتیش

جرائم کے اس پورے کمیشن میں ایک شخص بھی اس قابل نہ تھا کہ کتابوں کے ٹائیٹل پیج کو صحت کے ساتھ پڑھ لیتا۔

میں نے نظر بندی کے زمانہ میں چار سال تک اپنی ڈاک کے لئے خود ہی سنسر شپ کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں کیونکہ جو سرکاری افسر اس غرض کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ اس قدر قابل آدمی تھا کہ اردو کے معمولی لکھے ہوئے خطوط بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ اکثر میری ڈاک صرف دستخط کرکے بھیج دیتا اور شب کو آکر مجھ سے اس کا ترجمہ لکھوا لیتا۔

جب کہ نظر بندی میں میں اپنی ڈاک کی خود ہی نگرانی کر رہا تھا تو شملہ اور دہلی کے حکام اپنی کار فرمائی پر نہایت نازاں تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے ایک دشمن کو بالکل مجبور اور معطل کر دیا ہے۔

اس وقت بھی میرے قلمی مسوّدات کلکتہ پولیس کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خوفناک مجرم تاریخ، تفسیر قرآن اور لٹریچر ہے۔

میں یہاں عربی داں اشخاص کی دلچسپی کے لئے ان کتابوں کے چند نام درج کر دیتا ہوں جنھیں نہایت خوفناک سمجھ کر پولیس نے شملہ بھیجا تھا اور عرصہ تک سر چارلس کلیولینڈ کے حکم سے میری نظر بندی کے دیگر معاملات کی طرح ان کی بھی تحقیقات ہوتی رہی۔

فتح القدیر، شرح ہدایہ، طبقات الشافعیہ سبکی۔ ازالۃ الخفا، کتاب الام، مدونہ امام مالک، مطالب عالیہ امام رازی، شرح حکمت الاشراق، شرح مسلم الثبوت، بحر العلوم، کتاب المستصفی، کتاب اللمع۔

اصل یہ ہے کہ کسی مجرم کے لئے جو لٹریچر سے تعلق رکھتا ہو، کوئی ایسی عدالت منصفانہ کارروائی نہیں کر سکتی جو ذاتی طور پر رائے قائم نہ کر سکے، یعنی خود اس سے واقف نہ ہو۔ لیکن موجودہ بیورو کریسی علاوہ بیورو کریسی ہونے کے غیر ملکی بھی ہے اسلئے ہر گوشہ میں اجنبی اقتدار کی غلامی کے نتائج کام کر رہے ہیں۔ عدالتیں ہندوستان کی ہیں اور ہندوستانیوں کے لئے ہیں لیکن ان کی زبان جزیرہ برطانیہ کی ہے اور اکثر حالتوں میں ایسے افراد سے مرکب ہیں جو ملکی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے۔

یہی وجہ ہے کہ اب ہم اس گورنمنٹ سے اور کچھ نہیں چاہتے۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جسقدر بھی جلد ممکن ہو وہ اپنے سے بہتر اور حقدار کیلئے اپنی جگہ خالی کر دے۔

موجودہ حالت قدرتی ہے

میں جیسا کہ ابتدار میں لکھ ہوں، خاتمۂ سخن میں بھی دہراؤں گا۔ آج گورنمنٹ جو کچھ ہمارے ساتھ کر رہی ہے وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے جس کے لئے خاص طور پر اُسے ملامت کی جائے۔ قومی بیداری کے مقابلہ میں مقاومت اور جبر و تشدد تمام قابض حکومتوں کے لئے طبیعتِ ثانیہ (سیکنڈ نیچر) کا حکم رکھتا ہے اور ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے، کہ ہماری خاطر انسانی طبیعت بدل دی جائے گی۔

یہ قدرتی کمزوری افراد اور جماعت دونوں میں یکساں طور پر نمود رکھتی ہے۔ دنیا میں کتنے آدمی ہیں، جو اپنے قبضہ میں آئی ہوئی چیز صرف اس لئے لوٹا دیں گے کہ وہ اس کے حق دار نہیں؟ پھر ایک پورے براعظم کے لئے ایسی اُمید کیونکر کی جاسکتی ہے! طاقت کبھی کسی بات کو صرف اس لئے نہیں مان لیتی کہ وہ معقول اور مدلل ہے۔ وہ تو خود بھی طاقت کی نمود کا انتظار کرتی ہے اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو پھر ناواجب سے ناواجب مطالبہ کے آگے بھی جھک جاتی ہے۔ پس کشمکش اور انتظار ناگزیر ہے اور ایک ایسی قدرتی بات ہے، جس کو بالکل دنیا کے معمولی اور روزمرہ کاموں کی طرح بلاکسی تعجب و شکایت کے انجام پانا چاہیئے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ نے اس بارے میں انسانی ظلم و تعدی کے جو ہیبتناک مناظر دکھلائے ہیں، ان کے مقابلہ میں موجودہ جبر و تشدد کسی طرح بھی زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کمی اس لئے ہے کہ ابھی ملک کا جذبۂ قربانی ناتمام ہے یا اسلئے ہے کہ ظلم زیادہ مکمل نہیں۔ مستقبل اس کو واضح کر دے گا۔

جس طرح اس کشمکش کا آغاز ہمیشہ یکساں طور پر ہوا ہے اسی طرح خاتمہ بھی ایک ہی طرح ہوا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہمارا جذبۂ آزادی و حق طلبی، سچا اور اٹل ثابت ہوا، تو یہی گورنمنٹ جو آج ہمیں مجرم ٹھہرا رہی ہے، کل کو فتح مند محبِ وطن کی طرح ہمارے

استقبال پر مجبور ہوگی۔

بغاوت مجھ پر سڈیشن (SEDITION) کا الزام عائد کیا گیا ہے، لیکن مجھے بغاوت کے معنی سمجھ لینے دو۔ کیا بغاوت آزادی کی اس جد و جہد کو کہتے ہیں، جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اسی کا نام قابلِ احترام حُبّ الوطنی بھی ہے، جب وہ کامیاب ہو جائے۔ کل تک آئرلینڈ کے مسلّح لیڈر باغی تھے۔ آج ڈی ویلیرا اور گریفتھ کے لئے برطانیۂ عظمیٰ کونسا لقب تجویز کرتی ہے۔

اسی آئرلینڈ کے پارنل (PARNEL) نے ایک مرتبہ کہا تھا "ہمارا کام ہمیشہ ابتدا میں بغاوت اور آخر میں حبّ الوطنی کی مقدس جنگ تسلیم کیا گیا ہے"۔

قانونِ قضاء بالحق میں مسلمان ہوں اور میرے یقین کے لئے وہ بس کرتا ہے، جو میری کتابِ شریعت نے بتلایا ہے۔ قرآن کہتا ہے، جس طرح مادہ اور اجسام میں انتخابِ طبعی اور بقاء اصلح کا قانون جاری ہے اور فطرۃ صرف اسی وجود کو باقی رہنے دیتی ہے جو صحیح و اصلح ہو۔ ٹھیک اسی طرح تمام عقائد و اعمال میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے۔ آخری فتح اسی عمل کی ہوتی ہے جو حق اور سچ ہو۔ پس جب کبھی انصاف اور نا انصافی میں مقابلہ ہوگا تو آخر کی جیت انصاف ہی کے حصہ میں آئے گی۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ط کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ ط (سورہ الرعد۔ رکوع ۸۔ آیۃ ۱۷) زمین پر وہی چیز باقی رہے گی جو نافع ہو، غیر نافع چھانٹ دی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام حق ہے جس کے معنی ہی جم جانے اور ثابت ہو جانے کے ہیں، اور جھوٹ اور بدی کا نام باطل ہے جس کے معنی ہی مٹ جانے کے ہیں۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (سورہ بنی اسرائیل۔ آیۃ ۸۱) باطل تو صرف اسی لئے ہے کہ مٹ جائے۔

پس آج جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا فیصلہ کل ہوگا۔ انصاف باقی رہے گا، نا انصافی

مٹادی جائے گی ۔ ہم مستقبل کے فیصلہ پر ایمان رکھتے ہیں ۔

البتہ یہ قدرتی بات ہے کہ بدلیوں کو دیکھ کر بارش کا انتظار کیا جائے ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسم نے تبدیلی کی تمام نشانیاں قبول کر لی ہیں ۔ افسوس اُن آنکھوں پر ہے جو نشانیوں سے انکار کریں ۔

میں نے انہی تقریروں میں جو میرے خلاف داخل کی گئی ہیں ، کہا تھا ۔ آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا ، جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو ۔ لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کر دی ہے ۔

میں نے انہی میں کہا تھا ۔ مبلغینِ خلافت کی گرفتاریوں پر کیوں مغموم ہو ۔ اگر تم فی الحقیقت انصاف اور آزادی کے طلب گار ہو تو جیل جانے کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ علی پور کا جیل اس طرح بھر جائے کہ اس کی کوٹھڑیوں میں چوروں کے لئے جگہ باقی نہ رہے ۔

فی الحقیقت جگہ باقی نہیں رہی ہے ۔ پریزیڈنسی اور سنٹرل جیل کا بڑا حصہ معمولی قیدیوں سے خالی کر دیا گیا ۔ پھر بھی جگہ کافی نہ ہوئی ۔ نیا جیل بنایا گیا ، وہ بھی آناً فاناً بھر گیا ۔ جگہ نکالنے کے لئے سینکڑوں قیدی رہا کر دیئے گئے ، لیکن اُن سے دُگنے نئے آ گئے ۔ اب مزید نئے جیل بنائے جا رہے ہیں ۔

سرکاری وکیل، پولیس اور مجسٹریٹ

قبل اس کے کہ میں اپنا بیان ختم کر دوں ، اپنے اُن ہم وطن بھائیوں کی نسبت بھی ایک دو جُملے کہوں گا جو اس مقدمہ میں میرے خلاف کر رہے ہیں ۔ میں نے اُوپر کہیں کہا ہے ، کہ سی آئی ڈی کا کام جہالت اور شرارت دونوں سے مرکب ہوتا ہے ۔ یہ میں نے اس ذاتی علم کی بنا پر کہا جو بیشمار مقدمات کی نسبت مجھے حاصل ہے ۔ تاہم میں تسلیم کرتا ہوں ، کہ سی آئی ڈی کے جن آدمیوں نے میرے خلاف شہادت دی ہے ، انہوں نے اس اعتماد کے سوا جو اپنے کام پر ظاہر کیا ہے کوئی بات بھی غلط نہیں کہی ہے ۔

میری تقریریں جو پیش کی گئی ہیں اُن میں بھی میں کوئی بات شرارت کی نہیں پاتا ۔ جس قدر ان کے اغلاط اور نقائص ہیں غالباً صرف ناقابلیت کا نتیجہ ہیں ۔ ایک دو مقامات

ایسے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جاسکتا ہے کہ دانستہ خراب کرکے دکھلائے ہیں مثلاً جہاں جہاں میں نے لوگوں کو با امن رہنے، ہڑتال نہ کرنے، ہر طرح کے مظاہرات سے مجتنب رہنے کی تلقین کی ہے وہ بقیہ حصوں سے بھی زیادہ اُلجھے ہوئے اور بے ربط ہیں۔ متعدد مقامات پر امن کو ایمان کر دیا ہے جو وہاں بالکل بے ربط ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی قاعدہ کے نقص اور ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے ہے نہ کہ شرارت سے۔

البتہ میرا یقین ہے کہ انہوں نے اپنے کام پر جو اعتماد ظاہر کیا ہے اور جس غرض سے یہ کام انجام دیا ہے وہ ضرور معصیت ہے لیکن ساتھ ہی مجھے ان کی کمزوری بھی معلوم ہے۔ وہ محض چند روپیوں کی نوکری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں اور اتنا قومی ضمیر نہیں رکھتے کہ سچائی کو ہر بات پر ترجیح دیں۔ پس میرے دل میں ان کے لئے کوئی رنج و ملامت نہیں ہے میں اس کام کیلئے انہیں معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا بھی معاف کر دے۔

پبلک پراسیکیوٹر بھی جو اِن مقدمات میں کام کر رہا ہے، میرا ایک ہم وطن بھائی ہے اس کی ضمیر یا رائے میرے سامنے نہیں ہے محض مزدوری ہے جو اس کام کے لئے وہ گورنمنٹ سے حاصل کرتا ہے۔ پس اس کی طرف سے بھی میرے دل میں کوئی رنج نہیں۔ البتہ میں اُن سب کے لئے وہی دعا مانگوں گا جو پیغمبرِ اسلام نے ایک موقعہ پر مانگی تھی۔ "خدایا ان پر راہ کھول دے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں"۔

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ

میں مجسٹریٹ کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا جو اس کے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دیدے مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا۔ میرا معاملہ پوری مشینری سے ہے، کسی ایک پرزے سے نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک مشین نہیں بدلے گی، پرزے اپنا فعل نہیں بدل سکتے۔

میں اپنا بیان اٹلی کے قتیل صداقت گارڈینیر برونو کے لفظوں پر ختم کرتا ہوں جو میری ہی طرح عدالت کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ سزا جو دی جاسکتی ہے بلا تامل دے دو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا

کا حکم لکھتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے دل میں پیدا ہوگی، اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سُن کر میرے دل کو نہ ہوگا۔

خاتمہ مسٹر مجسٹریٹ اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لونگا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے، جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کردیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا، یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے، وقت اس کا جج ہے، وہ فیصلہ لکھے گا، اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً۔

۱۱ر جنوری ۱۹۲۲ء

احمد

پریزیڈنسی جیل، علی پور، کلکتہ

آخری پیشی

صرف ایک سال قید بامشقت

یہ اس سے بہت کم ہے جس کا میں متوقع تھا

۹ر فروری ۱۹۲۲ء۔ ۹ر فروری سے پہلے مولانا کی جانب سے حسب ذیل امور کا زبانی اور بذریعہ اخبار اعلان کیا گیا۔

(۱) ۹ر فروری کو کوئی شخص عدالت کی کارروائی دیکھنے کے لئے نہ آئے، نہ کسی طرح کا ہجوم سڑکوں پر ہو۔

(۲) یہ یقینی ہے کہ انہیں سزا کا حکم سُنایا جائے گا۔ پبلک کو چاہیئے کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ اس کی منتظر اور متوقع رہے۔ کوئی ہڑتال نہیں ہونی چاہیئے، نہ کسی طرح کا غیر معمولی مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

(۳) ۹ کو لوگ جیل کی طرف بھی ہجوم نہ کریں اور نہ انہیں دیکھنے کے لئے جدّ و جہد کریں صرف اپنی معمولی روزانہ جدو جہد جاری رکھیں اور جہانتک ممکن ہو اسکی سرگرمی بڑھائیں۔

بعض کارکنانِ خلافت و کانگریس نے غلطی سے کارخانوں اور سرکاری محکموں میں کام کرنے والوں کو ہڑتال کے ارادے سے نہیں روکا تھا اور خاموشی اختیار کرلی تھی۔ کو جب مولنا کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً رکوا دیا اور ہر جگہ بات پہنچا دی گئی، کہ جو شخص ان کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کے اظہارِ محبت و عقیدت کی صرف یہی راہ ہے کہ وہ والنٹیر بن جائے اور جیل جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ ہڑتال اور مظاہرہ نہ صرف اصول کے خلاف ہے بلکہ مقاصد کے لئے مضر بھی ہے۔

اگرچہ یہ تمام کارروائیاں علانیہ ہو رہی تھیں۔ افسرانِ جیل کی موجودگی میں وہ تمام پیغامات دیتے تھے اور لکھواتے تھے اور پھر اخبارات میں بھی شائع ہو جاتے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ارکانِ حکومت کو اطمینان نہ تھا۔

مولانا اور مسٹر داس کے مقدمات میں عدالت کی جانب سے پے در پے التواء کیا گیا، گورنمنٹ کا تذبذب اور اضطراب بھی برابر ظاہر ہوتا رہا۔ نیز راونڈ ٹیبل کانفرنس کی تجویز اور نام نہاد مصالحت کی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ ان تمام اسباب سے پبلک کو یہ توقع ہو گئی تھی کہ شاید انہیں رہا کر دیا جائے، زیادہ تائید اس بات کی کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت سے بھی ہوتی تھی، جس کی طرف سے مقامی گورنمنٹ کی تشویش روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور بار بار یہ افواہیں مشہور کی جاتی تھیں کہ بہت جلد اُنہیں رہا کر دیا جائیگا گورنمنٹ کو بھی تشویش مزدوروں کی ہڑتال سے تھی، علی الخصوص خضر پور ڈک کے مزدوروں اور شہر کے تمام خانساموں وغیرہ سے جو پندرہ بیس ہزار کی تعداد میں ہوٹلوں اور انگریزوں کے پرائیویٹ مکانوں میں کام کرتے ہیں، اُن کا ایک دن کے لئے بھی ہڑتال کرنا تمام انگریزی

آبادی کی زندگی دشوار کر دے سکتا ہے۔ اسی طرح ڈک کے مزدوروں کی جماعت بھی ایک ایسی جماعت ہے جو اگر کام چھوڑ دے تو اس کا کام ایک دن کے لئے بھی دوسرے آدمی نہیں چلا سکتے، تمام تجارت اور مال کی درآمد و برآمد اسی پر موقوف ہے۔

خانساموں اور ڈک کے مزدوروں کی باقاعدہ یونین قائم ہے۔ دونوں نے فی الواقع ہڑتال کا ارادہ کر لیا تھا۔ ڈک کے مزدور تو ان کی گرفتاری پر ہڑتال کر بھی چکے تھے۔ لیکن کانگریس کمیٹی نے بہ مشکل سمجھا بجھا کر کام پر لگایا۔

اسی طرح تمام سرکاری کالجوں کے طلباء کی نسبت بھی گورنمنٹ کا خیال تھا کہ بمجرد اعلان سزا کے کالجوں سے نکل آئیں گے۔ انہی اسباب سے فیصلہ میں تاخیر کی جا رہی تھی۔

لیکن مولانا نے ۷ر کو ایک پیغام تمام اخبارات میں اس مضمون کا شائع کرایا کہ ان کے مقدمہ کی نسبت کوئی غلط توقع لوگ نہ باندھ لیں، یہ قطعی ہے کہ انہیں سزا دی جائیگی۔ لوگوں کو چاہیئے کہ پورے نظم و سکون کے ساتھ اس کے سننے کے لئے تیار ہیں۔ ہڑتال وغیرہ کے لئے انہوں نے کہا کہ ہم ایک سال سے کہتے آئے ہیں کہ کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ خاموشی کے ساتھ لوگ گرفتار ہو جائیں۔ چنانچہ ہزاروں آدمیوں نے اپنے تئیں گرفتار کرا دیا اب جب ہم خود گرفتار ہوئے ہیں تو ہمیں بھی اپنے لئے وہی پسند کرنا چاہیئے، جو ہم نے دوسروں کے لئے پسند کیا تھا۔ یہ نہایت افسوس ناک غلطی ہوگی، اگر ہماری سزا یابی کیلئے ہڑتالیں کی گئیں، یا ہمیں چھڑا دینے کیلئے کسی ایک ہندوستانی نے بھی کام چھوڑا۔

اس پیغام نے نہایت تعجب انگیز اثر پیدا کیا، جس کی خود گورنمنٹ کو بھی توقع نہ تھی۔ تمام لوگ جو جوش و اضطراب میں بے قابو ہو رہے تھے پتھر کی طرح اپنی اپنی جگہ جم گئے ہڑتال کا ارادہ بالکل فسخ کر دیا گیا اور ۹ر کو عدالت اور جیل میں بھی کسی طرح کا ہجوم نہیں ہوا۔

بایں ہمہ گورنمنٹ کے ارکان مطمئن نہ تھے اور دیکھ رہے تھے کہ گیارہ بجے کے بعد کیا صورت پیش آتی ہے۔ اس لئے گیارہ بجے تک جیل میں کوئی خبر نہیں دی گئی کہ کارروائی کہاں ہوگی کورٹ میں یا جیل میں۔ جب گیارہ بج چکے اور کسی طرح کی بھیڑ عدالت میں نہیں ہوئی تو مولانا طلب کئے گئے۔ بارہ بجے وہ پہنچے اس وقت ایک مقدمہ کی کارروائی ہو رہی تھی۔ لیکن مجسٹریٹ

نے عارضی طور پر اُسے ملتوی کر کے مولانا کو طلب کیا اور فیصلہ سُنایا۔ فیصلہ یہ تھا کہ ایک سال قید بامشقت۔

مولانا نے فیصلہ سُن کر مجسٹریٹ سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اس سے بہت کم ہے، جس کی مجھے توقع تھی"۔ مجسٹریٹ ہنسنے لگا اور مولانا برآمدے میں واپس آگئے۔

یہاں کورٹ انسپکٹر موجود تھا جو انہیں اپنے آفس روم میں لے گیا اور کہا مجھے آپ معاف کریں گے اگر میں چند منٹ آپ کو یہاں بٹھاؤں اور ضابطہ کی کارروائی انجام دیدوں۔ مولانا نے کہا۔ میں یہ چند منٹ ایک سال قید بامشقت میں شمار نہ کرونگا۔ یہاں اس نے سزا کے رجسٹر میں حسب قاعدہ ان کا نام، ولدیت، عمر، حلیہ، قد اور دستخط کا اندراج کر دیا۔ اس کے بعد وہ جیل کی گاڑی میں مسلح پولیس کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے۔

اس طرح کامل ساٹھ دن کے بعد یہ کہانی ختم ہوئی اور جس شخص کو ایک دن کے لئے بھی قید کرنا گورنمنٹ کے لئے آسان نہ تھا، اور بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ لاکھوں انسانوں کے اضطراب پر غلبہ حاصل کیا جائے، وہ اس آسانی اور خاموشی کے ساتھ ایک برس کیلئے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ یہ فی الحقیقت نان کوآپریشن کے نظم و طاقت کا ایک حیرت انگیز ثبوت تھا۔

عدالت کا فیصلہ (جیسا کہ توقع تھی) نہایت مختصر ہے۔ نہ تو استغاثہ کی تشریح کی گئی ہے نہ الزام کے اثبات کے وجوہ و دلائل بیان کئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بات بھی اس سے معلوم نہیں ہو سکتی کہ ملزم نے کن الفاظ کے ذریعہ ۱۲۴-الف کا ارتکاب کیا ہے اور کیونکر اس کی تقریریں اس دفعہ کے ماتحت آئی ہیں۔ البتہ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ملزم نے تقریروں کے وہ تمام حصے تسلیم کر لئے جو گورنمنٹ کے متعلق تھے، مگر وہ کیا ہیں، ان پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ بہتر یہ تھا کہ سزا کی بنیاد اسی بات پر رکھ دی جاتی کہ ملزم نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے مجرم ہونے کا بار بار اظہار کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ بحالتِ موجودہ آزادی اور حق کا مطالبہ ہی جرم ہے۔

نقل و ترجمہ فیصلہ عدالت

مقدمہ نمبری ۲۸ سنہ ۱۹۲۲ء

قیصر ہند بنام محی الدین احمد عرف مولانا ابوالکلام آزاد

فیصلہ

اس مقدمہ میں مولانا ابوالکلام آزاد زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند مجرم قرار دیئے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے پہلی جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزا پور اسکوائر میں مسئلہ خلافت، پنجاب، اور آزادی وطن کے مضامین پر اور نیز ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو اسی مقام پر مسئلہ ترک موالات وغیرہ پر اُردو میں تقریریں کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے جن کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ بروئے قانون کے خلاف لوگوں میں نفرت و حقارت پھیلانے کی کوشش کی۔

استغاثہ کی طرف سے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں ان سے حسب ذیل واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس اسپیشل برانچ نے یہ اطلاع پاتے ہی کہ یکم جولائی کو مرزا پور پارک میں کوئی جلسہ ہونے والا ہے اپنے اردو شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد، انسپکٹر ایس کے گھوسال، سب انسپکٹر محمد اسمٰعیل اور ایس۔ سی۔ کر کو جلسہ کی کارروائی اور تقریروں کے نوٹ لینے کے لئے متعین کیا۔

افسران مذکور جلسہ میں شریک ہوئے۔ انہوں نے تمام کارروائی اور تقریروں کے نوٹ لئے۔ ان میں ملزم کی تقریر بھی ہے جو اس جلسہ کے صدر تھے۔ جلسہ میں تقریباً بارہ سو آدمیوں کا اجتماع تھا۔ جلسہ کا مقصد خلافت کے تین مبلغ سعید الرحمٰن، اجودھیا پرشاد اور جگدمبا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔

منجملہ اور مقرروں کے ملزم نے بھی اُردو میں ایک طویل تقریر کی۔ ان تقریروں کے نوٹ

اردو شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد نے اور کچھ حصے پولیس کے دوسرے افسروں نے لئے۔ یہ نوٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے ان پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

ابواللیث نے اپنے نوٹ صاف کر کے اس کی نقل مسٹر گولڈی کے پاس بھیج دی۔ دوسرے پولیس افسروں نے بھی اپنے اسی لانگ ہینڈ نوٹ کی ایک مشترکہ رپورٹ افسر مذکور کے پاس بھیج دی تھی۔

۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء کو مسٹر گولڈی نے اسی اردو شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد، انسپکٹر بی بی مکرجی، سب انسپکٹر محمد اسمٰعیل اور ایس۔ سی۔ کر کو ایک دوسرے جلسہ کی کارروائیوں اور تقریروں کے نوٹ لینے کے لئے متعین کیا جو اسی مقام پر ہونے والا تھا۔

ملزم حاضرین جلسہ میں تھے۔ انہوں نے مذکورہ بالا خلافت کے تین مبلغین —— سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی سزایابی کے خلاف اردو میں تقریر کی اور لوگوں کو اس بات کی تلقین کی اور شوق دلایا کہ وہ بھی ان کی پیروی کریں، اور جیل جائیں۔ جلسہ میں دس ہزار کا مجمع تھا۔ ابواللیث نے ملزم کی تقریر کے نوٹ اردو شارٹ ہینڈ میں لئے اور دوسرے افسروں نے ان کے کچھ حصے لانگ ہینڈ میں لئے۔

ابواللیث نے اپنا نوٹ صاف کر کے اس کی نقل اور دیگر افسروں نے ایک مشترکہ رپورٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کر دی۔

ابواللیث کی اردو کی دونوں نقلوں کا ترجمہ سرکاری مترجم مسٹر بابا چرن چٹرجی نے کیا ہے۔ مسٹر گولڈی نے نقل اور ترجمہ ملنے کے بعد ملزم کی مذکورہ تقریروں کے خلاف دفعہ ۱۲۴ الف کے ماتحت گرفتار ہونے کی درخواست گورنمنٹ آف بنگال سے کی، اور ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو سینکشن حاصل کیا۔

اس نے اس سینکشن کی تصدیق بھی کر دی ہے۔

ابواللیث اور دوسرے افسروں نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ یہ نوٹ انہوں نے لئے ہیں اور جو مشترکہ رپورٹ انہوں نے داخل کی ہے وہ درست اور سچی ہے۔

بابا چرن چٹرجی نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ دونوں نقلوں کا ترجمہ اس نے کیا ہے، وہ صحیح

اور اصلی ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ میں ان کی سچائی میں شبہہ کروں۔

ملزم نے ایک طویل بیان داخل کیا ہے جو گورنمنٹ کی برائیوں کی داستان سے پُر ہے اس میں نہایت تشریح کے ساتھ ان تمام کارروائیوں کو دکھلایا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ گورنمنٹ کو، ظالم گورنمنٹ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور نیز اپنی ان تمام کارروائیوں کا ذکر کیا ہے، جو ان غیر قانونی کارروائیوں کے خلاف اس نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی تقریروں کی نقل بالکل ناقص، غلط اور مسخ شدہ ہے اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن بہر کیف وہ ان تمام حصّوں کو تسلیم کرتا ہے جن میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار کیا گیا ہے یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جد وجہد کی اپیل کی گئی ہے۔

میں نے نہایت احتیاط سے یہ تقریریں پڑھی ہیں اور ان پر کامل غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ باغیانہ ہیں۔

اور یہ کہ ملزم نے ان تقریروں کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ از روئے قانون کے خلاف نفرت وحقارت پھیلانے کی کوشش کی۔

میں ملزم کو حسبِ دعویٰ استغاثہ مجرم پاتا ہوں اور زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیراتِ ہند ایک سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔

(دستخط) ڈی سوینہو

چیف پریزیڈنسی مجسٹریٹ۔ کلکتہ

۹ر فروری ۱۹۲۲ء

آخری منزل کے آثار پھر شروع ہو گئے

باز ہوا ہے چمنم آرزو ست

وقت آگیا ہے کہ اسلام اور ملک کا ہر فرزند بھی آخری آزمائش کیلئے تیار ہو جائے

وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ[1] ○ کتنی ہی چھوٹی اور کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی تعداد وں پر غالب آگئیں مگر شرطِ کامیابی صبر ہے کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

مقدمہ کراچی کی گرفتاریوں کے بعد حیرانی و درماندگی کی جو خاموشی چھا گئی تھی، بالآخر ٹوٹی اور گورنمنٹ نے آخری حملے کے لئے ہتھیار اُٹھا لئے۔ وہ اب ایک نئی شان کے ساتھ آگے بڑھی ہے۔ اس میں طاقت سے زیادہ طیش ہے اور طیش کے ساتھ غصہ کی گھبراہٹ بھی مل گئی ہے۔ وہ گویا ضبط کرتے کرتے اُکتا گئی۔ اب حریف کی طرح مقابلہ نہیں کرے گی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے آدمی کی طرح ٹوٹ پڑے گی۔ بنگال، آسام، یوپی، دلی اور پنجاب میں والنٹیرز کور توڑ ڈالی گئی ہیں۔ خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کے دفتروں پر چھاپے مارے گئے ہیں۔ عہدہ داروں کو بے دریغ گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اکثر حالتوں میں سفید ٹوپی اور گاڑھے کا لباس گرفتاری کے لئے کافی جُرم ہے۔ بنگال و آسام میں صرف پولیس افسروں کی مرضی کا نام حکومت اور قانون ہے۔ کلکتہ کی سڑکوں پر بے شمار آدمی گرفتار کر لئے گئے، جو گاڑھا پہنے ہوئے تھے یا چاند اور تارے کا نشان ان کی ٹوپی پر تھا۔ جلسوں کی ممانعت کا آرڈر بھی ہر جگہ نافذ کر دیا گیا ہے۔ گرفتاریاں بھی آخری حد تک پہنچ گئی ہیں۔ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور ان کے ساتھ چار اعلیٰ عہدہ داران کانگریس گرفتار کر لئے گئے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ گورنمنٹ تحریک کے بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر لینے کے لئے تیار ہو گئی ہے۔

---

[1] سورہ البقرہ۔ رکوع ۳۲۔ آیۃ ۲۴۹

گذشتہ دو ہفتہ کے اندر وائسرائے اور گورنر بنگال کی طرف سے بار بار اعلان ہو چکا ہے کہ اب گورنمنٹ کی جانب سے کسی طرح کی کوتاہی نہ ہو گی۔

بے لبسی کا غصہ

۱۷ ر تاریخ کی فتح مند ہڑتال اور پرنس آف ویلز کے دورہ کے کامیاب بائیکاٹ نے گورنمنٹ کو بے لبس کر دیا۔ بے لبسی نے اب غیظ و غضب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ گورنمنٹ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ آئندہ ہر جلسہ ہڑتال کو روکا جائے گا۔ کلکتہ میں پولیس پورا زور لگا رہی ہے کہ لوگ سہم جائیں اور ہڑتال نہ ہو سکے سول گارڈ کا قیام خلافت والنٹیرز کا جواب ہے، اور اس ذریعہ سے تمام آبادی کو مرعوب کیا جا رہا ہے۔

والنٹیرز کور کو توڑ کر جلسوں کی ممانعت کر کے اور کارکنوں کو کثرت کے ساتھ گرفتار کر کے گورنمنٹ چاہتی ہے کہ تحریک کا خاتمہ کر دے۔ اس نے خیال کیا ہے کہ تحریک کی ہستی اور تبلیغ کے صرف تین ہی ذریعہ ہیں۔ والنٹیرز، جلسے، لیڈر۔ ان سب پر بہ یک وقت وار کر کے وہ اپنے کام سے پوری طرح فارغ ہو جائے گی۔

تشدد اور برداشت کا مقابلہ

ہم نے گورنمنٹ کے تشدد کا ہمیشہ استقبال کیا ہم نے صرف استقبال ہی نہیں کیا بلکہ آرزوئیں کیں۔ گورنمنٹ نے کراچی ریزولیوشن کو جرم قرار دیا، تو ہم میں سے ہزاروں دلوں نے منتیں کیں کہ انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے لیکن گورنمنٹ برابر قدم اٹھا کے پیچھے ہی ہٹتی رہی۔ اب پھر اُس نے قدم بڑھایا ہے۔ ہم اس کا، اس کے تمام ساز و سامان کا، اس کے ہر طرح کے جبر و تشدد کا، اس کے زیادہ سے زیادہ غیظ و غضب کا، اس کے آخری اعلانِ جنگ کا پوری آمادگی و قبولیت کے ساتھ استقبال کرتے ہیں اور ہمارا اعلان ہے کہ ہم آخر تک میدان کو پیٹھ نہ دکھلائیں گے۔

اب جبر و تشدد اور برداشت میں آخری مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ فتح اس کی ہو گی، جو زیادہ طاقت ور ہو گا اور زیادہ دیر تک میدان میں ٹک سکے گا۔ اگر گورنمنٹ کی طاقت ملک کے برداشت سے زیادہ ہے تو جیت اس کی ہو گی۔ اگر ملک کی برداشت گورنمنٹ

کی طاقت سے زیادہ ہے تو ملک کی فتح مندی کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

آخری منزل اور ہمارا فرض

اگر سچ مچ گورنمنٹ کا یہ آخری وار ہے تو ہم کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سفر کی آخری منزل آگئی اور اس لئے ہم کو بھی آخری آزمائش کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ہم نے دو سال سے جس قدر اعلان کئے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ ان میں سے ہر اعلان اپنی حقیقت کے لئے مطالبہ کرے، ہم نے دو سال سے جس قدر دعوے کئے ہیں، وقت آگیا ہے کہ ان میں سے ہر دعوے اپنی سچائی کا دنیا کو یقین دلا دے۔ ہم دو سال سے جو کچھ کہہ رہے ہیں، وقت آگیا ہے، کہ دنیا کو کر کے دکھلا دیں۔ ہم نے ایمان کا اعلان کیا ہے، ہم نے خدا پرستی کا دعویٰ کیا ہے ہم نے سرفروشی اور جانستانی کا نعرہ لگایا ہے، ہم نے قربانی و جانبازی کا ہزاروں لاکھوں مرتبہ نام لیا ہے، ہم نے حق پرستی کے عہد کئے ہیں اور اسلام اور ملک سے عشق و محبت کا پیمانِ وفا باندھا ہے، ہم نے نامردی اور بزدلی کی ہمیشہ حقارت کی، ہم نے حق سے منہ موڑنے اور خدا کو پیٹھ دکھلانے پر لعنتیں بھیجیں، ہم ان پر ہنسے اور مشکلوں سے گھبرا گئے، ہم نے ان کی بدبختی و محرومی سے پناہ مانگی جو وقت پر اپنے دعووں میں پورے نہ اُترے، ہم نے خدا کا نام لیا اور اس کی شریعت کے حکموں کی اطاعت کی راہ میں قدم اٹھایا۔ ہم نے خود ہی ایمان و نفاق کے لئے معیار بنا دیا، اور ہم نے تمام دنیا کو دعوت دی کہ وہ ہم میں سے مومنوں کو منافقوں میں سے چُن لیں۔ ہم نے کہا کہ ایمان کی گھڑی ہے اور اسلام کا فیصلہ ہے، پس مومن وہ ہے جو وقت کا فرض انجام دے اور منافق وہ ہے جو وقت پر پیٹھ دکھلا دے۔ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(سورہ آل عمران - رکوع ۱۱ - آیۃ ۱۰۶-۱۰۷)۔

یہ سب کچھ ہم نے اپنی مرضی اور اپنی طلب سے کیا۔ خدا اور اس کے فرشتے ہماری زبانوں اور ہمارے دلوں پر گواہ ہیں۔ پھر اگر آج آزمائش کی گھڑی آگئی ہے اور منزل سامنے

ہے جس کے لئے ہم اس قدر دعوے کر چکے ہیں، تو کیا ہم عین وقت پر اپنے تمام دعوے بھلا دیں گے، کیا اپنے تمام اعلان واپس لے لیں۔ گر، کیا ہمارا دعویٰ دھوکا ثابت ہوگا۔ اور ہمارا اعلان محض فریب کا تماشا ہوگا۔ کیا ہم نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ تھا اور ہم نے اپنے ایمان و حق کے لئے جو کچھ سمجھا وہ دھوکا تھا، کیا ہم خدا اور اس کی سچائی سے منہ موڑ لینگے کیا ہم ایمان کی اس سب سے چھوٹی آزمائش میں بھی پورے نہ اتریں گے، کیا مشکلیں ہم کو ہرا دیں گی، تکلیفیں ہمیں ڈرا دیں گی اور گرفتاریوں کا ہراس ہمارے ایمان پر غالب آجائے گا۔

دنیا ہماری طرف تک رہی ہے، تاریخ کے صفحات ہمارے انتظار میں ہیں، ہزاروں لاکھوں شہیدانِ ظلم کی نگاہیں ہم پر لگی ہوئی ہیں۔ سمرنا اور ایشیائے کوچک کے خون آلود سرزمین سے ہمارے لئے صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ہندوستان کی پامال سرزمین کا ایک ایک ذرہ ہماری کھوج میں ہے۔ کیا ہمارا وجود ان سب کے لئے مایوسی ہوگا۔ کیا ہماری نامرادی و بدبختی کی سرگذشتیں لکھی جائیں گی۔ کیا تاریخ کو ہم صرف اپنی منحوس ناکامی ہی کی کہانی دے سکتے ہیں۔ کیا آنے والی نسلوں کی زبان پر ہمارے لئے صرف نفرتیں اور لعنتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ کیا ہم دنیا کو اس بات کے لئے چھوڑ دیں گے کہ ہماری ایمان سے محرومی اور ہمت سے تہی دستی پر گواہی دیں۔

آہ! یہی گھڑی ہے جو اس کا فیصلہ کرے گی۔ یہی وقت ہے جو ہمیشہ کے لئے ہماری فتح و شکست کا فیصلہ لکھ دے گا۔ آؤ اپنی قسمت کی تعمیر کریں، اپنی عزت و اقبال کو ڈوبنے سے بچا لیں، اپنی فتح کو شکست کے لئے نہ چھوڑ دیں، اسلام کے دامن کے لئے دھبہ نہ بنیں، جو کبھی محو نہ ہو۔ ہندوستان کی آزادی اور نجات کی امید تاراج نہ کر دیں، جو صدیوں تک واپس نہ مل سکے۔

راہِ عمل

ہمارے کام کا راستہ بالکل صاف ہے، ہماری کامیابی کے لئے کوئی روک نہیں یقیناً خدا کی رحمتوں نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم پر ایسی راہِ عمل کھول دی کہ جب تک ہم خود اپنے کو شکست نہ چاہیں کوئی ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔

ہم نے اوّل دن ہی سے قربانی اور استقامت کا اعلان کیا ہے۔ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ مقصد کی راہ میں ہر طرح کی تکلیف و مصیبت جھیلتے رہنا۔ استقامت سے مقصود یہ ہے کہ راہ میں جمے رہنا اور کبھی اس سے منہ نہ موڑنا۔

پھر بتلاؤ گورنمنٹ یا گورنمنٹ سے بھی کوئی بڑی طاقت اس کے مقابلہ میں کیا کر سکتی ہے، کیونکر وہ ہمیں روک سکتی ہے اور کس طرح ہم پر غالب آسکتی ہے۔ فوج ہو تو اسے شکست دی جائے، قلعے ہوں تو انہیں ڈھا دیا جائے، دیواریں ہوں تو انہیں گرا دیا جائے، ہتھیار ہوں تو انہیں چھین لیا جائے، لیکن جو قوم قربان ہونے اور مٹنے کے لئے تیار ہو گئی ہو اور صرف قربان ہونا اور جان پر کھیل جانا ہی اس کی فوج اور ہتھیار ہو، اس کا مقابلہ کس چیز سے کیا جائیگا جسموں کو مارا اور ہتھیاروں کو چھینا جا سکتا ہے لیکن دلوں کے عشق اور روحوں کے ایمان کیلئے نہ کوئی کاٹ ہے نہ کوئی آگ۔

اچھا اب ایک ایک چیز کو گنو اور سوچو کہ ہمارے مقابلے میں کون کون سی طاقت لائی جاسکتی ہے۔

گورنمنٹ ڈرانے کیلئے پوری طرح ہیبتناک ہے لیکن بے خوفی کے مقابلہ میں کیا کرے گی۔

گورنمنٹ احکام نافذ کر کے ہمیں روک دے سکتی ہے لیکن جن لوگوں نے ٹھان لیا ہو کہ کبھی نہ رکیں گے اور نہ رک کر سب کچھ جھیل لیں گے، ان کے مقابلے میں وہ کیا کرے گی۔

گورنمنٹ گرفتار کر کے قید خانے بھر دے گی لیکن جو لوگ خود ہی قید ہونے کے لئے تیار ہیں ان کیلئے قید خانے کی نمائش کیا کام دے سکتی ہے۔

سب سے آخری طاقت، ہلاکی اور خونریزی کی طاقت ہے، بلا شبہ فوجیں جمع ہو سکتی ہیں، ہتھیار چمک سکتے ہیں، توپیں گرج سکتی ہیں، لیکن جو لوگ موت کے لئے خود ہی تیار ہو چکے ہوں، ان کے سامنے موت آکر کیا کرے گی۔

ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا

لیکن ہاں جبکہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی مغرور طاقت بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تو ایک طاقت ہے جو ہمیں پل بھر کے اندر پاش پاش کر دے سکتی ہے۔

وہ کون ہے؟

وہ خود ہم ہیں اور ہماری خوفناک غفلت ہے، اگر وہ وقت پر نمودار ہو گئی۔ ہم پر ہمارے سوا کوئی غالب نہیں آسکتا۔ ہم ایمان اور استقامت سے مسلح ہو کر اتنے طاقتور ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ارضی گھمنڈ بھی ہمیں شکست نہیں دے سکتا، لیکن اگر ہمارے اندر اعتقاد اور عمل کی ایک ادنیٰ سی کمزوری اور خامی بھی پیدا ہو گئی تو ہم خود آپ ہی اپنے قاتل ہوں گے اور ہم سے بڑھ کر دنیا میں اچانک مٹ جانیوالی کوئی چیز بھی نہیں ملے گی۔

ہم کو گورنمنٹ شکست نہیں دے سکتی، پر ہماری غفلت ہمیں پیس ڈالے گی۔ ہم کو فوجیں پامال نہیں کر سکتیں، لیکن ہمارے دل کی کمزوری ہمیں روند ڈالے گی۔ ہمارے دشمن اجسام نہیں ہیں، عقائد اور اعمال ہیں۔ اگر ہمارے اندر ڈر پیدا ہو گیا، ہم قربانی سے جی چُرانے لگے، ہم نے اپنی رُوح فریب نفس کے حوالہ کر دی، ہمارے صبر اور برداشت میں فتور آگیا، ہم انتظار سے تھک گئے، طلب گاری سے اُکتا گئے، ہم میں نظم نہ رہا۔ ہم اپنی تحریک کے تمام دلوں اور قدموں کو ایک راہ پر نہ چلا سکے، ہم سخت سے سخت مشکلوں اور مصیبتوں میں بھی امن اور انتظام قائم نہ رکھ سکے، ہمارے باہمی ایکے اور یگانگت کے رشتہ میں کوئی ایک گرہ بھی پڑ گئی، غرض کہ اگر دل کے یقین اور قدم کے عمل میں ہم پکے اور پورے نہ نکلے تو پھر ہماری شکست، ہماری نامرادی، ہماری پامالی، ہمارے پس جانے اور ہمارے نابود ہو جانے کے لئے نہ تو گورنمنٹ کی طاقت کی ضرورت ہے، نہ اس کے جبر و تشدد کی۔ ہم خود ہی اپنا گلا کاٹ لیں گے، اور پھر صرف ہماری نامرادی کی کہانی دنیا کی عبرت کے لئے باقی رہ جائے گی۔

ہماری طاقت بیرونی سامانوں کی نہیں ہے کہ انہیں کھو کر دوبارہ پالیں گے۔ ہماری ہستی صرف دِل اور رُوح کی سچائیوں اور پاکیوں پر قائم ہے اور وہ ہمیں دنیا کے بازاروں میں نہیں مل سکتیں۔ اگر خزانہ ختم ہو جائے تو بٹور لیا جا سکتا ہے، اگر فوجیں کٹ جائیں تو دوبارہ بنائی جا سکتی ہیں، اگر ہتھیار چھین جائیں تو کارخانوں میں ڈھال لئے جا سکتے ہیں، لیکن اگر ہمارے دل کا ایمان جاتا رہا تو وہ کہاں سے ملے گا۔ اگر قربانی و

حق پرستی کا پاک جذبہ مِٹ گیا تو وہ کس سے مانگا جائے گا، اگر ہم نے خدا کا عشق اور ملک و ملّت کی شیفتگی کھو دی تو وہ کس کارخانہ میں ڈھالی جائے گی۔

گورنمنٹ کی مخالفت یا اعانت

گورنمنٹ نے آخری حملہ کے لئے ہتھیار اُٹھا لئے لیکن پھر کیا ہوا؟ کیا ہماری شکست، ہماری پامالی، ہماری ناکامی کے لئے کوئی بات بھی دکھلا سکی؟ یہ الفاظ بھی ٹھیک نہیں، یوں پوچھنا چاہیئے کہ کیا وہ کوئی ایک بات بھی ہماری مخالفت میں کر سکی۔ وہ تو اور زیادہ ہمارا ساتھ دے رہی ہے، عین ہماری آرزوؤں اور خواہشوں کے مطابق ہمیں کامیابی کی طرف کھینچ رہی ہے۔

وہ زیادہ مخالف ہوئی تو اس نے زیادہ گرفتاریاں شروع کر دیں، لیکن گرفتاریوں ہی کے لئے تو ہم نے اپنا پروگرام بنایا تھا؛ وہ زیادہ سختی پر آئی تو اس نے بڑے بڑے لیڈروں پر بھی ہاتھ بڑھایا، لیکن تحریک کی طاقت اور ترقی کے لئے بھی تو ہم اسی بات کے طلبگار تھے حتیٰ کہ گرفتاریوں کے لئے گورنمنٹ کو بلاوے دیتے دیتے تھک گئے تھے، وہ زیادہ مقابلے میں سرگرم ہوئی تو والنٹیئر کور توڑ ڈالی گئیں لیکن یہ تو عین ہماری دستگیری ہے اور سچ سچ کو ہمیں کام پر لگا دینا ہے کیونکہ سول ڈس اوبیڈینس کے لئے ہمیں کسی ایسی ہی بات کی تلاش تھی، ہم کب سے اس موقعہ کے انتظار میں راہ تک رہے تھے۔ پھر یہ کیسی مخالفت ہے جو عین موافقت کا کام دے رہی ہے، اور کیسا مقابلہ ہے جس کا ہر وار ہمیں ایک نیا ہتھیار بخش دیتا ہے۔ فی الحقیقت یہی ایمان و صبر کی راہ کا معجزہ ہے اور یہی وہ راز ہے کہ ایمان اور قربانی کے مقابلہ میں طاقت کا سارا ساز و سامان بے کار ہو جاتا ہے۔ دنیا میں شکست دینے اور مٹانے کے جتنے بھی ہتھیار ہیں، ان میں سے کوئی ہتھیار بھی اس پر غالب نہیں آسکتا۔

گورنمنٹ کی رہنمائی

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس وقت ہماری تحریک کی طاقت اور فتح کے لئے ہمارا بڑا سے بڑا دوست اور رہنما بھی ہم پر وہ احسان نہیں کر سکتا تھا جو گورنمنٹ نے خلافت اور کانگریس والنٹیئرز کو توڑ کر ہم پر کر دیا ہے

اس نے عین وقت پر ہماری مدد کی۔ وہ ہماری مدد کیوں کرتی لیکن اُسی کارساز قدرت نے اس کے ہاتھوں کرائی جو ہمیشہ اپنی نیرنگیوں کے اچنبے دنیا کو دکھلاتا رہتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک یہ اسی وقت ہوا جب کہ ہم میں ہر دل بڑی بے قراری کے ساتھ اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا، یہ گویا آسمان کی فیاض اور وقت شناس بارش ہے، جو نہ تو پہلے آئی اور نہ دیر کرکے آئی، ٹھیک اسی وقت آئی جب کہ تمام کھیت اس کی راہ تک رہے تھے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (پ۲۱-ع ۴-آیۃ ۲۳)

اس وقت تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور ناگزیر عمل سول ڈس اوبیڈینس کا تھا یعنی اس بات کا تھا کہ سول قوانین کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے اور قید خانے بھر کر گورنمنٹ کے تشدد کو بہکا دیا جائے، اس کی کامیابی کے لئے کامل نظم و امن اور صبر و استقامت کی ضرورت تھی اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وقت پر اس کی شرطیں پوری ہو سکیں گی یا نہیں۔

سول ڈس اوبیڈینس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی خاص معین قانون ہو جو ہماری تحریک کے جائز اور باامن کاموں کو جبراً روکتا ہو اور صرف اسی کی عدم تعمیل سے کام شروع کیا جائے۔ یہ صورت محض دفاعی ہے اور اس لئے سب سے زیادہ محفوظ اور کامیاب ہے کیونکہ اسمیں میدانِ عمل محدود رہتا ہے اور صرف وہی لوگ اسمیں آسکتے ہیں جو اچھی طرح اس کے لئے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا خاص قانون تو سامنے نہ ہو مگر عام طور پر تمام سول قوانین کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے، اس میں زیادہ اولوالعزمی اور دلیری ہے کیونکہ یہ دفاعی عمل نہیں ہے جارحانہ ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی نازک اور کٹھن بھی ہے۔ اسکو صرف دو چار آدمی کر کے نتیجہ نہیں پیدا کر سکتے، جب تک پوری بڑی جماعت اور پوری آبادی نہ کرے اور ظاہر ہے کہ پوری آبادی کا اس کی مشکلات پر غالب آنا، اور تمام شرطوں میں پورا اُترنا آسان نہیں ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جب کوئی پہلی صورت سامنے نہ دیکھی تو دوسری صورت

اختیار کی۔ لیکن اس کے لئے ضروری شرطیں بھی ٹھہرادیں۔ یہ شرطیں ایسی ہیں، جو اس وقت صرف چند خاص مقامات ہی میں پوری ہو سکتی ہیں۔ اس لئے لوگوں کو مایوسی ہوئی اور تمام کارکن حلقے کام میں شریک نہ ہو سکے۔

گورنمنٹ نے کراچی کا مقدمہ کرکے فوج اور پولیس کا مسئلہ ہمارے لئے پیدا کر دیا تھا ہم تیار ہو گئے کہ اسی سے سول ڈس اوبیڈینس کے مقاصد حاصل کریں۔ ہم نے پوری کوشش کی اور کوئی دقیقہ اس مسئلہ کے اعلان اور اعتراف میں اٹھا نہ رکھا لیکن گورنمنٹ بہت جلد چونک اٹھی اور سمجھ گئی کہ وہ ہم پر وار نہیں کر رہی ہے بلکہ ہمارے وار کیلئے خود اپنے کو پیش کر رہی ہے۔ اس نے فوراً پینترا بدلا اور ایک شخص کو بھی کراچی ریزولیوشن کے تکرار و تصدیق کی بنیاد پر گرفتار نہیں کیا۔

لیکن اب والنٹیر کورز کو خلافِ قانون ٹھہرا کر اس نے نعم البدل دے دیا ہے ہر اعتبار اور حیثیت سے یہ سول ڈس اوبیڈینس کے لئے بہترین راہ کھلی ہم گورنمنٹ سے اگر کوئی چیز مانگتے تو یہی مانگتے جو اس نے خود بخود دے دی۔ اس راہ کی ساری دقتیں دور ہو گئیں اور ساری خوبیاں مل گئیں۔ اب کامیاب اور بے خطر سول ڈس اوبیڈینس یہی ہے کہ والنٹیرز کی جماعتیں از سرِ نو بھرتی کی جائیں اور گورنمنٹ کو چھوڑ دیا جائے کہ جہاں تک گرفتار کر سکتی ہے گرفتار کرتی جائے۔

سب سے بڑا کام

اب خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کے لئے صرف یہی ایک کام بڑا سے بڑا کام ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو اسلام اور ملک کی محبت کا دعویدار ہے، راہِ عمل کھل گئی ہے کہ فوراً اٹھے اور سارے کام چھوڑ کر قومی والنٹیرز میں اپنا نام لکھوا دے۔ اب وقت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہو گئی۔ کل تک ہمارے لئے بہت سے کام تھے اور ہر کام خلافت اور سوراج کی خدمت تھا۔ ہم تقریریں کرتے تھے، جلسے کرتے تھے، دوروں میں نکلتے تھے، صرف یہی ایک کام خلافت اور سوراج کا اصلی کام ہے۔ اب سب سے بڑا خادمِ اسلام و ملک وہی ہے جو والنٹیر بن جائے اور پورے صبر و استقامت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر کام کرکے جیل خانے چلا جائے۔

تین شرطیں

البتہ تمام کارکنوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کے لئے تین شرطیں اٹل ہیں، جبتک وہ ان شرطوں کی طرف سے مطمئن نہ ہو جائیں، ہرگز ہرگز اس راہ میں قدم نہ اُٹھائیں۔ کام کا کم ہونا بُرا نہیں ہے لیکن کام کا بگاڑ دینا ناقابلِ معافی ہے۔ اگر اس نازک گھڑی میں ہم نے ذرا بھی غفلت کی تو ہم سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی مجرم نہ ہوگا۔

پہلی شرط نظم ہے۔ جو خلافت یا کانگریس کمیٹی یہ کام شروع کرے، چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی انتظامی قوت کو اچھی طرح دیکھ بھال لے۔ انتظام کے لئے تین باتوں کی طرف سے اطمینان ہونا چاہیئے۔

(۱) تمام مقامی کارکن کسی ایک شخص کے حکموں پر چلتے ہوں اور پوری طرح اس کی اطاعت کرتے ہوں۔ اگر خلافت اور کانگریس کمیٹی کے صدر کو ایسی طاقت حاصل ہے تو یہ منصب اسی کا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو جو شخص ایسا اثر رکھتا ہو، عارضی طور پر والنٹیر کور کا انتظام اس کے ماتحت کر دینا چاہیئے اور تمام کارکنوں کو پوری اطاعت کیساتھ اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔

(۲) مقامی آبادی پر کمیٹی کا پورا پورا اثر ہونا چاہیئے۔ اس کو یقین ہونا چاہیئے کہ وہ وقت پر سب کو اپنے قابو میں رکھ سکے گی۔

(۳) انتظام کے قائم رکھنے کے لئے کافی اور ہشیار کارکن ہونے چاہئیں تاکہ ہر وقت کام دے سکیں۔ ان کو والنٹیرز میں شامل نہ ہونا چاہیئے۔

دوسری شرط امن ہے اور یقین کرنا چاہیئے کہ اگر ہم امن قائم نہ رکھ سکے تو ایک لمحہ کیلئے بھی یہ کام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم امن کو گورنمنٹ کے لئے نہیں چاہتے، خود اپنی کامیابی کے لئے چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ تاک میں ہے کہ کوئی بات بھی بلوے اور بدنظمی کی ہو جائے اور پھر اس کو قابو پانے کا موقعہ مِل جائے۔ بمبئی کے واقعہ نے بتلا دیا ہے کہ انتظام کی غفلت اور غیر ذمہ دار لوگوں کی شرارتوں نے کیسی خوفناک صورت اختیار کر لی۔ پس چاہیئے کہ ہم سچے دل سے اس شرط پر یقین رکھیں اور خدمتِ دین و مِلّت کے پاک کام کو بدمعاشوں اور شریروں کی شرکت سے گندہ نہ ہونے دیں۔ ہم کو پوری ہشیاری اور نگہبانی کے ساتھ اس کا اطمینان کر لینا

بچاہیئے اور جب تک اطمینان نہ ہو، والنٹیرز کا نیا کام شروع نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ اطمینان دونوں جماعتوں کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ ان کی طرف سے بھی جو والنٹیر بنیں، ان کی طرف سے بھی جو والنٹیرز کی قربانیوں اور گرفتاریوں کا نظارہ کریں، دونوں کے دلوں کو ٹٹول لینا چاہیئے۔ دونوں کے دلوں پر امن کی ضرورت نقش کر دینی چاہیئے۔ والنٹیر وہی بنے جو گرفتار ہو جائے۔ پھر بلا جرمانہ دیئے، بلا معافی مانگے، بلا پیشانی پر بل لائے سزا جھیل لینے کے لئے تیار رہو۔ اسی طرح والنٹیرز کا کام صرف اسی آبادی میں کیا جائے جو ہر روز اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے عزیزوں کی گرفتاری دیکھے، لیکن نہ تو اُسے خوف و ہراس ہو، نہ بے جا جوش اور بھڑک۔ اگر ولولہ اُٹھے تو اُن کی ریس کا، جوش پیدا ہو تو انہی کی طرح خوش خوش قید ہو جانے کا۔

تیسری شرط استقامت ہے، یعنی قربانی اور جانبازی کی راہ میں قدم اٹھا کر پھر اس طرح جم جانا کہ نہ تو کوئی طمع ہلا سکے، نہ کوئی خوف ڈرا سکے، سمندر کی طرح پُر جوش، پہاڑ کی طرح مضبوط۔

تزول الجبال الراسیات وقلبہم　　　علی العھد لا یلوی ولا یتغیر

اس شرط کے لئے اور زیادہ کیا کہوں۔ کامیابیوں کی جڑ فتح و مراد کا سرچشمہ، ایمان کا خلاصہ، عمل کی رُوح، خدا کی رحمت کا وسیلہ اگر ہے تو صرف یہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

(سورہ الاحقاف رکوع ۲ آیہ ۱۳) جو لوگ ایمان لائے اور اس پر جم گئے، تو پھر اُن کیلئے نہ تو کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم۔

بیگم صاحبہ مولانا کا تار بنام گاندھی جی

ہم ذیل میں بیگم صاحبہ مولانا کا وہ تار درج کرتے ہیں جو اُنھوں نے مولانا کی سزایابی کے بعد گاندھی جی کو احمد آباد اور بردولی کے پتوں پر دیا تھا، لیکن ٹیلیگراف آفس کلکتہ نے اُسے روک لیا۔

میرے شوہر مولانا ابوالکلام آزاد کے مقدمہ کا فیصلہ آج سُنا دیا گیا۔ انہیں صرف ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ یہ نہایت تعجب انگیز طور پر اس سے بدرجہا کم ہے جس کے سُننے کے لئے ہم تیار تھے۔ اگر سزا اور قید قومی خدمات کا معاوضہ ہے، تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ میں بھی ان کے ساتھ سخت ناانصافی برتی گئی۔ یہ تو کم سے کم بھی نہیں ہے جس کے وہ مستحق تھے۔ میں آپ کو اطلاع دینے کی جرأت کرتی ہوں کہ بنگال میں جو جگہ ان کی خدمات کی خالی ہوئی ہے، ان کے لئے میں نے اپنی خدمات پیش کردی ہیں اور وہ تمام بدستور جاری رہیں گے جو اُن کی موجودگی میں انجام پاتے تھے۔ میرے لئے یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے، لیکن میں خدا سے مدد کی پوری اُمید رکھتی ہوں، البتہ ان کی جگہ صرف بنگال ہی میں خالی نہیں ہے بلکہ تمام ملک میں، اور اس کے لئے سعی کرنا میرے دسترس سے بالکل باہر ہے۔

میں پچھلے چار سال تک ان کی نظربندی کے زمانہ میں اپنی ایک ابتدائی آزمائش کر چکی ہوں، اور میں کہہ سکتی ہوں کہ اس دوسری آزمائش میں بھی پوری اُتروں گی گذشتہ پانچ سال سے میری صحت نہایت کمزور ہو گئی ہے۔ دماغی محنت سے بالکل مجبور ہوں۔ اس لئے باوجود میری خواہش کے مولانا ہمیشہ اس سے مانع رہے کہ میں کسی طرح کی محنت اور مشغولیت کے کام میں حصہ لوں، لیکن میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ان کی سزایابی کے بعد مجھے اپنی ناچیز ہستی کو ادائے فرض کے لئے وقف کر دینا

چاہیئے۔ میں آج سے بنگال پراونشل خلافت کمیٹی کے تمام کاموں کو اپنے بھائی کی اعانت سے انجام دوں گی۔

انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کے پُر محبت و احترام سلام کے بعد یہ پیغام آپ کو پہنچا دوں کہ اس وقت دونوں فریق میں سے کسی فریق کی حالت بھی فیصلہ یا صلح کے لئے تیار نہیں ہے نہ گورنمنٹ نہ ملک۔ اس لئے ہمارے آگے صرف اپنے تئیں تیار کرنے ہی کا کام درپیش ہے۔ بنگال جس طرح آج سب سے آگے ہے، آئندہ منزل میں بھی پیش پیش رہے گا۔ براہِ عنایت بردولی تعلقہ پر بنگال پراونس کے نام کا بھی اضافہ کر دیجئے، اور اگر کوئی وقت فیصلہ کا آئے تو لوگوں کی رہائی کو اتنی اہمیت نہ دیجئے جتنی آج کل دی گئی ہے۔ رہائی کو بالکل نظر انداز کر کے مقاصد کیلئے شرائط کا فیصلہ کرائیے۔
